پیغمبر رحمت ﷺ

بعثت، اَخلاق، معجزات اور عَالمگیر رسالت

فضیلۃ الشیخ

دکتور سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ

ترجمہ شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ









اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے۔ عقل کو اگر شترِ بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے اور اسے خاص حدود و ضوابط کا پابند نہ بنایا جائے تو وہ فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ہر عہد اور ہر علاقے میں انبیاء آتے اور فریضۂ تبلیغ و دعوت ادا کرتے رہے تا آنکہ وحی و رسالت کا یہ زریں سلسلہ نبیٔ عربی محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم کر دیا گیا۔ اب قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے آپ ہی اللہ کی طرف سے ہادی و رہنما ہیں۔ آپ ہی کی بتلائی ہوئی تعلیمات و ہدایات انسانیت کی نجات اور ابدی سعادت و خوش بختی کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان سے اعراض و گریز کرتے ہوئے محض اپنی عقل پر انحصار کر کے انسانیت قعرِ مذلت میں تو گر سکتی ہے لیکن امن و سکون، عافیت و راحت اور ابدی نجات سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔

اگر انسان موجودہ خلفشار اور پیش آمدہ تباہی و بربادی سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ پیغمبر رحمت ﷺ کے دامنِ عافیت میں پناہ لے جن کو خود اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب فرمایا ہے، اور اس دینِ رحمت کے حصار میں آجائے جو آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔

زیر نظر کتاب نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے اسی پہلو کو اُجاگر اور واضح کرتی ہے۔ کاش! لوگ آپ ﷺ کی سیرت و کردار اور اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کریں اور اسے اپنی زندگی میں سمو لیں کہ اسی میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا راز مضمر ہے اور انسانیت کی فلاح و نجات بھی اسی سے وابستہ ہے۔



ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

پیغمبرِ رحمت ﷺ

بعثت، اَخلاق، معجزات اور عالمگیر رسالت

پیغمبر رحمت ﷺ

بعثت، اخلاق، معجزات اور عالمگیر رسالت

فضیلۃ الشیخ

دکتور سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ

ترجمہ شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ



دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ھیوسٹن • نیو یارک



دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

● الرّیاض۔العلیّا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 ● المَلز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 ● سویلم فون: 2860422 01
● مندوب الریاض: موبائل: 0505196736-0503459695 ● قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
● مکہ مکرمہ: موبائل: 0506640175-0502839948 ● مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
● جدّہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 ● الخُبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
● ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 ● خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ● ہوسٹن فون: 7220419 713 001 ● نیویارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

● 36 - لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569
● غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
● Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی
فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
القحطاني، سعيد بن علي بن وهب
رسول الرحمة. / سعيد بن علي بن وهب القحطاني - الرياض، ١٤٢٩ هـ
ص: ٤٦١ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-٠٢٣-٩
(الكتاب باللغة الاردية)
١- السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٢٩ / ٣٨٤٩
رقم الإيداع: ١٤٢٩ / ٣٨٣٩
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-٠٢٣-٩



دُرُودِ ابراھیمی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

”اے اللہ! محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل پر رحمت فرما، جیسے تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت فرمائی ، یقیناً تو قابل تعریف بڑی شان والا ہے۔
اے اللہ! محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل پر برکت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف بڑی شان والا ہے۔“

مضامین

باب: 11

باب: 12

عرضِ ناشر

ساتویں صدی عیسوی میں رسول اللہ ﷺ کے ظہورِ قدسی کے وقت انسانیت کے حالات نہایت ابتر اور دگرگوں تھے۔ روئے زمین سے توحید مٹ چکی تھی۔ کہیں دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی تو کہیں شجر و حجر کی عبادت کی جاتی تھی۔ مشرق و مغرب کے تمام معاشرے من گھڑت معبودوں کی پرستش کے عادی ہو چکے تھے۔ کفر و باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں اس طرح چھا گئی تھیں کہ وحدانیت اور ربوبیتِ الٰہی کا شعور ختم ہو چکا تھا۔ ابلیس اور اس کے کارندے دُنیا بھر میں ضلالت و گمراہی پھیلا رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں ہر طرف ظلم و وحشت کا دور دورہ تھا۔

روم اور ایران کے جابر بادشاہوں نے اپنی اپنی سلطنت میں ظلم وستم کے ایسے ریکارڈ قائم کیے کہ غریبوں کا جینا حرام ہو گیا۔ دینِ یہود مسخ ہو گیا تھا اور مسیحیت آسمانی ہدایت کی روشنی سے محروم ہو چکی تھی۔ خالص توحید پر مبنی دینِ عیسوی میں ابنیتِ مسیح اور کفارے کے عقائد شامل کر کے اسے مشرکانہ مذہب بنا دیا گیا تھا۔ دوسری طرف ایران میں آتش کدے سُلگ رہے تھے۔ طرح طرح کی گمراہیاں اور فحاشیاں پھیل گئی تھیں۔ مزدک نے اعلان کر دیا تھا کہ عورت کسی ایک سے منسوب نہیں بلکہ سب کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اکثر معاشروں میں غریب، کس مپرس اور نادار لوگوں کو غلام بنا کر بھیڑ بکریوں کی طرح بیچ دیا جاتا تھا۔ ان کے گلے میں لوہے کے وزنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی

جاتی تھیں۔ غلاموں کے دو طبقے تھے۔ پہلے طبقے کے غلام، کھیتوں اور کھلیانوں میں کام کرتے تھے اور دوسری نوعیت کے غلام اونچے طبقوں کے گھروں میں مردوزن کی خدمت پر مامور تھے۔

اِدھر ہندوستان میں برہمنوں کا راج تھا۔ وہ شودروں کے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ شودروں کے لیے حکم تھا کہ وہ جہاں بھی آئیں یا جائیں، ڈنڈے بجاتے ہوئے جائیں تا کہ دور ہی سے پہچان لیے جائیں اور ان کی آواز سن کر برہمن لوگ خبردار ہوکر دور ہٹ جائیں۔ کوئی شودر کسی برہمن سے بُھولے سے بھی چھو جاتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنے بدن کے لمس سے برہمن کو ناپاک کر دیا ہے، اس لیے شودر کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ عورتوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری تھی۔ وہ محض حکمران طبقوں اور دولتمندوں کی ہوس کا کھلونا تھیں۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ باپ اور شوہر کی طرف سے انھیں وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ ہندوستان میں عورت پر ظلم کی انتہا یہ تھی کہ شوہر مر جاتا تھا تو اس کی ارتھی کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اُدھر جزیرہ نمائے عرب میں شقی القلبی کا یہ عالم تھا کہ بچیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں۔

یہ تھے صدیوں کے تسلسل سے جاری وہ حالات جن کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان عظیم فرمایا اور اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ تنِ تنہا تھے۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا۔ آپ کے پاس دولت نہیں تھی، حکومت نہیں تھی، حمایتیوں یا حواریوں کا کوئی جتھا نہیں تھا۔ کوئی جاگیر نہیں تھی۔ پولیس نہیں تھی، فوج نہیں تھی، ذرائع ابلاغ نہیں تھے۔ مکبر الصوت آلات نہیں تھے۔ آپ کا تمام تر اثاثہ صرف اللہ رب العزت پر اعتقاد و اعتماد اور اپنی یگانہ سیرت کی

بلندی تھی۔ آپ اسی پونجی کے بل بوتے پر غار حرا سے نکلے اور ہر خطرے، ہر مزاحمت، ہر مصیبت اور طرح طرح کے حشر بداماں فتنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پورے عزم و ثبات سے کامل 23 برس تک گمراہ انسانوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے رہے اور اس انقلابی دعوت کے ذریعے سے آپ نے تاریخِ عالم کا دھارا بدل ڈالا۔

غور فرمائیے، جب آپ نے انسانوں کو ان کی تخلیق کے اصل مقصد اور اس دنیا کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرمایا اور رب ذوالجلال کی بندگی کی دعوت دی تو سب سے پہلے کیا اقدام کیا......؟ آپ نے اہلِ مکہ کو بلایا، اُن کے سامنے اپنی سیرت کی سچائی پیش کی اور بڑے سیدھے، سچے، آسان، میٹھے اور مضبوط لفظوں میں فرمایا: مجھے غور سے دیکھو۔ میں تمھی میں سے ہوں۔ تمھاری ہی بستی کا رہنے والا ہوں۔ میری زندگی کے لیل و نہار تمھارے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ بتاؤ کیا میں نے زندگی کے کسی بھی لمحے میں کبھی کوئی جھوٹ بولا ہے؟

اہلِ مکہ نے بیک آواز اعلان و اعتراف کیا: اے محمد (ﷺ)! آپ صادق ہیں۔ آپ امین ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔...... جب آپ ﷺ نے اہلِ مکہ سے اپنی سچائی کی تصدیق کرالی تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی انقلابی دعوت کیسی عزیمت و استقامت سے دی۔ اور آخر دم تک تن، من اور دھن سے تبلیغِ دینِ حنیف کے عظیم الشان کام میں کس طرح مصروف رہے؟ زیر نظر کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کے اسی روشن اعمال نامے کی مستند تاریخ ہے۔ اسے سعودی عرب کے برگزیدہ عالم دین شیخ سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔ شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ نے اس کا بہت آسان اور شگفتہ اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں صحیح تاریخی حوالوں کی کمک بہم پہنچا کر بتایا گیا ہے کہ ہمارے رہبر اعظم حضرت محمد ﷺ کی صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے۔

آپ کا حسب نسب کیا تھا۔ آپ کی پرورش و پرداخت کس طرح ہوئی۔ آپ مردانہ حسن و جمال کے کتنے اعلیٰ اور پاکیزہ نمونہ تھے۔ ہر آن اور ہر گھڑی کس طرح رب کریم کی یاد میں محو رہتے تھے۔ کس جذب و انہماک کے ساتھ عبادت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے زندگی کے اصل مقاصدِ جلیلہ کس طرح اُجاگر فرمائے اور ان مقاصد کے حصول کے لیے شام وسحر کس قدر پُر محن جدوجہد کی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک بلا امتیاز سب کے لیے کس طرح آپ کی پوری زندگی رحمتِ جاریہ بنی رہی۔ آپ حسن اخلاق، سچائی اور سخاوت، عدل و انصاف، تحمل و درگزر اور حلیمی و کریمی کے کیسے بے مثل مظہر اتم تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو کیسے کیسے معجزات مرحمت فرمائے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے عالم انسانیت کو کتنا جامع و مانع، نافع اور ابدی دستور زندگی عطا کیا۔ آپ کی مجاہدانہ زندگی کے ایام کس طرح گزرے اور جب آپ نے اپنے رفیقِ اعلیٰ کی طرف جاتے ہوئے اس دنیا پر آخری نظر ڈالی تو یہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی...... یہ تمام حالات و واقعات آپ کو اس کتاب میں بے کم و کاست جلوہ نما نظر آئیں گے۔

ہمیں پیشانی اس لیے دی گئی ہے کہ یہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے حضور جُھکی رہے اور آنکھیں اس لیے عطا کی گئی ہیں کہ ہم سید البشر رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ ہی کی سیرت کا حسن و جمال دیکھتے رہیں۔ اسوۂ حسنہ کا مطالعہ فکر و عمل کی ہر بیماری کا واحد اور کامل علاج ہے۔ دارالسلام نے سیرت نبوی ﷺ کی زبردست اہمیت کے پیشِ نظر اس کے ہر گوشے پر خصوصی تصانیف کی اشاعت کا ایک جداگانہ خصوصی شعبہ قائم کر رکھا ہے تاکہ بنی نوعِ انسان کو امن، صداقت، شرافت، شجاعت، عدالت اور نفاست کی زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل ہو اور عہد در عہد پیدا ہونے والے نت نئے مسائلِ حیات حل کرنے کے لیے رہبری کی روشنی مسلسل میسر آتی رہے۔ یہ کتاب اسی سلسلۃ الذھب کی

ایک ایمان افروز کڑی ہے۔ اسے نہایت توجہ سے پڑھیے اور حرزِ جان بنا لیجیے۔ یہ کتاب اسمی اور رسمی چیز نہیں۔ اس کی اشاعت کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی عملی زندگی کا ہر لمحہ اسی اسوہ حسنہ کی روشنی میں بسر کرے تا کہ جب اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے تو سب گواہی دیں کہ آج اس دنیا سے ایک مردِ مومن اٹھ گیا۔

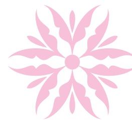
یہ کتاب عزیزم حافظ عبدالعظیم اسد کی نگرانی میں بخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ تصحیح اور مراجع کے کام میں مولانا محمد عمران اقبال، مولانا حافظ محمد اقبال صدیق، محمد فاروق، مولانا مختار احمد، محترم احمد کامران اور کمپوزنگ کے فرائض محمد رمضان شاؔد نے بخوبی نبھائے، میں اُس کا معترف ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمتوں سے شاداب رکھے!

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، لاہور۔ الریاض

ربیع الثانی 1429ھ/مئی 2008ء



مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا. أَمَّا بَعْدُ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہان والوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

”ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔“[1]

اس لیے آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، سراپا رحمت ہیں۔ آپ سب کو اللہ تعالیٰ کی (بندگی کی) طرف دعوت دیتے تھے تاکہ آپ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

1 الأنبيآء 21:107۔

﴿الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾

’’کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول ’’نبی امی‘‘ پر ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے۔ اور تم اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔‘‘ [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ٔکریم ﷺ سے فرمایا:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝﴾

’’اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف پھیرا جبکہ وہ قرآن غور سے سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: خاموش رہو، چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔‘‘ [2]

لہٰذا آپ سب جہانوں کے لیے رحمت اور ساری مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اور مومنین کے لیے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

’’بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں انھی میں سے ایک عظیم رسول

[1] الأعراف 7:158۔ [2] الأحقاف 46:29۔

مبعوث کیا۔ وہ انھیں اس (اللہ) کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور یقیناً اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''[1]

حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجھ سے ایک صحابی نے بیان کیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایام تشریق کا خطبہ سنا تھا جس میں آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَّإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَّلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى»

''اے لوگو! بلاشبہ تمھارا رب ایک ہے۔ تمھارا باپ (آدم) بھی ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی سرخ پر یا کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔''[2]

اس ارشاد گرامی سے واضح ہو گیا کہ تقویٰ کے علاوہ لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس قدر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوگا، وہ اتنا ہی افضل ہوگا، چاہے وہ کسی بھی نسل یا رنگ سے تعلق رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے عظیم احسان فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ کو تمام عمدہ اخلاق کا حامل بنایا۔ بے شمار لوگ آپ کے اخلاق عالیہ کی بنا پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کوئی آپ کی سخاوت وشرافت سے متأثر ہوا، کوئی آپ کے عفوو درگزر سے مغلوب ہو گیا، کوئی آپ کے تحمل و بردباری سے گھائل ہوا، کوئی آپ کی نرمی اور صبر جمیل پر فدا ہو گیا، کسی کو آپ کی تواضع بھا گئی، کوئی آپ کی شفقت کا گرویدہ ہوا، کوئی آپ کا احسان مند ہوا، کوئی آپ کی

[1] آل عمرٰن 3:164۔ [2] مسند أحمد: 411/5.

شجاعت اورقوت سے حیرت زدہ ہوگیا۔غرض کوئی وصف جلیلہ ایسانہیں جس سے آپ بہرہ ور نہ ہوئے ہوں۔

جو شخص بھی نبیٔ کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے گا، صاف محسوس کرے گا کہ آپ اپنے تمام احوال وظروف میں اخلاقِ عالیہ کا عظیم مظہر تھے۔اسی لیے لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ساتھ آپ کے خلقِ عظیم کو بھی دخل حاصل ہے۔

آپ کے حسن اخلاق سے متأثر ہوکر اسلام میں داخل ہونے والے کثیر تعداد میں ہیں۔ان میں سے ایک حضرت ثُمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ ہیں جو نبیٔ کریم ﷺ کے عفو و درگزر سے متأثر ہوکر مسلمان ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

«وَاللهِ! مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ كُلِّهَا إِلَيَّ، وَاللهِ! مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ كُلِّهِ إِلَيَّ، وَاللهِ! مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ»

”اللہ کی قسم! اس سے قبل روئے زمین کا کوئی چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ آپ کا چہرۂ انور مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب لگنے لگا ہے۔اللہ کی قسم! اس سے پہلے روئے زمین پر کوئی دین مجھے آپ کے دین سے زیادہ ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا مبارک دین مجھے تمام ادیان سے زیادہ محبوب لگنے لگا ہے۔اللہ کی قسم! اس سے قبل روئے زمین کا کوئی شہر مجھے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب آپ کا

شہر میرے لیے تمام شہروں سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔'' [1]

ایک اعرابی آ کر دعا کرتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا أَحَدًا»

''اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد ﷺ پر لیکن ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرمانا۔'' [2]

یہ شخص نبی ﷺ کے عفو سے انتہائی متأثر ہوا تھا کیونکہ اس نے کچھ دیر قبل مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا (تو آپ نے اس سے عفوو درگزر کا معاملہ کیا تھا۔) آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے اور تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

«لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا»

''(اللہ کے بندے!) تو نے اللہ کی انتہائی وسیع رحمت کو محدود کر دیا ہے۔'' [3]

(نصیحت اور حسن تعلیم کا یہ انداز اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔)

یہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ انھیں انتہائی شفقت ومحبت سے تعلیم دیتے ہیں تو وہ پکار اٹھتے ہیں:

«فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي ! مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِّنْهُ، فَوَاللهِ! مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي»

''میرے ماں باپ آپ پر فدا! میں نے آپ سے بہتر انداز میں تعلیم دینے والا معلم پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔ اللہ کی قسم! نہ آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة……، حديث:4372، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب ربط الأسير وحبسه……، حديث:1764، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6010. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6010.

بھلا کہا۔‘‘ [1]

ایک شخص کو آپ بکریوں سے بھری وادی عطا کرتے ہیں تو وہ اپنی قوم سے جا کر کہتا ہے: ’’لوگو! مسلمان ہو جاؤ، اللہ کی قسم! محمد ﷺ تو عطیہ دیتے وقت اپنے فقر و فاقہ کا ذرا بھی خدشہ محسوس نہیں کرتے۔‘‘ [2]

یہ صفوان بن امیہ کفارِ قریش کے مسلمہ سردار ہیں۔ آپ انھیں سو بکریاں دیتے ہیں، پھر سو اور پھر سو عطا کرتے ہیں تو صفوان کہتا ہے: اللہ کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ عطیہ دیا تو اس وقت میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ ناپسند تھے مگر آپ مجھے عطیہ دیتے رہے، دیتے رہے حتی کہ آپ مجھے سب لوگوں سے کہیں زیادہ محبوب لگنے لگے۔ [3] اور یہی واقعہ صفوان کے مسلمان ہونے کا سبب بن گیا۔

ایک اور مشرک و کافر رسول اللہ ﷺ کو تلوار سے قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بچا لیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ [4]

وہ اپنی قوم کے لوگوں کے پاس جا کر نہ صرف خود مسلمان ہو جاتا ہے بلکہ انھیں بھی دعوتِ اسلام دیتا ہے۔ اُس کی قوم کے بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ [5]

اور یہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو یہود کے بہت بڑے عالم ہیں۔ رسول اللہ

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة……، حديث: 537. [2] صحيح مسلم، الفضائل باب في سخائه ﷺ، حديث: (57) - 2312. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2313. [4] ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من علق سيفه بالشجر……، حديث: 2910، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 843. [5] فتح الباري: 428/7، و شرح النووي: 89/12.

ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ خود فرماتے ہیں: میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ کو دیکھنے آیا۔ میں نے بڑے غور سے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا اور معاً اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات جو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنی، وہ یہ تھی:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

''اے لوگو! سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو، رشتوں کو قائم رکھو اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھا کرو۔ اس طرح تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''[1]

ایک اور یہودی عالم، زید بن سعیہ[2] نبیٔ کریم ﷺ کو آزماتا ہے اور آپ کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے مگر آپ اس سے درگزر کرتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے ہیں کہ اسے اس کا حق ادا کرو بلکہ زیادہ دو۔ وہ پکار اٹھتا ہے: ''میں نبوت کی ہر نشانی رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے پہچان چکا تھا۔ صرف دو نشانیاں، جن کا میں نے مشاہدہ نہیں کیا، باقی ہیں:

① ان کا حلم ان کے غصے پر غالب ہوگا۔

② ان کے ساتھ جس قدر جہالت کا سلوک کیا جائے گا، ان کا حلم اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔

---

1 جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث: [أفشو السلام……]، حديث: 2485، وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب إطعام الطعام، حديث:3251، واللفظ له . البتہ جامع ترمذی میں اُدْخُلُوا …… کے بجائے تَدْخُلُوا…… کے لفظ ہیں۔

2 ''زید بن سعیہ'' مستدرک حاکم وغیرہ میں ''زید بن سعنہ'' نون کے ساتھ ہے اور یہ زیادہ مشہور ہے بلکہ آگے چل کر خود فاضل مؤلف حفظہ اللہ نے بھی زید بن سعنہ لکھا ہے۔

اب میں نے یہ دونشانیاں بھی آپ میں دیکھ لی ہیں۔

«فَأُشْهِدُكَ يَا عُمَرُ! أَنِّي قَدْ رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا ، وَّأُشْهِدُكَ أَنَّ شَطْرَ مَالِي صَدَقَةٌ عَلٰى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ»

''اے عمر! میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں: میں نے اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی بخوشی تسلیم کرلیا ہے اور میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا نصف مال امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے وقف ہے۔''[1]

ایک اور یہودی اپنی موت کے وقت اعلان کرتا ہے: قسم اس ذات کی جس نے تورات اتاری! ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفات اور آپ کی تشریف آوری کی بڑی واضح پیشگوئی پاتے ہیں۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''[2]

حبشہ میں عیسائیوں کا بادشاہ نجاشی جب نبیٔ اکرم ﷺ کی دعوت سنتا ہے، خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی تعلیم کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' تو وہ مسلمانوں کے وفد سے بے ساختہ کہتا ہے: ''تمھیں اور جس عظیم شخصیت کے پاس سے تم آئے ہو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن کی خوش خبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اگر یہ بادشاہی اور حکومت کا بکھیڑا نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے نعلین مبارک چومتا۔''[3]

عیسائی رومیوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہرقل، سردارِ قریش ابوسفیان سے برملا کہتا ہے:

[1] المعجم الكبير للطبراني: 5/222,223، حديث: 5147، والمستدرك للحاكم: 605/3، حديث:6547 . [2] مسند أحمد: 411/5 . [3] سير أعلام النبلاء للذهبي:438/1 .

جب ابوسفیان نے اسے آپ کی صفات واخلاق سے آگاہ کیا تھا کہ آپ بدعہدی نہیں کرتے، ایک اللہ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بت پرستی سے روکتے ہیں۔ اور نماز پڑھنے، صدقہ دینے اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا حکم دیتے ہیں۔ ''اگر تیری باتیں سچی ہیں تو وہ عنقریب میری اس سرزمین پر حکمرانی کرے گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ نبی آنے والا ہے مگر یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یقین ہو کہ میں آپ تک پہنچ سکوں گا تو طویل سفر کی مشقت اٹھا کر بھی آپ (ﷺ) تک پہنچتا اور ملاقات کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

''اور بلاشبہ آپ خلق عظیم پر (کاربند) ہیں۔''[2]

اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی سچ فرمایا ہے:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ»

''مجھے اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[3]

اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ فرمانے لگیں:

«فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ»

''بلاشبہ اللہ کے نبی ﷺ کے اخلاق ٹھیک قرآن کے مطابق تھے۔''[4]

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟ حديث: 7، مطوّلاً.
2 القلم 68:2. 3 السنن الكبرٰى للبيهقي، الشهادات، باب بيان مكارم الأخلاق......: 10/192، و مسند أحمد: 2/381، والسلسلة الصحيحة: 1/112، حديث: 45. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل......، حديث: 746، مطوّلاً.

دین کے تین بنیادی اصولوں میں سے دوسرا یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی قدر و منزلت اور اہمیت اچھی طرح سمجھ لی جائے۔ اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں قبر میں بھی سوال کیا جائے گا۔

میں نے یہ ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام

رحمة للعالمين: محمد رسول اللّٰہ ﷺ

رکھا ہے۔ میں نے اس میں آپ کا نام و نسب، پرورش، اخلاق، صورت اور سیرت، معجزات، عالمگیر رسالت و نبوت، امت کے لیے آپ کی وصیتیں اور نصیحتیں، نیز امت پر آپ کے حقوق بتائے ہیں۔ میں نے یہ تمام امور چند ابواب میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے:

① رسول اللہ ﷺ کا بہترین نسب

② رسول اللہ ﷺ کی پرورش

③ سیرت طیبہ اور صورتِ حسنہ

④ عبادت اور جہاد میں آپ کی جدوجہد

⑤ نبیٔ کریم ﷺ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن

⑥ بچوں پر شفقت اور ان سے خوش طبعی

⑦ نبیٔ کریم ﷺ کا حسنِ خلق

⑧ جود و سخا کے پیکر

⑨ عدل و انصاف

⑩ تواضع اور عجز و انکسار

⑪ عفو و درگزر

⑫ تفکر و تدبر اور متحمل مزاجی

⑬ نرم خوئی
⑭ صبر وثبات کے اعلیٰ پیکر
⑮ رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور بہادری
⑯ اصلاح واتفاق کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکیمانہ طریق کار
⑰ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت
⑱ معجزات اور دلائل نبوت
⑲ محمد ﷺ کی رسالت تمام جن وانس کے لیے
⑳ یہود ونصاریٰ کے انصاف پسند علماء کا اعترافِ رسالت
㉑ رسول اللہ ﷺ کے آخری اعمالِ حسنہ
㉒ امت کے لیے الوداعی وصیتیں
㉓ زندہ اور فوت شدہ لوگوں کے لیے الوداعی دعا
㉔ مرض الوفات کی ابتدا اور ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم
㉕ رسول اللہ ﷺ کا آخری عظیم الشان خطبہ
㉖ شدت مرض الموت میں وصیت
㉗ موت کے وقت وصیتیں
㉘ رفیق اعلیٰ کو پسند فرمالیا
㉙ رسول اللہ ﷺ کا شہید ہونا
㉚ اللہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا
㉛ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر مسلمانوں کو صدمہ
㉜ رسول اللہ ﷺ کی میراث

33 امت پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے اس تھوڑے سے عمل میں برکت پیدا فرمائے، اسے سب کے لیے مفید اور اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے، خصوصاً میری موجودہ زندگی اور مابعد الموت میرے لیے نافع بنائے۔

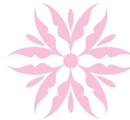
اللہ تعالیٰ ہی وہ مقدس ترین ہستی ہے جس سے سوال کیا جا سکتا ہے اور قبولیت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ وہی ہمیں کافی اور بہترین کارساز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی مفید (نیک) کام کیا جا سکتا ہے نہ کسی غلطی سے بچا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول، مخلوق میں سے بہترین شخصیت اور اپنی وحی کے ذمہ دار محمد بن عبداللہ ﷺ اور آپ کی آل، آپ کے صحابہ اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر اپنی خصوصی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

ابوعبدالرحمٰن

بوقت چاشت بروز منگل

29 محرم الحرام 1427ھ



باب:1

رسول اللہ ﷺ کا بہترین نسب

پیغمبر رحمت ﷺ کا نسب نامہ یوں ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرِکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معدّ بن عدنان۔[1]

رسول اللہ ﷺ نہایت معزز و مکرم آباء و اجداد کی نسل سے ایک یگانہ شخصیت ہیں۔ آپ نے اپنے نسب کے بارے میں فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَّلَدِ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَّاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا، بنو کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا، قریش سے بنو ہاشم کو اور پھر بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔''[2]

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مبعث النبي ﷺ، قبل الحديث: 3851.

[2] صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ......، حديث: 2276.

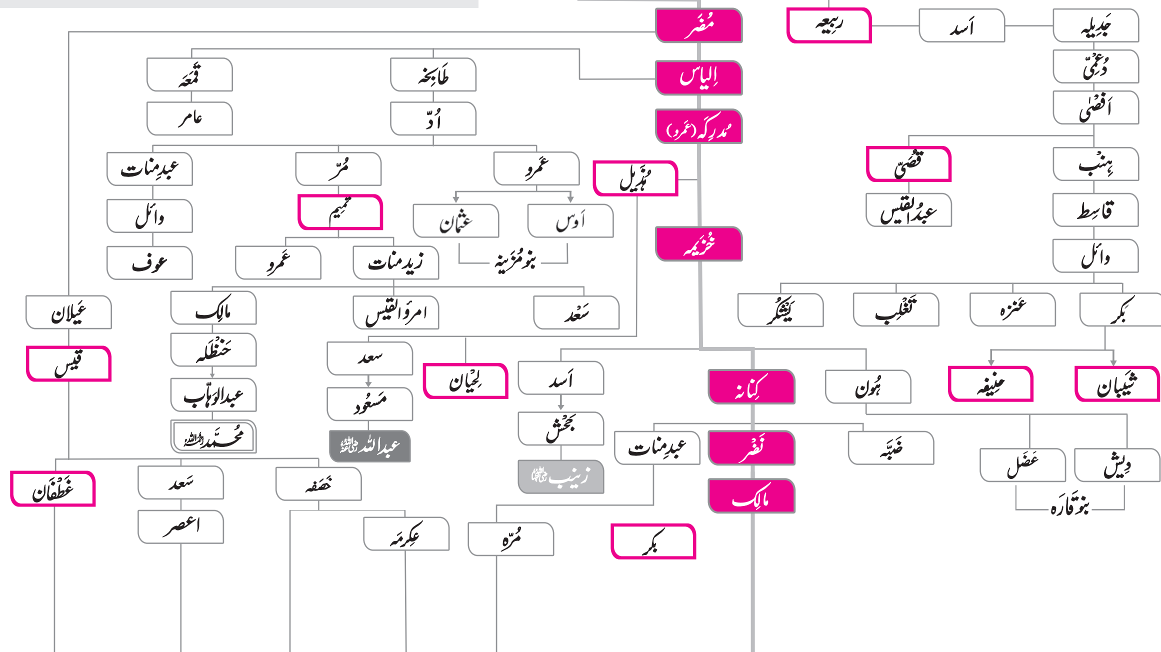
وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

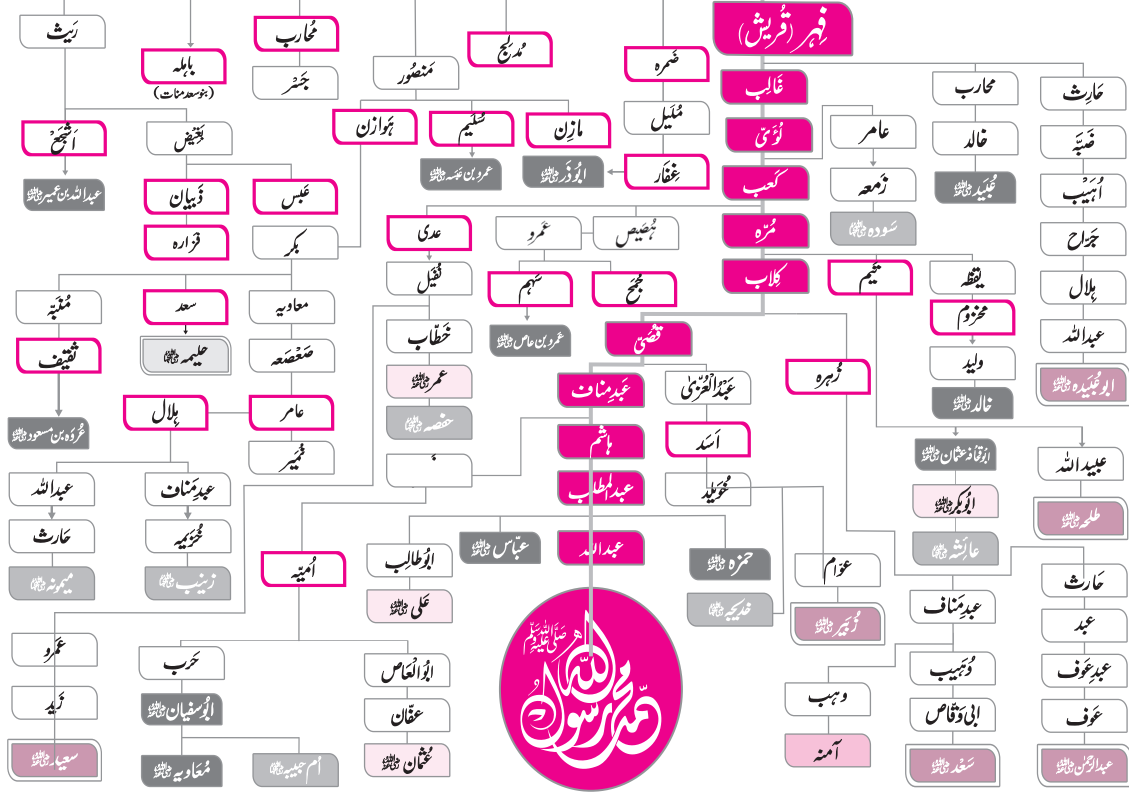
شجرۂ مبارکہ رحمتِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

بنوعدنان : عربِ مستعربہ

بنوعدنان، عربِ مستعربہ، یعنی باہر سے عربوں میں شامل ہونے والے لوگ ہیں۔ ان کی نسبت سے متعلق اتفاق ہے کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ عدنان اور اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان واسطے غیر معروف ہیں، تاہم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لے کر عدنان تک چالیس پشتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ ان کی آبادیاں نجد، تہامہ اور حجاز میں تھیں، پھر وہ عراق، الجزیرہ اور دیگر علاقوں میں پہنچے۔





• مآخذ: أطلس التاريخي لسيرة الرسول ★ مُعجم القبائل العرب ★ أسد الغابة ★ مُعجَمُ ما استَعجَمَ ★ كتاب الشجرة النبوية

تحقیق وترتیب: محسن فارانی

یوں آپ قریشی ہیں، قریش عرب ہیں اور عرب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔[1]

آپ مکہ مکرمہ میں عام الفیل (ہاتھی والے سال) ماہِ ربیع الاول[2] میں بمطابق 571 عیسوی پیر کے دن[3] پیدا ہوئے[4] اور آپ تریسٹھ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ ان میں سے چالیس سال نبوت سے پہلے گزرے اور تیئیس سال نبوت کے بعد بلحاظ منصب نبی و

[1] آدم علیہ السلام تک آپ کا نسب معلوم کرنے کے لیے دیکھیے البداية والنهاية: 239/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 1/1. امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عدنان تک تو آپ کے نسب کی صحت معلوم ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ عدنان کے بعد کچھ اختلافات ہیں جبکہ عدنان کے اسماعیل علیہ السلام کی آل سے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ اسماعیل ہی ذبیح اللہ معروف ہیں جس پر علماء، صحابہ و تابعین کا اتفاق ہے۔ (زاد المعاد: 71/1)

[2] صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول ہی کے مہینے میں ہوئی ہے۔ اس پر اجماع بھی منقول ہے۔ (تهذيب السيرة للنووي، ص: 20)

[3] آپ ﷺ کی پیدائش پیر کے دن ہوئی۔ اس کی تحدید میں وہ حدیث ہے جس میں آپ سے اس (پیر کے) دن کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [فِيهِ وُلِدْتُّ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ] ''اس دن میں میری پیدائش ہوئی اور اسی دن میں مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔'' (صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام......، حديث: (198)-1162) البتہ تاریخ کی تعیین میں چند اقوال ہیں: 2 ربیع الاول، 8 ربیع الاول، 10 ربیع الاول، 17 ربیع الاول یا 12 ربیع الاول ذکر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔ سب سے مشہور دو قول ہیں: ایک یہ کہ آپ کی ولادت 9 ربیع الاول کو ہوئی۔ دوسرا یہ کہ 12 ربیع الاول کو ہوئی۔ پہلے قول کو ابن عبدالبر نے مؤرخین کے حوالے سے درست قرار دیا ہے۔ (البداية والنهاية: 260/2) دوسرے قول کو ابن کثیر نے البدایۃ میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: عام لوگوں کے ہاں یہ قول مشہور ہے۔ (البداية: 260/2) ابن اسحاق نے یہ قول جزم (پختگی) کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (السيرة النبوية لابن هشام: 171/1)

[4] دیکھیے الرحيق المختوم، ص: 53 .

رسول۔ ﴿اِقْرَاْ﴾ کی وحی کے ساتھ آپ کو نبی بنایا گیا اور ﴿الْمُدَّثِّرُ﴾ کی وحی سے آپ رسول کے درجے پر فائز ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کا پیدائشی شہر مکہ مکرمہ ہے۔ مدینہ منورہ کی طرف آپ نے ہجرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک سے ڈرانے اور توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ دس سال تک اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے رہے، پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا اور آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ تین سال تک آپ مکہ مکرمہ میں نمازیں پڑھتے رہے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔ جب مدینہ منورہ [1] میں آپ کی حکومت قائم ہوگئی تو شریعت اسلامیہ کے دیگر احکام، مثلاً: زکاۃ، روزہ، حج، جہاد، اذان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ نافذ کیے گئے۔ دس سال تک آپ ان احکام پر کار بند رہے، پھر اس کے بعد آپ فوت ہو گئے مگر آپ کا دین قائم رہا اور یہی آپ کا لایا ہوا دین ہے۔ آپ نے ہر حسن وخوبی والی چیز کی طرف امت کی رہنمائی فرمائی اور ہر برائی سے امت کو ڈرایا۔ آپ آخری نبی اور رسول ہیں۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری انسانیت کی طرف نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے اور تمام جن وانس پر آپ کی اطاعت فرض کی ہے، لہٰذا جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے گا وہ آگ میں جائے گا۔ [2]

اس باب سے متعلقہ کثیر اسباق وفوائد میں سے چند یہ ہیں:

① نبی کریم ﷺ نسل در نسل نہایت عالی مرتبت حضرات کی اولاد ہیں۔ نسب کے لحاظ

---

1 نبی ﷺ ربیع الاول میں پیر کے دن مدینہ منورہ پہنچے۔ بعض نے 12 ربیع الاول کی تاریخ بیان کی ہے۔ (فتح الباري :224/7)

2 ماخوذ از صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مبعث النبي ﷺ، حديث:3851 .

سے آپ افضل ترین ہیں۔ عقل کے اعتبار سے تمام مخلوقات پر فائق ہیں۔ دنیا و آخرت میں سب سے بلند و برتر اور قیامت کے دن آپ سب سے بڑی امت والے ہوں گے۔

② نبیٔ کریم ﷺ کی پیدائش کی مناسبت سے ہر سال 12 ربیع الاول کو جلسے کرنا، جلوس نکالنا اور چراغاں کرنا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اور آپ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اور خیر القرون کے تابعین اور تبع تابعین نے کبھی یہ کام نہیں کیا، نیز بارہ ربیع الاول کو آپ کی پیدائش قطعی بھی نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ کام بدعت ہی قرار پائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

''جو شخص ہمارے دین میں ایسا کام جاری کرے جو دین میں ثابت نہیں، وہ مردود ہے۔''[1]

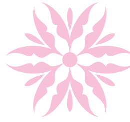
مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

''جو شخص ایسا کام کرے جس پر ہماری تصدیق نہ ہو وہ مردود ہوگا۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2697، وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، حديث: 1718، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب إذا اجتهد العامل أو الحاكم......، قبل الحديث: 7350، وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، حديث: (18)-1718. کاش! امت مسلمہ بیرونی بام و در سجانے اور چراغاں کرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں سے اپنی سیرت سجائے اور نور ایمان سے اپنے باطن کو منور کرے۔

③ نبیٔ کریم ﷺ کی ذمہ داری یہ تھی کہ توحید کی دعوت دیں اور لوگوں کو شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے نور کی طرف، گناہوں کے اندھیروں سے اطاعت اور اعمالِ صالحہ کے نور کی طرف اور جہالت سے علم ومعرفت کی طرف لائیں۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری بطریق احسن انجام دیتے ہوئے ہر خیر کی طرف امت کی رہنمائی فرمائی اور ہر قسم کے شر (اور اس کے مہلک نتائج) سے سب کو خبردار کر دیا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ .



باب:2

رسول اللہ ﷺ کی پرورش

نبیِ کریم ﷺ یتیم پیدا ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین ٹھکانہ مہیا فرمایا۔ آپ تنگدست پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنا سے نوازا۔ جب آپ کے والد عبداللہ فوت ہوئے تو آپ اپنی والدہ محترمہ کے پیٹ میں تھے۔ پیدائش کے بعد چند دن ابولہب کی لونڈی ثُوَیْبَة نے آپ کو دودھ پلایا، [1] پھر حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کے لیے صحرائی دیہات میں لے گئیں۔ آپ ان کے پاس بنوسعد میں تقریباً چار سال ٹھہرے۔ وہاں آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، انھوں نے آپ کو پکڑ کر نیچے لٹا دیا۔ آپ کا سینہ چیرا اور آپ کا دل نکالا، پھر اس میں سے خون کا ایک لوتھڑا سا نکال کر باہر پھینک دیا اور فرمایا: ''یہ آپ کے وجود میں شیطان کا حصہ تھا۔'' پھر سونے کے ایک تھال میں زمزم کے پانی سے آپ کا دل دھویا، پھر اسے جوڑ کر دوبارہ اصل جگہ رکھ دیا۔ ادھر بچے آپ کی رضاعی والدہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا ہے۔'' گھر والے بھاگے آئے۔ دیکھا کہ گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ

1 ماخوذ از صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ (النسآء 23:4)، حديث: 5107 .

فرماتے ہیں: ”میں اس سلائی کے نشانات آپ کے سینہ مبارک پر دیکھا کرتا تھا۔“ [1]

اس عجیب وغریب واقعے سے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو طرح طرح کے خدشات لاحق ہونے لگے، اس لیے وہ آپ کو آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کے پاس چھوڑ گئیں۔ آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں تاکہ آپ کے ننھیال سے ملاقات ہو، پھر واپس مکہ روانہ ہوئیں تو راستے میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء کے مقام پر فوت ہوئیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر چھ سال تین ماہ دس دن تھی۔ [2] والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کا ذمہ لیا لیکن ابھی آپ آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ دادا بھی رخصت ہو گئے۔ وہ آپ کے چچا ابوطالب کو آپ کی پرورش اور حفاظت کی ذمہ داری سونپ گئے۔ ابوطالب آپ کے والد کا سگا بھائی تھا۔ اس نے آپ کی خوب کفالت اور بھرپور حفاظت کی، خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا تو اس نے آپ کا پوری طرح ساتھ دیا اگرچہ خود مسلمان نہ ہوا۔ اس وفاداری کی بنا پر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی برکت سے اس کے لیے عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ وَّلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

”وہ ٹخنوں تک آگ میں ہوگا۔ اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے گہرے گڑھے میں ہوتا۔“ [3]

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ......، حديث: (261)-162 .

[2] البداية والنهاية:4/423، و دلائل النبوة للبيهقي:1/188، والفصول في سيرة الرسول، ص:92.

[3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حديث:3883 و 3885، و صحيح مسلم، الإيمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب......، حديث:209 .

«لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ»

''امید ہے قیامت کے دن میری شفاعت سے اسے فائدہ ہوگا اور اسے صرف ٹخنوں تک آگ میں رکھا جائے گا جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ اپنے چچا محترم کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گئے۔ اس کا سبب چچا کی عظیم شفقت تھی اور اس لیے بھی کہ مکہ میں آپ کی نگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا، چنانچہ ابوطالب اور اس کے ساتھیوں نے عجیب وغریب معجزات دیکھے جن سے آپ پر آپ کے چچا کی شفقت اور توجہ میں مزید اضافہ ہوگیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ابوطالب شام کے سفر پر گئے تو نبی کریم ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے۔ قریش کے بہت سے دوسرے بزرگ بھی ہمراہی تھے۔ راستے میں ایک راہب کا ڈیرہ پڑتا تھا، انھوں نے وہیں پڑاؤ ڈالا۔ راہب اپنے معبد سے نکلا اور ان کے پاس آیا، حالانکہ اس سے قبل بھی یہ لوگ وہاں سے گزرتے رہتے تھے لیکن یہ راہب ان کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ اس دفعہ یہ لوگ ابھی اپنا سامان اتار ہی رہے تھے کہ راہب ان کے درمیان آ کر چلنے پھرنے لگا۔ آخر اس نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا:

«هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ، هٰذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ» فَقَالَ لَهُ أَشْيَاخٌ مِّنْ قُرَيْشٍ: «مَا عِلْمُكَ؟» فَقَالَ: «إِنَّكُمْ حِينَ أَشْرَفْتُمْ مِّنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ حَجَرٌ وَّلَا شَجَرٌ إِلَّا خَرَّ سَاجِدًا، وَّلَا

1 صحيح مسلم، الإيمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب والتخفيف عنه بسببه، حديث: 210.

يَسْجُدَانِ إِلَّا لِنَبِيٍّ وَّإِنِّي أَعْرِفُهُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ أَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوفِ كَتِفِهِ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ . . . . »

''یہ سب جہانوں کے سردار ہیں۔ اور رب العالمین کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔'' قریش کے بزرگ کہنے لگے: ''تجھے کیا علم؟'' وہ کہنے لگا: ''جب تم گھاٹی سے نمودار ہو رہے تھے تو ہر درخت اور پتھر سجدہ ریز ہوا تھا اور یہ دونوں چیزیں نبی کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتیں، نیز میں انھیں ان کے کندھے کی نرم ہڈی کے نیچے سیب جیسی مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں............۔''

اس واقعے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک بادل آپ پر سایہ کیے رکھتا تھا اور ایک درخت نے خود اپنے پتے اور ڈالیاں جھکا کر آپ پر اپنا سایہ ڈال دیا تھا۔[1]

راہب نے ابوطالب سے درخواست کی کہ وہ آپ کو واپس مکہ لے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہودی آپ کو پہچان کر کوئی گزند پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ سن کر آپ کے چچا نے آپ کو واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا۔

پھر کافی عرصہ بعد سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنا تجارتی سامان دے کر شام بھیجا۔ اس سفر میں ان کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس تجارتی سفر سے غیر معمولی منافع ہوا۔ دوسری طرف میسرہ نے دورانِ سفر آپ کے متعلق حیران کن واقعات دیکھے۔ اس نے واپس آ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وہ سب کچھ بے کم و کاست بتا دیا۔ اس طرح ان کے دل میں آپ سے شادی کی تمنا پیدا ہوگئی تا کہ وہ بھی اس خیر و برکت سے مستفید ہوسکیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی اور جس کا تصور بھی کسی انسان

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في بدء نبوة النبي ﷺ، حديث:3620، مطوّلاً.

کے لیے محال تھا۔ آپ بھی شادی پر رضامند ہوگئے، چنانچہ آپ نے ان سے نکاح کرلیا۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ [1]

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو جاہلیت کی آلودگی سے محفوظ رکھا۔ آپ نے کبھی کسی بت کی تعظیم نہیں کی اور نہ کبھی ان کے تہواروں میں شریک ہوئے۔ وہ آپ سے اصرار بھی کرتے تو آپ انکار کردیتے تھے۔ آپ نے کبھی شراب پی نہ کسی برائی کا ارتکاب کیا۔ آپ ابتدا ہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ لوگ باطل کے پرستار ہیں۔ آپ نے کبھی بھی شرک نہیں کیا۔ لہو ولعب کی کسی مجلس میں شرکت نہیں کی۔ [2]

آپ ان فواحش، منکرات اور لغویات کے تصور ہی سے ناآشنا تھے جن کے وہ عادی تھے، حالانکہ وہ معاشرہ مفاسد و رذائل کا مجموعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، غیر اللہ کو پکارنا، ناحق قتل کرنا، ظلم و زیادتی، اچھی اولاد کے حصول کے لیے خاوند کا خود اپنی بیوی کو کسی اور کے پاس بھیجنا، اجتماعی اور انفرادی زنا، جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس پر جس کا قابو ہو اسی کا زبردستی نکاح کرلینا، جان، مال، عزت کی لوٹ کھسوٹ اور اس قسم کے دوسرے مذموم کام ان میں عام تھے۔ کوئی انھیں برا سمجھتا تھا نہ ان کی مخالفت کرتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کردینا، فقر یا عار کے ڈر سے بچوں کو قتل کردینا، جوا کھیلنا اور شراب پینا قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلی معاشرے کا ہر فرد انھی جرائم کا ارتکاب کرتا تھا۔ یقیناً ان کاموں سے گریزاں لوگ بھی تھے لیکن وہ ان بری باتوں کو برا نہیں سمجھتے تھے اور ان پر کبھی احتجاج نہیں کرتے تھے۔

---

1 امام ابن القیم زاد المعاد (105/1) میں اور حافظ ابن کثیر البداية والنهاية (466/3) میں فرماتے ہیں: ''شادی کے وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال اور ایک قول کے مطابق 25 سال تھی۔''

2 الفصول في سيرة الرسول ﷺ: 91-95، والبداية والنهاية: 3/406-415.

رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کبھی کوئی کام نہیں کیا نہ کبھی کوئی گھٹیا عادت اپنائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہترین تربیت فرمائی تھی۔ [1] آپ کی قوم کے لوگ آپ کی اخلاقی عصمت کے قائل تھے تبھی تو آپ ان میں ''سچے اور امانت دار محمد'' کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کی۔ جب حجرِ اسود رکھنے کا موقع آیا تو اختلاف ہو گیا کہ یہ سعادت کون حاصل کرے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ عزت وہی حاصل کرے۔ (قریب تھا کہ ان میں خوفناک لڑائی ہو جاتی) تاہم طے پایا کہ جو شخص ہمارے پاس سب سے پہلے آئے گا وہ یہ سعادت حاصل کرے گا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ نبی ﷺ ہی سب سے پہلے تشریف لائے۔ وہ سب بہت خوش ہوئے اور نعرے لگانے لگے: ''امین آ گیا، ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں۔'' آپ ﷺ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے حکم دیا کہ ایک کپڑا بچھایا جائے اور حجر اسود اس پر رکھ دیا، چنانچہ آپ نے ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ سب مل کر کپڑا اٹھائیں۔ جب اصل جگہ پر پہنچے تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اسے اصل مقام پر نصب فرما دیا۔ [3]

(جوں جوں دورِ نبوت قریب آیا) اللہ تعالیٰ نے آپ میں تنہائی اور خلوت کا شوق فراواں کر دیا۔ آپ غارِ حرا میں چلے جاتے اور کئی کئی دن مسلسل دین ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ جب عمر مبارک پورے چالیس سال ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ پیر کا دن

[1] اس حدیث کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے معنی صحیح ہیں اگرچہ اس کی سند ثابت نہیں۔'' امام سخاوی اور سیوطی رحمہما اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ دیکھیے کشف الخفاء و مزیل الإلباس: 70/1، نیز دیکھیے السلسلة الضعيفة: 173/1، حدیث: 72.

[2] ملاحظہ کیجیے مسند أحمد: 425/3. [3] الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص: 95.

تھا اور جمہور کے قول کے مطابق اکتالیسویں سال ربیع الاول کی آٹھ تاریخ تھی اور عام الفیل کے لحاظ سے پہلا سال تھا۔ [1]

جبریل علیہ السلام غارِ حرا میں آئے اور کہنے لگے:

«اِقْرَأْ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ: فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اِقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَأْ، فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:

''پڑھیے!'' آپ نے فرمایا: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر بھینچا حتی کہ مجھے تھکا مارا، پھر انھوں نے مجھے چھوڑا اور کہا: ''پڑھیں۔'' میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' انھوں نے پھر مجھے پکڑ کر زور سے بھینچا حتی کہ مجھے تھکا مارا، پھر انھوں نے مجھے چھوڑا اور کہا: ''پڑھیں۔'' میں نے پھر کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' انھوں نے تیسری بار پھر پکڑ کر مجھے بھینچا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾»

''پڑھیں اپنے رب کریم کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے! آپ کا رب بڑی عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' [2]

[1] زاد المعاد: 78/1۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایک قول کے مطابق آپ کی بعثت رمضان میں ہوئی اور ایک اور قول کے مطابق رجب میں ہوئی۔''

[2] العلق 96:1-5۔

اس سورت کے نزول سے آپ ''نبوت'' کے منصب پر سرفراز ہوئے، پھر آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس کانپتے آئے اور آتے ہی فرمایا:

«زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي» فَزَمَّلُوهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَ الْخَبَرَ: «لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي» فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يَحْزُنُكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ...»

''مجھے جلدی سے چادر اُڑھا دو، جلدی سے چادر اڑھا دو۔'' چادر اڑھا دی گئی اور آپ لیٹ گئے۔ جب آپ پرسکون ہو گئے تو آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پورا واقعہ سنایا (اور کچھ خدشات ظاہر فرمائے۔) خدیجہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: ''آپ مت گھبرائیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپ رشتے جوڑتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور ناگہانی آفات ومصائب میں تعاون کرتے ہیں......۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر نازل فرما کر آپ کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنایا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ، فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَأَنْزَلَ

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللّٰه ﷺ......؟ حديث: 3، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول اللّٰه ﷺ، حديث: 160.

اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ:

”ایک دفعہ میں پیدل جا رہا تھا کہ مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نظر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو حرا میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ میں خوفزدہ ہو کر گھر واپس آ گیا اور گھر والوں سے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ کچھ دیر بعد اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾

”اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور ناپاکی چھوڑ دیجیے۔“[1]

« فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَوَاتَرَ » ”پھر وحی مسلسل آنے لگی۔“[2]

اس وحی سے آپ نبی کے ساتھ ساتھ رسول بھی بن گئے۔ آپ نے دھیرے دھیرے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ”سابقون اولون“ مسلمان ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ مسلمان ہوئیں، پھر حضرت علی، پھر حضرت زید بن حارثہ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم، پھر اکا دکا لوگ مسلمان ہونے لگے حتی کہ مکہ مکرمہ میں ہر طرف اسلام کی باتیں ہونے لگیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علانیہ دعوت کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں (اور قوم) کو ڈرائیں اور مومنوں میں سے جو

1 المدثر 74:1-5 . 2 صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ......؟ حديث: 4 .

آپ کا اتباع کریں، ان کے لیے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔ پھر اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجیے کہ بلاشبہ میں تمھارے کاموں سے بری ہوں۔‘‘ [1]

اس حکم پر عملدر آمد کے لیے آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر انھیں اللہ تعالیٰ کی دعوت پہنچائی۔ آپ نے فرمایا:

«يَابَنِي فِهْرٍ! يَابَنِي عَدِيٍّ!. . . »

’’اے بنوفہر! اے بنوعدی!......۔‘‘

قریش کے سب قبائل جمع ہو گئے، [2] پھر آپ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُّصَدِّقِيَّ؟» قَالُوا: (نَعَمْ) مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ»

’’تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمھیں کہوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن سے تم پر حملہ کرنے کے لیے کیل کانٹے سے لیس کھڑا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟‘‘ ان سب نے کہا: ’’(ضرور، ضرور) ہم نے کبھی آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔‘‘ آپ نے فرمایا: ’’پھر سن لو کہ میں تمھیں ایک سخت عذاب کی آمد سے قبل خبردار کرتا ہوں۔‘‘ [3]

[1] الشعرآء26:214-216 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ (الشعرآء26:214,215)، حديث:4770، وصحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾ (الشعرآء26:214)، حديث:208 . [3] صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ (اللهب 111:1)، حديث :4971 .

اگرچہ قریش کے سرداروں اور عوام نے آپ کی دعوت کو تو تسلیم نہ کیا بلکہ سخت مخالفت پر اتر آئے مگر ان میں سے کوئی بھی آپ کو جھوٹا نہ کہہ سکا اور نہ آپ میں کوئی اور اخلاقی عیب ڈھونڈ سکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾

''(اے نبی!) پس بے شک یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''[1]

اگر انھیں آپ میں کوئی اخلاقی عیب نظر آتا تو وہ لوگوں کے سامنے آپ کا وہ عیب اچھال کر اپنی جان چھڑا لیتے۔ مگر انھوں نے اس کے بجائے آپ کو ''جادوگر'' اور ''کاہن'' کہنا شروع کر دیا کیونکہ آپ کی دعوت قبول کرنے سے باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے اور خاوند بیوی سے جدا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح انھوں نے آپ پر ''جنون'' کا بھی الزام لگایا کیونکہ آپ ان کے شرک کی نفی فرماتے تھے اور ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ آپ کی بے داغ درخشاں سیرت کا یہ پہلو کتنا عظیم الشان ہے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کے 40 سال ان کے مابین بسر کیے لیکن اس طویل مدت میں بھی وہ آپ کے حسن کردار میں ذرا برابر عیب نہ نکال سکے۔ آپ نے اپنی دعوت الی اللہ زور شور سے جاری رکھی، گلی کوچوں، منڈیوں، بازاروں میں بھی اور حج کے اجتماعات میں بھی اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچایا۔ اس سلسلے میں آپ طائف بھی گئے۔ طائف سے واپسی پر راستے ہی میں بہت سے جن مسلمان ہو گئے۔ آپ کو اس سفر میں سخت تکلیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھی۔

پھر ایک رات آپ کو بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ اسراء و معراج

1 الأنعام 33:6.

کے اس سفر سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے، آپ کا سینۂ مبارک کھولا، زمزم کے پانی سے دھویا، پھر حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھال لا کر آپ کے سینۂ مبارک میں انڈیل دیا، پھر سینۂ مبارک بند کر دیا اور آپ کا ہاتھ تھام کر معراج کے لیے لے گئے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا شق صدر تین دفعہ ہوا۔ سب سے پہلے بنو سعد میں جب آپ بچے تھے، پھر نبوت عطا کرتے وقت۔ یہ شق صدر بھی ثابت ہے جیسا کہ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں روایات بیان کی ہیں۔ پہلے شق صدر کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کچھ زائد الفاظ بھی ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر باہر پھینکا اور فرمایا:

«هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ»

''یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ (نکالا گیا) ہے۔''

یہ انتہائی بچپن کی بات ہے، تبھی تو آپ بے مثال نیک جوان بنے اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہے۔ نبوت کے موقع پر شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ وحی کو مضبوط اور پاک دل سے وصول کریں، پھر معراج کے موقع پر شق صدر ہوا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلام ہونے کے قابل ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تین دفعہ سینۂ مبارک دھونے کی حکمت مکمل تطہیر ہو جیسا کہ شریعت محمدیہ میں وضو کے اعضاء بھی تین دفعہ دھوئے جاتے ہیں۔ [2]

اسراء و معراج کی رات آپ اس بلند مقام تک پہنچے جہاں سے آپ کو قلموں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ یہ مقام ساتویں آسمان سے بلند ہے۔ اس رات آپ پر

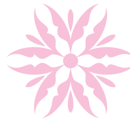
[1] ماخوذ از صحيح البخاري، الصلاة، باب: كيف فرضت الصلاة في الإسراء، حديث: 349، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول اللهﷺ، حديث: 163.

[2] فتح الباري: 205,204/7.

نمازِ پنجگانہ فرض ہوئی۔ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز بھی پڑھائی اور پھر صبح ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ واپس پہنچ گئے۔

آپ توحید کی دعوت میں مسلسل مصروف رہے اور مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تین سال قبل نماز پنجگانہ پڑھتے رہے۔ جب قریش کے مظالم کی انتہا ہو گئی اور قوم کو دعوت توحید دیتے دیتے تیرہ سال مکمل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا۔ آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں باقی اسلامی ارکان و شرائع دس سال تک نازل ہوتے رہے۔

قریش کی طرف سے پہنچنے والی شدید تکالیف پر آپ کا صبر، غزوات، جہاد، حجۃ الوداع اور مدینہ واپسی کا مفصل تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی تکمیل کے بعد آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ [1]



[1] مزید دیکھیں زاد المعاد: 1/71-135، والبداية والنهاية: 3/353-363، والفصول في سيرة الرسول ﷺ: 91-330.

باب:3

سیرتِ طیبہ اور صورتِ حسنہ

سیرت اور صورت کے لحاظ سے آپ سب لوگوں سے افضل اور جمال و زیبائی کی تصویر تھے۔ سب سے زیادہ نرم ہتھیلیوں والے، نہایت پاکیزہ خوشبو والے، عقل و شعور کے لحاظ سے کامل و اکمل، رہن سہن میں بہت سادہ اور سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور خشیت میں سب سے آگے [1]، انتہائی دلیر، سب سے بڑھ کر معزز اور سخی، قرض یا حقوق کی ادائیگی میں بہترین، معاملات میں انتہائی نرم، رب کریم کی اطاعت میں ہر وقت کوشاں، انتہائی صبر و تحمل والے، اللہ سے بہت ڈرنے والے، اللہ کی مخلوق پر انتہائی شفیق و رحیم اور سب سے بڑھ کر حیادار تھے۔

آپ اپنے لیے کسی سے انتقام لیتے نہ ناراض ہوتے، البتہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی تو اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے (سزا دیتے اور حد نافذ کرتے۔) کسی شرعی مسئلے میں غضبناک ہوتے تو کوئی شخص آپ کا غصہ برداشت نہ کرسکتا تھا۔ فیصلے کے وقت طاقتور اور کمزور، رشتہ دار اور اجنبی، صاحب عز و شرف اور عام شخص سب کو برابر حیثیت دیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، جی چاہتا تو تناول کر لیتے ورنہ

1 عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سینے سے رونے کی وجہ سے ہنڈیا کے جوش مارنے کے مانند آواز آ رہی تھی۔ (سنن النسائي، السهو، باب البكاء في الصلاة، حديث: 1215.)

رہنے دیتے۔ جو کھانا بسہولت مل جاتا کھا لیتے تکلف نہ کرتے تھے۔ تحفہ قبول بھی کرتے اور اس کا بہترین بدلہ بھی عنایت کرتے تھے۔ (ذاتی طور پر) صدقہ قبول نہ کرتے۔ اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے اور کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔ گھریلو کام کاج میں گھر والوں کی مدد کرتے، اپنی بکری خود دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔ لوگوں سے انتہائی تواضع اور عاجزی سے پیش آتے تھے۔ ہر شخص کی دعوت قبول کرتے، چاہے مالدار ہوتا یا فقیر، کم مرتبہ ہوتا یا بلند مرتبہ۔ مساکین سے محبت رکھتے تھے، ان کے جنازوں میں تشریف لے جاتے اور بیماروں کی عیادت کرتے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی بنا پر حقیر نہ سمجھتے تھے نہ کسی صاحبِ اقتدار سے اس کے اقتدار کی بنا پر مرعوب ہوتے تھے۔ آپ گھوڑے، اونٹ، گدھے اور خچر پر بے تکلف سواری کرتے۔ کسی کو اپنے پیچھے بٹھانے میں عار محسوس نہ کرتے۔ کسی کو اپنے پیچھے نہ چلنے دیتے۔ [1]

چاندی کی انگوٹھی پہنتے جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا ہوتا تھا۔ اسے دائیں چھنگلی میں پہنتے اور کبھی کبھار بائیں انگلی میں بھی پہن لیتے تھے۔ بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام زمینی خزائن عطا فرما رکھے تھے لیکن آپ نے برضا و رغبت آخرت کو ترجیح دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ لمبے تھے نہ بہت چھوٹے، نہ خالص سفید نہ سادہ گندم گوں، بال نہ گھنگھریالے نہ بالکل سیدھے [2] اور پاؤں بھاری، چہرۂ مقدس نہایت خوبصورت [3] اور روشن جو بہت دلکش تھا اور نگاہوں میں سماتا چلا جاتا تھا۔ [4] میانہ قد،

[1] دیکھیے سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من كره أن يوطأ عقباه، حديث:246، و مسند أحمد: 398/3، والسلسلة الصحيحة: 80/4، حديث: 1557. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبيﷺ، حديث:3549، والشمائل للترمذي، باب ماجاء في خلق رسول اللهﷺ، حديث: 1-4. [3] صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث: 5908. [4] صحيح مسلم، الفضائل، باب كان النبيﷺ أبيض......، حديث:2340.

کندھوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ، سر کے بال لمبے اور بڑے کانوں کی کونپلوں تک [1] جو کبھی کبھی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے تھے۔ جب کٹواتے تو کانوں کے نصف تک کٹواتے تھے، ریش مبارک گھنی، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بڑی اور مضبوط، سر بڑا اور جوڑ موٹے تھے۔ سینۂ مبارک پر بالوں کی باریک لمبی سی لکیر تھی۔ چلتے ہوئے جھکاؤ محسوس ہوتا جیسے ڈھلوان سے اتر رہے ہوں۔ ایسے یگانہ اور بے مثال کہ آپ سے پہلے کوئی آپ جیسا دیکھا گیا نہ آپ کے بعد۔ [2] منہ بڑا تھا اور گوشہ ہائے چشم لمبے۔ ایڑیوں پر زیادہ گوشت نہ تھا۔ دیکھنے میں چاند سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آتے تھے۔ چہرہ چاند کی طرح روشن تھا۔ کندھوں کے درمیان مہر نبوت ضوفشاں تھی۔ یہ کبوتری کے انڈے کے برابر گوشت کا ایک سرخ ٹکڑا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مہر نبوت پر بالوں کا جمگھٹا تھا۔ سر (کے درمیان) میں مانگ نکالتے تھے۔ بالوں کو تیل لگاتے تھے۔ ڈاڑھی کھلی چھوڑ رکھی تھی۔ ڈاڑھی کا کوئی بال نہ کاٹتے بلکہ کنگھی کرتے تھے۔ پوری ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیتے تھے کہ اسے بڑھایا جائے اور کچھ نہ کہا جائے۔ [3] سوتے وقت اثمد سرمہ استعمال کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ ارشاد مبارک ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ»

''سوتے وقت اثمد سرمہ استعمال کیا کرو۔ یہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکیں اُگاتا ہے۔'' [4]

نیز فرمایا:

«إِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدُ، يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ»

[1] الشمائل للترمذي، باب ماجاء في خلق رسول اللّٰهﷺ، حديث: 3 . [2] الشمائل للترمذي، باب ماجاء في خلق رسول اللّٰهﷺ، حديث: 5 . [3] ماخوذ از صحيح البخاري، حديث: 5893، وصحيح مسلم، الطهارة، حديث: 259، والشمائل للترمذي، حديث: 4-49 . [4] الشمائل للترمذي، باب ماجاء في كحل رسول اللّٰهﷺ، حديث: 52 .

”تمھارے لیے بہترین سرمہ اثمد ہے جو نظر کو صاف کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کے سر اور ڈاڑھی میں چند بال سفید تھے۔ جب تیل لگا لیتے تھے تو وہ بھی نظر نہ آتے تھے۔ تیل نہ لگا ہوتا تو کچھ کچھ نظر آتے تھے۔ تقریباً بیس کے قریب آپ کے بال سفید تھے۔ آپ فرماتے تھے:

«شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّأَخَوَاتُهَا»

”ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔“ [2]

اور ایک روایت کے لفظ ہیں:

«شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَّالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ»

”ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشّمس کورت سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔“ [3]

آپ نے سفید بالوں کو خضاب سے سرخ کر لیا تھا۔ قمیص پہننا پسند فرماتے تھے۔ دھاری دار یمنی چادر بھی مرغوب تھی۔ [4] عموماً پگڑی اور تہ بند پہنتے تھے۔ آپ کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہوتا تھا۔ [5] خوشبو پسند فرماتے تھے۔ ارشاد گرامی ہے:

---

[1] سنن أبي داود، الطب، باب في الكحل، حديث: 3878، و سنن النسائي، الزينة، باب الكحل، حديث: 5116، والشمائل للترمذي، باب ماجاء في كحل رسول اللّٰه ﷺ، حديث: 53. [2] الشمائل للترمذي، باب ما جاء في شيب رسول اللّٰه ﷺ، حديث: 42. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الواقعة، حديث: 3297. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب البرود والحبر......، حديث: 5812، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب فضل لباس الثياب الحبرة......، حديث: 2079. [5] الشمائل للترمذي، باب ماجاء في صفة إزار رسول اللّٰه ﷺ، حديث: 119.

«طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ»

”مردوں کی خوشبو یہ ہے کہ خوشبو آئے مگر اس کا رنگ ظاہر نہ ہو۔ عورتوں کی خوشبو یہ ہے کہ اس کا رنگ نظر آئے لیکن خوشبو نہ آئے۔“ [1]

عید اور وفود کی آمد پر دیدہ زیب لباس پہنتے تھے۔ صفائی بے حد مرغوب تھی۔ یہ بات ناپسند تھی کہ کوئی آپ کو دیکھ کر کھڑا ہو، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ناپسندیدگی کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ [2] مسواک بہت پسند تھی۔ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی مسواک کرتے۔ رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک سے منہ خوب اچھی طرح صاف کرتے۔ رات کے شروع میں سو جاتے، پھر اٹھ کر لمبی نماز پڑھتے اس قدر کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے، پھر فجر سے پہلے رات کے آخری حصے میں وتر پڑھتے۔ کبھی کبھی دوسروں سے قرآن مجید سننا پسند فرماتے۔ [3]

مریضوں کی عیادت کرتے، جنازے پر تشریف لے جاتے اور نماز جنازہ پڑھاتے۔ بہت زیادہ حیادار تھے۔ کسی چیز کو ناپسند کرتے تو چہرے کے آثار سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ آپ ستر ڈھانپنا پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا رکھتے تھے کیونکہ آپ متوکلین کے سردار تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے دس سال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ مجھے کسی کام بھیجتے اور میں نہ کر پاتا تو صرف یہ فرماتے:

[1] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في طيب الرجال......، حديث: 2787، وسنن النسائي، الزينة، باب الفصل بين طيب الرجال......، حديث: 5120. [2] مسند أحمد: 134/3. [3] ماخوذ از صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب من أحب أن يستمع القرآن من غيره، حديث: 5049.

«لَوْ قُضِيَ لَكَانَ أَوْ لَوْ قُدِّرَ لَكَانَ»

''اگر ہمارے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔''[1]

اس کے باوجود اسباب اختیار فرماتے۔ کبھی بدعہدی نہیں کی۔ دوسروں کو بھی بدعہدی سے منع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام سے پہلے بھی جاہلیت کے کاموں سے محفوظ و مامون رکھا تھا۔[2]

بچپن میں آپ نے بکریاں بھی چرائیں بلکہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔[3] نبوت سے پہلے پتھر آپ کو سلام کہتے تھے۔[4]

آپ کے کئی نام تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا مُحَمَّدٌ، وَّأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يُمْحٰى بِيَ الْكُفْرُ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى عَقِبِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ» وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.

''میں ''محمد'' ہوں، میں ''احمد'' ہوں، میں ''ماحی'' ہوں، جس کی برکت سے کفر مٹا دیا جائے گا، میں ''حاشر'' ہوں، لوگ میرے بعد قبروں سے نکالے جائیں گے، میں ''عاقب'' ہوں'' یعنی آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔[5]

نیز فرمایا:

1 صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، حديث: 6038، وموارد الظمآن: 53/6، واللفظ له. 2 ماخوذ از صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب: بنيان الكعبة، حديث: 3829. 3 ماخوذ از صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث: 2262 و 3406. 4 ماخوذ از صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ......، حديث: 2277. 5 صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ط﴾ (الصف 61:6)، حديث: 4896، و صحيح مسلم، الفضائل، باب في أسمائه ﷺ، حديث: 2354، واللفظ له.

«أَنَا مُحَمَّدٌ، وَّأَحْمَدُ، وَالْمُقَفِّي، وَالْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ»

''میں ''محمد'' ہوں، ''احمد'' ہوں، ''مقفی'' ہوں، یعنی پہلے انبیاء کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں، ''حاشر'' ہوں، ''نبیِ توبہ'' ہوں اور ''نبیِ رحمت'' ہوں۔'' [1]

آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ [2] اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاقی قدروں کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی قرآن میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ﴾

''محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔'' [4]

نیز فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾

''محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔'' [5]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ﴾

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب في أسمائهﷺ، حديث: 2355. [2] ماخوذ از صحيح البخاري، المناقب، باب كنية النبيﷺ، حديث: 3537. [3] ماخوذ از مسند أحمد: 381/2. [4] آل عمرٰن 144:3. [5] الأحزاب 40:33.

’’اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اور اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتارا گیا اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔‘‘ [1]

مزید فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ﴾

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔‘‘ [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ﴾

’’میں تمھیں ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، ان کا نام نامی ’’احمد‘‘ ہوگا۔‘‘ [3]

آپ اکثر ذکر الٰہی اور (امت کے بارے میں) غور وفکر میں مصروف رہتے تھے۔ نماز لمبی پڑھاتے تھے اور خطبہ مختصر ہوتا تھا۔ آپ کو خوشبو پسند تھی اور اس کا تحفہ رد نہیں کرتے تھے۔ بدبو سخت ناپسند تھی۔ عموماً تبسم فرمایا کرتے تھے۔ گاہے گاہے ہنستے تھے۔ ہنسی کے دوران میں کبھی کبھی آپ کی ابتدائی ڈاڑھیں بھی نظر آجاتی تھیں۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھے کبھی اپنے گھر آنے سے نہیں روکا۔ اور جب بھی مجھے دیکھا تبسم فرمایا۔ میں نے آپ سے اپنی معذوری بیان کی کہ میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا۔ آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! ثَبِّتْهُ، وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا»

1 محمد 2:47 . 2 الفتح 29:48 . 3 الصف 6:61 .

”اے اللہ! اس کو (گھوڑے کی پشت پر) ثابت کر دے اور اسے ہدایت یافتہ رہنما بنا۔“ [1]

آپ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے مگر مزاح میں بھی غلط بات نہیں کہتے تھے۔ کسی سے بدسلوکی نہ کرتے تھے۔ کوئی معذرت کرتا تو قبول فرما لیتے تھے۔ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے اور بعدازاں انھیں چاٹ لیتے تھے۔ کوئی بھی مشروب تین سانسوں میں پیتے اور سانس لیتے وقت برتن سے منہ ہٹا لیتے تھے۔

جامع گفتگو فرماتے تھے۔ جب کلام کرتے تو الفاظ الگ الگ اور واضح طور پر سمجھ میں آتے تھے۔ سننے والا چاہتا تو انھیں حفظ کر سکتا تھا۔ اہم بات تین دفعہ دہراتے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔ بلاضرورت باتیں نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں تمام اعلیٰ اخلاق ومحاسن اور پسندیدہ اعمال جمع کر دیے تھے۔ آپ ناراضی کا اظہار بھی اشارے کنایے سے کرتے تھے۔ نرمی کا حکم دیتے، عمدہ باتوں کی ترغیب دلاتے، سختی سے منع کرتے اور عفو و درگزر، تحمل و بردباری، حسنِ خلق اور اخلاقی قدروں کی طرف توجہ دلاتے۔ تمام اچھے کاموں میں، مثلاً: وضو، طہارت، جوتا پہننے اور کنگھی کرتے وقت دائیں جانب کو ترجیح دیتے تھے، البتہ روزانہ کنگھی کرنے سے روکتے اور ناغے کا حکم دیتے تھے۔ بایاں ہاتھ استنجا اور ایسے ہی ناپسندیدہ کاموں کے لیے مخصوص تھا۔ لیٹتے تو دائیں پہلو پر اور دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور سوتے وقت کی دعائیں پڑھتے۔ سفر میں اگر صبح کے بالکل قریب پڑاؤ ڈالتے تو دایاں ہاتھ کھڑا کر کے سر مبارک ہتھیلی پر رکھ لیتے تھے۔

آپ کی مجلس علم و حلم، شرم و حیا، امانت و دیانت اور صبر وسکون کے اوصاف سے

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من لا يثبت على الراحلة، حديث: 3036,3035 و حديث: 6090,6089.

آراستہ ہوتی تھی۔ اس میں کبھی شور وغل نہ ہوتا تھا، نہ کسی حرمت والی شے کی پامالی کی جاتی تھی۔ کسی کو خصوصی اہمیت دی جاتی تھی تو نیکی اور تقویٰ کی بنا پر دی جاتی تھی۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے۔ چھوٹوں پر شفقت کرتے اور بڑوں کا احترام کرتے تھے اور آپ کی مجلس سے داعیٔ خیر بن کر نکلتے تھے۔ آپ زمین پر بیٹھ جاتے اور زمین ہی پر کھانا کھا لیتے تھے۔

بیواؤں، مسکینوں اور غلاموں کے ساتھ ان کی حاجت برآری کے لیے چل پڑتے تھے۔ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں بھی سلام کرتے۔ غیر محرم عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کی تالیف قلبی فرماتے اور ان سے خیر و عافیت اور حال احوال پوچھتے رہتے تھے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے تھے۔ بات کرنے والے کی طرف پوری توجہ کرتے اور اچھی طرح بات سنتے، چاہے بات کرنے والا بدترین شخص ہوتا۔ اس سے مقصد تالیف قلب ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کی دس سال خدمت کی، وہ فرماتے ہیں: ''آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ میں نے کوئی کام کرلیا تو آپ نے یہ نہیں پوچھا: ''تو نے ایسا کیوں کیا؟'' اور اگر نہیں کیا تو یہ نہ فرمایا: ''ایسے کیوں نہ کیا؟'' آپ سب لوگوں سے بڑھ کر صاحبِ اخلاق تھے۔ میں نے کوئی حریر و ریشم آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں دیکھا اور آپ کے پسینۂ مبارک سے بڑھ کر کوئی اچھی خوشبو نہیں سونگھی۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً ترش کلام تھے نہ تکلفاً۔ کبھی شور نہیں مچایا۔ برائی کا بدلہ برائی

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل، حدیث: 6038، و جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في خلق النبي ﷺ، حدیث: 2015.

سے نہیں دیتے تھے۔عفو ودرگزر اور تحمل سے کام لیتے تھے۔ [1]

کسی عورت (بیوی وغیرہ) یا نوکر کو کبھی نہیں مارا، جہاد فی سبیل اللہ کی بات الگ ہے۔

جب بھی آپ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان تر کو اختیار کیا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا، اگر گناہ ہوتا تو آپ اس سے بالکل کنارہ کش رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ میں تمام کمالات وفضائل جمع کر دیے تھے۔علم وفضل،فوز وفلاح اور دنیا وآخرت کی سعادتوں کے بے بہا خزانے آپ کو اس قدر فراوانی سے دیے گئے تھے کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو عطا نہ ہوئے، حالانکہ آپ اُمی تھے،لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔کوئی انسان آپ کا استاد نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولین وآخرین پر فضیلت عطا فرمائی اور آپ پر نازل شدہ دین کی پیروی قیامت تک تمام جنوں اور انسانوں کے لیے لازم قرار دی۔ اللہ رب العزت آپ کی ذاتِ گرامی پر تا ابد خصوصی رحمتیں اور سلام نازل کرے۔مختصر یہ کہ آپ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے۔ [2]

لازم ہے کہ تمام افعال واقوال، کاوش واجتہاد، تبلیغ وجہاد، زہد وورع اور صدق واخلاص میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی جائے سوائے آپ کے خصوصی احکام کے یا اُن اُمور کے جن کی طاقت نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا»

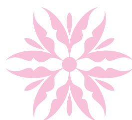
''اپنی طاقت کے مطابق اعمال اختیار کرو۔اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا،تم اُکتا جاؤ گے۔'' [3]

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في خلق النبيﷺ، حديث: 2016 . [2] مسند أحمد: 91/6 . [3] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم شعبان، حديث: 1970، و صحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبيﷺ في غير رمضان......، حديث: 782، قبل الحديث: 1157 .

نیز فرمایا:

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

''جس چیز سے میں تمھیں روک دوں رک جاؤ اور جس چیز کا حکم دوں اس پر اپنی بساط بھر عمل کرو۔''[1]



[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث: 7288، و صحيح مسلم، الفضائل، باب توقيرهﷺ......، حديث: 1337 قبل الحديث:2358، واللفظ له.

باب:4

عبادت اور جہاد میں آپ کی جدوجہد

① نبیٔ اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ اور امام تھے۔ آپ کی اقتدا ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[1]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ اس قدر طویل نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے بلکہ پھٹ جاتے۔ آپ سے پوچھا گیا: آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر رکھے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا:

«أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا»

''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''[2]

[1] الأحزاب 33:21. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ الليل، حديث: 1130، وصحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب إكثار الأعمال......، حديث: 2819.

② آپ عموماً رات کو گیارہ رکعت نفل پڑھتے،[1] کبھی تیرہ رکعت بھی پڑھتے۔[2] مزید برآں دن رات میں عموماً بارہ رکعت مؤکد سنتیں پڑھتے تھے۔[3] کبھی دس بھی پڑھ لیتے تھے۔[4] ضحیٰ (چاشت) کے وقت عموماً چار رکعات پڑھتے۔ اس سے زیادہ بھی جتنی اللہ چاہتا پڑھ لیتے تھے۔[5] رات کی نماز بہت لمبی پڑھتے تھے، کبھی کبھی ایک رکعت میں تقریباً پانچ پارے تک پڑھ لیتے تھے۔[6] اس طرح مجموعی طور پر آپ کا روزانہ کا معمول چالیس سے زائد رکعات تھیں جن میں سترہ رکعت فرض بھی شامل ہیں۔[7]

③ آپ رمضان کے علاوہ ہر مہینے کے تین روزے بھی رکھتے تھے،[8] خصوصاً پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔[9] شعبان میں تقریباً پورے کا پورا مہینہ ہی روزے رکھتے۔[10] شوال کے چھ روزوں کی بھی آپ خوب رغبت دلاتے تھے۔[11] آپ کبھی مسلسل نفلی روزے رکھنے لگتے حتی کہ کہا جاتا: اب آپ ناغہ نہیں کریں گے اور کبھی

[1] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبيﷺ……، حديث:1147، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبيﷺ، في الليل……، حديث: 736. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبيﷺ……، حديث: 737. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة، حديث: 728. [4] ماخوذ از صحيح البخاري، التهجد، باب الركعتين قبل الظهر، حديث: 1180، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة……، حديث: 729. [5] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحٰى……، حديث: 719. [6] ماخوذ از صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراءة ……، حديث: 772. [7] دیکھیے كتاب الصلاة لابن القيم، ص: 140. [8] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام……، حديث: 1160. [9] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين والخميس، حديث: 745. [10] ماخوذ از صحيح البخاري، الصوم، باب صوم شعبان، حديث: 1970,1969، وصحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبيﷺ في غير رمضان……، حديث: 1156. [11] ماخوذ از صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال……، حديث: 1164.

مسلسل ناغہ کرتے حتی کہ معلوم ہوتا کہ آپ کبھی نفلی روزہ نہیں رکھیں گے۔[1] رمضان المبارک کے علاوہ آپ نے کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے، البتہ آپ شعبان میں بہت روزے رکھتے تھے۔ محرم میں عاشوراء کا روزہ بھی رکھتے تھے۔[2] ذوالحجہ کے ابتدائی نو روزے بھی آپ سے مروی ہیں۔[3] کبھی کبھی دو دو اور تین تین دن کا (بغیر کچھ کھائے پیے) متواتر روزہ بھی رکھتے تھے لیکن صحابۂ کرام کو ایسے وصالی (متواتر) روزے سے منع کرتے تھے۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

«لَسْتُ كَأَحَدٍ مِّنْكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ أُطْعَمُ وَأُسْقٰى»

''میں تم جیسا نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔''[4]

اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپ کو دوران عبادت اللہ تعالیٰ کی مناجات اور ہم کلامی سے لذت، انس، راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی، اسی لیے تو آپ فرمایا کرتے تھے:

«يَا بِلَالُ! أَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ»

''بلال! نماز کی اذان دے کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔''[5]

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

[1] ماخوذ از صحیح البخاري، الصوم، باب ما يذكر من صوم النبي ﷺ وإفطاره، حديث: 1971، وصحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان......، حديث: 1156. [2] ماخوذ از صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، حديث:2000-2007، وصحيح مسلم، الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 1125. [3] سنن أبي داود، الصيام، باب في صوم العشر، حديث: 2437، ومسند أحمد: 288/6. [4] ماخوذ از صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، حديث: 1961-1964، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1102. [5] سنن أبي داود، الأدب، باب في صلاة العتمة، حديث:4985، و مسند أحمد:364/5، واللفظ له.

«. . . وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ»

''......میری آنکھوں کی ٹھنڈک (اور خوشی) نماز میں رکھ دی گئی ہے۔''[1]

④ رسول اللہ ﷺ کثرت سے صدقہ کیا کرتے تھے بلکہ جب حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات کا وقت ہوتا تھا تو آپ صدقے کی انتہا کر دیتے تھے۔[2] اس قدر فیاضی سے دیتے تھے جیسے فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔ آپ نے ایک شخص کو دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں سے بھری ہوئی وادی دے دی وہ جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا: اے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ تو عطیہ دیتے وقت فقر و فاقہ کی پرواہی نہیں کرتے۔[3] آپ ﷺ انتہائی خوبصورت، سب سے زیادہ معزز، سب سے بڑھ کر بہادر[4] اور انتہائی رحیم و شفیق تھے۔ تواضع، عدل و انصاف، صبر و ثبات، نرمی و تحمل، عفو و درگزر اور شرم و حیا میں کوئی آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

⑤ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے تمام میدانوں میں خوب ڈٹ کر جہاد کیا۔

سب سے پہلے نفس کے خلاف جہاد کا معاملہ ہے، اس کے چار مرتبے ہیں:

① دینی مسائل کا علم حاصل کرنے کے لیے جم کر بیٹھنا۔

② دین پر عمل کے سلسلے میں ہوائے نفس کی مخالفت کرنا۔

③ دین کی معرفت کے حصول کے بعد دعوتِ دین میں اپنی جان کھپانا۔

④ دعوت دین کے سلسلے میں پہنچنے والی تکلیف و مشقت پر صبر کرنا۔

---

1 سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حديث: 3392، و مسند أحمد: 128/3.
2 ماخوذ از صحيح البخاري، بدء الوحي، باب: كيف كان بدء الوحي......، حديث: 6، وصحيح مسلم، الفضائل، باب جوده ﷺ، حديث: 2308. 3 ماخوذ از صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2312. 4 ماخوذ از صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء......، حديث: 6033، وصحيح مسلم، الفضائل، باب شجاعته ﷺ، حديث: 2307.

اس کے بعد شیطان سے جہاد ہے، اس کے دو مرتبے ہیں:

1. شیطان کے وساوس وشبہات دور کرنے کے لیے شیطان سے جنگ کرنا۔
2. شیطانی شہوات کے سلسلے میں شیطان کا مقابلہ کرنا۔

اس کے بعد کفار کے خلاف جہاد کا معاملہ ہے۔ اس کے بھی چار مراتب ہیں، یعنی:

1. دل کے ساتھ جہاد
2. زبان کے ساتھ جہاد
3. مال کے ساتھ جہاد
4. اور جسم و جان کے ساتھ جہاد

اس کے بعد ہے ظالموں کے خلاف جہاد کا معاملہ۔ اس کے تین مرتبے ہیں:

1. ہاتھ کے ساتھ جہاد
2. یہ نہ ہو سکے تو زبان کے ساتھ جہاد
3. اور یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم دل کے ساتھ جہاد

یہ جہاد کے تیرہ مرتبے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ ان تمام مراتب میں کامل و اکمل تھے بلکہ آپ واحد نبی ہیں جنھوں نے جہاد کے مراتب مکمل کیے۔ آپ تمام اوقات جہاد ہی میں مصروف رہتے تھے۔ کبھی دل کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں، کبھی زبان کے ساتھ، کبھی جان کے ساتھ اور کبھی مال کے ساتھ۔ اسی لیے آپ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہیں اور آپ کی شان تمام جہان سے بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا مرتبہ سب سے اونچا ہے۔[1]

توحید کے دشمنوں کے ساتھ آپ کے بہت سے جنگی معرکے ہوئے۔ جن غزوات میں

[1] دیکھیے زاد المعاد: 12,10,5/3 .

آپ خود مقابلے کے لیے تشریف لے گئے ان کی تعداد ستائیس ہے۔ ان میں سے نو میں آپ نے باقاعدہ لڑائی لڑی۔ باقی رہیں وہ مہمات جن میں آپ نے لشکر بھیجے لیکن خود تشریف نہیں لے گئے ان کی تعداد چھپن ہے اور انھیں سریہ کہا جاتا ہے۔[1]

⑥ لوگوں کے ساتھ لین دین میں آپ سب سے بہتر اور کھرے تھے۔ کسی سے قرض لیتے تو اسے اس سے بہتر ادا فرماتے۔ ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کے پاس آ کر اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کرنے لگا۔ آپ نے اس سے ایک اونٹ لیا تھا۔ وہ بڑی تند و تلخ باتوں پر اُتر آیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی مرمت کرنی چاہی تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا»

''اسے چھوڑ دو، بلاشبہ حق والے کو بات کرنے کا حق ہوتا ہے۔''[2]

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَعْطُوهُ» ''وہی دے دو۔'' وہ شخص کہنے لگا: ''آپ نے مجھے زیادہ دیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ دے۔'' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً»

''لوگوں میں سے یقیناً بہتر وہ ہیں جو ادائے واجبات میں بہتر ہیں۔''[3]

نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک اونٹ خریدا، پھر جب جابر رضی اللہ عنہ

[1] دیکھیے شرح النووي: 95/12، و فتح الباري: 279/7 و 153/8. [2] صحيح البخاري، الوكالة، باب وكالة الشاهد والغائب جائزة، حديث: 2305، باب الوكالة في قضاء الديون، حديث: 2306، وصحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان……، حديث: 1601,1600. [3] صحيح البخاري، الاستقراض، باب: هل يعطى أكبر من سنه؟ حديث: 2392.

اونٹ دینے (اور قیمت لینے) آئے تو آپ نے فرمایا:

«أَتُرَانِي مَا كَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ»

''تیرے اونٹ کی کہیں میں نے کم قیمت تو نہیں لگائی؟ جاؤ اونٹ بھی لے جاؤ اور درہم بھی۔''[1]

⑦ رسول اللہ ﷺ اخلاق بلندی کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر تھے کیونکہ آپ کا اخلاق وکردار قرآن ہی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ»

''آپ کا خلق عین قرآن تھا۔''[2]

آپ ﷺ نے خود فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ»

''مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[3]

⑧ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کی نسبت دنیا سے انتہائی بے رغبت تھے۔ ایک دفعہ آپ کھجور کی ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اپنے پہلو پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اس سے بہتر بچھونا استعمال کرلیا کریں! تو اس پر آپ نے فرمایا:

[1] ماخوذ از صحيح البخاري، البيوع، باب شراء الدواب والحمير، حديث: 2097، وصحيح مسلم، المساقاة، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، حديث: 715، بعد الحديث: 1599، واللفظ له. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل، حديث: 746، ومسند أحمد: 91/6، واللفظ له. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 192/10، ومسند أحمد: 381/2، والسلسلة الصحيحة: 112/1، حديث: 45.

«مَالِي وَلِلدُّنْيَا ، مَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ سَارَ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ، فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا»

''مجھے دنیا سے کیا تعلق! میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں کچھ دیر کے لیے ایک درخت کی چھاؤں میں دم لینے کے لیے ٹھہرا، پھر چھوڑ کر چل دیا۔'' [1]

ایک موقع پر فرمایا:

«لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا يَسُرُّنِي أَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَّعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ»

''اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو میری یہ خواہش ہوتی کہ تین دن گزرنے سے پہلے وہ سب صدقہ کر دوں الا یہ کہ میں ادائے قرض کے لیے کچھ مال باقی رکھوں۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ آپ کی وفات تک کبھی لگا تار تین دن رات مسلسل کھانے سے سیر نہیں ہوئے۔'' [3]

ظاہر یہی ہے کہ ان کے سیر نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ گھر میں کھانے کی کافی غذا نہ ہوتی تھی۔ ان کا معمول مبارک یہ تھا کہ اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہوتی تو بھی وہ سائلین

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب حديث: [ما الدنيا إلا كراكب……]، حديث: 2377، و مسند أحمد: 301/1، واللفظ له، والسلسلة الصحيحة: 800/1، حديث: 439. [2] صحيح البخاري، الاستقراض……، باب أداء الديون……، حديث: 2389، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تغليظ عقوبة من لايؤدي الزكاة، حديث: 991. [3] صحيح البخاري، الأطعمة، باب قول الله تعالى: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرة 2:172) ……، حديث: 5374.

کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے۔'' [2]

نیز فرماتی ہیں: ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت روٹی کھائی ہو بلکہ ایک وقت لازماً کھجوریں ہی ہوتی تھیں۔'' [3]

مزید فرماتی ہیں: ''ہم تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یہ وقفہ کم از کم دو ماہ کا بنتا ہے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گھر میں آگ نہ جلائی جاتی تھی۔'' حضرت عروہ نے پوچھا: ''پھر تم زندہ کیسے رہتے تھے؟'' فرمانے لگیں: ''کھجور اور پانی پر گزر بسر کرتے تھے۔'' [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر (بچھونا) چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔'' [5]

اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی:

«اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا»

''اے اللہ! آلِ محمد کو گزارے کی روزی عطا فرما۔'' [6]

---

1 فتح الباري: 519/9. 2 صحيح البخاري، الأطعمة، باب ما كان النبي ﷺ وأصحابه يأكلون، حديث: 5414. 3 صحيح البخاري، الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ ......، حديث: 6455. 4 صحيح البخاري، الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ ......، حديث: 6459. 5 صحيح البخاري، الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ ......، حديث: 6456. 6 صحيح البخاري، الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ ......، حديث: 6460، وصحيح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف والقناعة، حديث: 1055، واللفظ له. اس حدیث میں ''قُوتٌ'' سے مراد بدن کی وہ غذا ہے جس میں اسراف نہ ہو، یعنی خوراک بقدر گزران ہو۔ صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں لفظ [كَفَافًا] استعمال ہوا ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ اہل لغت کا کہنا ہے کہ قُوت سے مراد وہ خوراک ہے جس سے زندگی کا ناطہ بحال رہے۔

9 رسول اللہ ﷺ انتہائی پرہیزگار شخصیت تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِي، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِي، ثُمَّ أَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشٰى أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَأُلْقِيهَا»

''میں گھر آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر یا گھر میں کوئی کھجور گری پڑی دیکھتا ہوں۔ میں اسے کھانے کے لیے منہ کے قریب کرتا ہوں تو معاً خیال آتا ہے کہ کہیں یہ صدقے کی نہ ہو، اس لیے میں اسے پھینک دیتا ہوں۔''[1]

ایک دفعہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے (جو ابھی بچے تھے) صدقے کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا:

«كَخْ كَخْ اِرْمِ بِهَا، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ؟»

''تھو تھو! اسے نکال پھینک، کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟''[2]

10 ان مبارک اور عظیم امور انجام دینے کے باوجود آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

«عَلَيْكُمْ مِّنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا وَأَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللّٰهِ مَا دُووِمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ» وَكَانَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ إِذَا عَمِلُوا عَمَلًا أَثْبَتُوهُ.

''اتنے ہی (نفل) کام شروع کرو جنھیں تم آسانی سے انجام دے سکو، اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتاتا بلکہ تم اکتا کر کام چھوڑ دو گے۔ اللہ کو سب سے پیاری

اور [الكَفَاف] ''بقدر ضرورت روزی'' سے انسان فقر ومحتاجی اور تونگری کی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ (فتح الباري: 293/11)

1 صحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول اللهﷺ......، حديث: 1070 .

2 صحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول اللهﷺ......، حديث: 1069 .

وہ نفلی عبادت ہے جو پابندی سے کی جائے چاہے وہ تھوڑی ہی ہو۔ آل محمد (ﷺ) جب کوئی نفلی عمل شروع کرتے تو اس پر ہمیشگی کرتے۔'' [1]

''اور نبی ﷺ جب کوئی نفلی نماز شروع کرتے تو اس پر دوام فرماتے۔'' [2]

نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا۔ وہ کہنے لگے: ''ہمارا نبیٔ کریم ﷺ سے کیا مقابلہ؟ اللہ نے آپ کے پہلے اور بعد والے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔'' ان میں سے ایک کہنے لگا: ''میں تو ہمیشہ پوری رات عبادت کیا کروں گا۔'' دوسرا بولا: ''میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی ناغہ نہ کروں گا۔'' تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے لاتعلق رہوں گا، کبھی شادی نہ کروں گا۔'' ان میں کسی نے یہ بھی کہا: ''میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا۔'' یہ باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا:

«أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللهِ! إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

''تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں۔ اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کر رکھی ہیں۔ جو شخص میری سنت سے اعراض

[1] ماخوذ از صحيح البخاري، الصوم، باب صوم شعبان، حديث: 1970، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم......، حديث: 782، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم شعبان، حديث: 1970.

(کنارہ کشی) کرے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" [1]

اس روایت میں سنت سے مراد طریقہ اور طرزِ عمل ہے نہ کہ وہ سنت جو فرض کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ» قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ»

"اپنے اعمال درست کرو اور میانہ روی اختیار کرو اور (لوگوں کو) خوشخبری دو۔ بلاشبہ کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرسکتا۔" صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں داخل ہو سکتے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! میں بھی نہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے۔" [2]

ایک دوسری روایت میں ہے:

«سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاغْدُوا وَرَوِّحُوا، وَشَيْئًا مِّنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا»

"اپنے اعمال درست کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ کچھ سفر صبح کرلیا کرو، کچھ شام کو اور کچھ رات کے آخری پہر میں۔ اس طرح میانہ روی اختیار کرو گے تو منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔" [3]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث: 5063، و صحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه......، حديث: 1401.
[2] صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حديث: 6467، وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله......، حديث: 2818. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة......، حديث: 6463.

آپ فرمایا کرتے تھے:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ»

''اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم ودائم رکھ۔''[1]

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ! صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ»

''اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''[2]

مختصر یہ کہ اس باب میں بے شمار انتہائی قیمتی اسباق چمک رہے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو؟ رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ کی ایک ایک بات سچے مسلمانوں کے لیے ہدایت کا چراغ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[3]

فی الجملہ نبیِ کریم ﷺ سیرت اور صورت کے لحاظ سے سب لوگوں سے افضل، اعلیٰ اور اولیٰ ہیں۔

1 جامع الترمذي، الدعوات، باب دعاء: يامقلب القلوب، حديث:3522، و مسند أحمد: 112/3. 2 صحيح مسلم، القدر، باب تصريف اللّٰه تعالٰى القلوب......، حديث:2654. 3 الأحزاب 21:33.

باب:5

نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین

رسالت مآب ﷺ کی رحمت انسانوں، جنوں، مومنوں اور کافروں حتیٰ کہ حیوانات تک کے لیے عام تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔''[1]

امر واقع یہ ہے کہ آپ پر ایمان لانے والوں نے اس رحمت کو قبول کیا اور اس کی قدر کی اور ایمان نہ لانے والوں نے اس رحمت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کی ناشکری کی۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے، اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے، اسے بھی خسف و قذف (زمین میں دھنسایا جانا اور پتھروں کی بارش ہونا) جیسے عذابوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے جو پہلی امتوں پر آتے رہے۔''[3]

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کے بارے میں زیادہ صحیح بات وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تمام اہل جہان کے لیے

1 الأنبیآء21:107 . 2 تیسیر الکریم الرحمٰن في تفسیر کلام المنان للسعدي: 532 .
3 تفسیر الطبري: 17/141 .

رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ مومنوں کے لیے بھی اور کافروں کے لیے بھی۔ مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے سے ہدایت دیتا ہے اور آپ پر ایمان کی بدولت جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ باقی رہے کافر تو آپ کی برکت کے باعث ان سے بھی وہ عذاب و آفات ٹال دیے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والے لوگوں پر نازل ہوتے رہے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رحمت سارے جہان کے لیے ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''آپ سے عرض کی گئی: ''اللہ کے رسول! مشرکین کے خلاف بددعا کیجیے۔'' آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَّإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً»

''مجھے لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''[2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي سَبَبْتُهُ سَبَّةً، أَوْ لَعَنْتُهُ لَعْنَةً فِي غَضَبِي، فَإِنَّمَا أَنَا مِنْ وُّلْدِ آدَمَ، أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُونَ، وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ فَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ صَلَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''(اے اللہ!) میں اپنی امت میں سے جس آدمی کو بھی بددعا دوں یا غصے کی حالت میں کسی پر لعنت بھیجوں کیونکہ میں بھی ایک انسان ہوں، مجھے بھی غصہ آتا ہے جس طرح دوسرے انسانوں کو آتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا میری دعا ہے کہ اے اللہ! میری اس

[1] تفسير الطبري: 141/17. [2] صحيح مسلم، البر و الصلة، باب النهي عن لعن الدواب و غيرها، حديث:2599.

بددعا اور لعنت کو اس شخص کے لیے قیامت کے دن رحمت بنا دے۔'' [1]

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ»

''میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوں جسے (سب) لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔'' [2]

مزید برآں آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَنَا مُحَمَّدٌ، وَّأَحْمَدُ، وَالْمُقَفِّي، وَالْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ»

''میں محمد ہوں، احمد ہوں، مقفّی ہوں (سب سے بعد میں آنے والا آخری نبی) حاشر ہوں (سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا) توبہ والا نبی ہوں اور رحمت والا نبی ہوں۔'' [3]

رحمت کی اقسام اور مثالیں

1 دشمنوں کے لیے رحمت

رسول اللہ ﷺ کی رحمت دشمنوں تک کے لیے عام تھی حتیٰ کہ عین لڑائی اور جہاد کے موقع پر بھی آپ سراپا رحمت تھے کیونکہ جہاد شریعت کے اصول وضوابط کے تحت ہوتا ہے جن کی پابندی مجاہدین کے لیے شرطِ لازم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في النهي عن سب أصحاب رسول اللّٰه ﷺ، حديث:4659. علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے السلسلة الصحيحة: 4/353، حديث: 1758.

[2] المستدرك للحاكم:1/35، والسلسلة الصحيحة:1/882، حديث:490. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب في أسمائه ﷺ، حديث:2355.

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○﴾

''اور تم زیادتی نہ کرو، یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

اس ممانعتِ ربانی میں ہر قسم کی زیادتی سے اجتناب شامل ہے، مثلاً: مقتول کی شکل بگاڑنا، خیانت کرنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا جن کا جنگ میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح الگ رہ کر اللہ کی عبادت کرنے والے راہبوں، بیماروں، نابیناؤں اور گرجے میں مصروفِ عبادت رہنے والوں کو قتل کرنا بھی منع ہے، البتہ اگر ان میں سے کوئی شخص خود لڑائی کا مرتکب ہو یا جنگ میں اس کی رائے اور مشورے کا عمل دخل ہو تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔[2]

اسی طرح حیوان کو بے فائدہ قتل کرنا، درختوں کو آگ لگانا، کھیتوں اور پھلوں کو ضائع کرنا، پانی اور کنوؤں کو خراب کرنا اور گھروں کو گرانا ممنوعات میں شامل ہیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ ہی کا واقعہ ہے کہ ''آپ ایک جنگ میں شریک تھے، دورانِ جنگ آپ نے ایک مقتول عورت کی لاش دیکھی تو (آپ ناراض ہوئے اور) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔''[4]

نبی ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر کرتے تو اسے نصیحت کرتے تھے کہ اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، پھر فرماتے:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللهِ، فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَّإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ

1 البقرة 2:190. 2 المغني لابن قدامة: 13/175-179. 3 تفسير ابن كثير: 1/463، وعناصر القوة في الإسلام، ص: 212. 4 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، حديث: 3015.

مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ . . . »

’’اللہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ پر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے لڑائی کرو۔ جنگ میں خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، کسی مقتول کی شکل نہ بگاڑنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ اور جب تمھارا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو انھیں ان تین باتوں کی دعوت دینا......۔‘‘ [1]

اور وہ یہ ہیں:

① اسلام لے آؤ اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کرو یا صرف مسلمان ہو جاؤ ہجرت نہ کرو۔ اس صورت میں تمھاری حیثیت اعراب مسلمانوں جیسی ہوگی۔

② اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو انھیں کہو کہ وہ جزیہ دیں۔

③ اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر لڑائی شروع کر دی جائے۔ [2]

دشمنوں سے بھی ایفائے عہد

جہاد میں ایک اہم ضابطہ ایفائے عہد ہے، یعنی دشمن کے ساتھ بھی خیانت نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝﴾

’’اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خطرہ ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بدعہدی)

[1] ماخوذ از صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث......، حديث:1731 . [2] ماخوذ از صحیح مسلم، الجهاد و السير، باب تأمير الإمام الأمراء......، حديث :1731 ، وزاد المعاد :100/3 .

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘[1]

اگر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو مسلمانوں کے لیے مدت مکمل ہونے تک بدعہدی جائز نہیں، البتہ اگر مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے بدعہدی اور خیانت کا خدشہ ہو اور ان کی ظاہری حالت سے اندازہ ہوتا ہو کہ یہ لوگ فساد کریں گے تو ایسی صورت میں بھی مسلمان علانیہ طور پر دشمن کو بتائیں گے کہ ہمارے تمھارے درمیان اب عہد باقی نہیں رہا تاکہ وہ اپنی پوری تیاری کر سکیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دشمن صراحتاً بدعہدی کا مرتکب ہو تو اسے عہد ختم ہونے کی اطلاع دینا بھی ضروری نہیں کیونکہ انھوں نے خود عہد توڑا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دشمن کی طرف سے خیانت اور بدعہدی کا کوئی خطرہ نہ ہو تو کسی صورت عہد نہیں توڑا جا سکتا بلکہ مدتِ مقررہ تک اسے پورا کرنا ضروری ہے۔[2]

حضرت سُلَیم بن عامر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان عہد تھا۔ عہد کی مدت ختم ہونے کے قریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے علاقے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تاکہ جونہی عہد ختم ہو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اس موقع پر دور سے ایک شخص نظر آیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور پکار رہا تھا: ’’اللہ اکبر، عہد پورا کرنا ضروری ہے بدعہدی جائز نہیں۔‘‘ وہ شخص قریب پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ حضرت عمرو بن عَبَسَہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں قریب بلایا اور پوچھا کیا بات ہے؟ وہ فرمانے لگے: ’’میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَشُدَّ عُقْدَةً وَّلَا يَحُلَّهَا حتّٰى يَنْقَضِيَ

1 الأنفال 8:58. 2 ماخوذ از تفسير ابن كثير: 2/423، 424، وتفسير السعدي: 3/181، 182.

أَمَدُهَا ، أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ»

''جس شخص کا دشمن سے عہد وعقد ہو تو مدت مکمل ہونے تک نہ اس عہد کی تجدید کرے نہ تنقیص یا پھر عہد ختم ہونے کا اعلان کر دے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر لوٹ گئے۔ [1]

اس ضابطے سے ثابت ہو گیا کہ جہاد کا مقصد کلمۃ اللہ کی بلندی ہے۔

دشمنوں پر بھی عذاب نہ آنے کی دعا

آپ کی بے پایاں رحمت جو آپ کے دشمنوں تک محیط تھی، اس کی مثال پہاڑوں کے فرشتے کا واقعہ ہے، [2] جب اللہ نے اسے بھیجا کہ میرا نبی جو حکم کرے وہ کر گزرو کیونکہ مشرکین نے آپ کو بہت ستایا تھا۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آ کر سلام کیا اور عرض کرنے لگا: ''اے محمد! اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کو ان لوگوں نے دیا۔ میں پہاڑوں پر مقرر فرشتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کے

[1] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يكون بينه و بين العدو عهد......، حديث: 2759، و جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في الغدر، حديث: 1580 .

[2] واقعے کا آغاز یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا: ''کیا آپ پر احد کے دن سے کوئی سخت دن بھی آیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! آپ کی قوم کی طرف سے جو سخت تکلیف پہنچی وہ عقبہ کے دن کی تھی جب میں ابن عبد یالیل بن عبد کُلال کے پاس گیا تو اس نے میری طرف بالکل توجہ نہ دی، چنانچہ میں وہاں سے پریشانی کے عالم میں چل پڑا۔ قرنِ ثعالب پہنچ کر مجھے ہوش آیا تو میں نے سر اٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی نے سایہ کیا ہوا ہے۔ میں نے اس میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو اس نے مجھے آواز دی اور کہا: اللہ عزوجل نے آپ کی قوم کی بات اور جو انھوں نے آپ کو جواب دیا سن لیا ہے اور آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم دیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے بلایا اور سلام کیا، پھر عرض کرنے لگا......''

بارے میں جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان پر اَخْشَبَیْن (مکہ کے دو عظیم پہاڑ: ابوقبیس اور قعیقعان) [1] گرا دوں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أَرْجُوا أَنْ يُّخرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَّنْ يَّعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

''(نہیں!) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔'' [2]

پاکیزگیٔ قلب اور غیر مسلموں کی خیر خواہی

غیر مسلموں پر رسول اللہ ﷺ کی شفقت و رحمت کی عظیم مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور فرمایا:

«أَسْلِمْ»

''مسلمان ہو جاؤ۔'' [3]

اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ بھی پاس بیٹھا تھا۔ باپ کہنے لگا: ''ابوالقاسم کی بات مانو۔'' وہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ»

[1] دیکھیے النهاية لابن الأثير: 32/2، و تاج العروس: 461/1. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين……، حديث: 3231، مطولاً، وصحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبي ﷺ من أذى المشركين……، حديث: 1795 مطولاً. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، حديث: 1356.

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔‘‘ [1]

نبی کریم ﷺ باہر نکلے اور فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ»

’’اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے آگ سے بچالیا۔‘‘ [2]

سنن ابوداود کی روایت ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ بِي مِنَ النَّارِ»

’’اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری کوشش سے اسے آگ سے بچالیا۔‘‘ [3]

اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

2 مومنین کے لیے رحمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

’’(لوگو!) بلاشبہ تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول تشریف لا چکا ہے۔ اس پر تمھاری تکلیف و مشقت بہت شاق گزرتی ہے۔ وہ تمھارے بھلے کے بہت آرزومند ہیں اور مومنین پر بہت شفیق و مہربان ہیں۔‘‘ [4]

[1] السنن الكبرٰى للنسائي، السير، باب عرض الإسلام على المشرك: 173/5، حديث: 8588 .
[2] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، حديث: 1356 . [3] سنن أبي داود، الجنائز، باب عيادة الذمي، حديث: 3095، والسنن الكبرٰى للنسائي، السير، باب عرض الإسلام على المشرك: 173/5، حديث: 8588 . [4] التوبة 9:128 .

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے مگر آپ کا خصوصی تعلق مومنین ہی سے تھا۔ وہی آپ کے مقام و مرتبہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور آپ سے جی بھر کر فیض حاصل کرتے تھے۔ آپ ان کے انتہائی خیر خواہ تھے۔ ہر آن ان کے فائدے کی تدابیر سوچتے تھے۔ ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے تھے۔ ہر حال میں ان کا بھلا چاہتے تھے اور اس کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔ ایمان کی طرف ان کی رہنمائی کے بڑے شائق تھے۔ ان کے نقصان پر سخت تکلیف محسوس کرتے تھے۔ آپ ان پر انتہائی شفیق و مہربان تھے حتیٰ کہ ان کے والدین سے بھی بڑھ کر شفقت فرماتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کا حق دیگر تمام حقوق سے مقدم ہے۔ امت پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی بھرپور تعظیم و توقیر کرے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾

”یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“[2]

انسان کو اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات مومن کی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہیے کیونکہ آپ نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی ہمدردی، بھلائی اور خیر خواہی میں بسر کر دی، اس لیے بندۂ مومن پر لازم ہے کہ جب اس کے دل کی چاہت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے متصادم ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مقدم رکھے اور آپ کے فرمان کے مقابلے میں لوگوں میں سے کسی کے قول کی پروا نہ کرے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ نیز آپ کی محبت کو سب لوگوں کی محبت پر

[1] تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان للسعدي، ص: 357 . [2] الأحزاب 6:33 .

ترجیح دے۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

”پس (اے نبی!) آپ اللہ کی عظیم رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے، لہٰذا آپ ان سے درگزر کریں، ان کے لیے بخشش کی دعا کریں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا رکھیں۔ بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“[2]

رسول اللہ ﷺ نے دعا کی ہے:

«اَللّٰهُمَّ! مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»

”اے اللہ! جو شخص میری امت پر حکمران بنے اور اس پر مشقت ڈالے، تو بھی اس پر مشقت ڈال اور جو شخص میری امت پر حکمران بنے اور اس سے نرمی کرے تو بھی اس سے نرمی فرما۔“[3]

نیز فرمایا:

«أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَّلَمْ يَتْرُكْ

[1] تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان للسعدي، ص: 659. [2] آل عمرٰن 3:159. [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل......، حديث: 1828 مطولاً.

وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ»

''میں مومنوں کے لیے خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہوں، لہٰذا جو شخص مقروض فوت ہو جائے اور اس نے کچھ مال نہ چھوڑا ہو کہ اس سے قرض ادا کیا جا سکے تو اس کے قرض کی ادائیگی ہمارے ذمے ہو گی، البتہ جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہو، اس کا مال اس کے ورثاء کو ملے گا۔''[1]

3 سب لوگوں کے لیے رحمت

❀ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ»

''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ عزوجل بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''[2]

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ»

''رحمت اور مہربانی کے جذبے سے کوئی بدنصیب شخص ہی خالی ہوتا ہے۔''[3]

❀ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللهُ»

[1] صحيح البخاري، الفرائض، باب قول النبيﷺ: من ترك مالا فلأهله، حديث:6731، و صحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، حديث: 1619 . [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمتهﷺ الصبيان......، حديث:2319 . [3] جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في رحمة الناس، حديث:1923 .

’’اللہ تعالیٰ رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔’’رحم‘‘ رحمٰن سے مشتق ہے جو شخص رشتے جوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑے گا اور جو رشتے توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) توڑ دے گا۔‘‘ [1]

4 بچوں پر رحمت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بزرگ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔لوگوں نے اس کے لیے جگہ بنانے میں سستی کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»

’’جو شخص چھوٹے پر شفقت اور بڑے کی عزت نہیں کرتا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘ [2]

حضرت عمرو اپنے باپ شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا ، وَلَمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا»

’’جو شخص چھوٹے پر رحم نہیں کرتا اور بڑے کا مرتبہ تسلیم نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘ [3]

5 بیٹیوں پر شفقت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ ، أَوِ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ

[1] جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في رحمة الناس، حديث:1924 . [2] جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في رحمة الصبيان، حديث: 1919 . [3] جامع ◂◂

فَيَتَّقِي اللهَ فِيهِنَّ وَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

’’جس شخص کے ہاں تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، پھر وہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ان سے حسن سلوک کرے، وہ ضرور جنت میں جائے گا۔‘‘ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَالَ ابْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، أَوْ أُخْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا حَتّٰى يَبِنَّ أَوْ يَمُوتَ عَنْهُنَّ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ»

’’جو شخص دو یا تین بیٹیوں یا بہنوں کی بخوشی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ شادی یا موت کی وجہ سے جدا ہو جائیں یا وہ شخص مر جائے تو وہ شخص جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہو گا۔‘‘

یہ فرماتے ہوئے آپ نے درمیان والی اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر دکھایا۔ [2]

6 یتیم بچوں پر شفقت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ»

’’اپنے رشتہ دار یا اجنبی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح ہو گا۔‘‘

◀◀ الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في رحمة الصبيان، حديث: 1920 .

1 سنن أبي داود، الأدب، باب في فضل من عال يتامى، حديث: 5147، و مسند أحمد: 42/3، واللفظ له. 2 صحيح مسلم، البر والصلة......، باب فضل الإحسان......، حديث: 2631، وصحيح ابن حبان (ترتيب ابن بلبان): 190/2، حديث: 447، واللفظ له.

راویِ حدیث امام مالک نے سبابہ اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی سنگدلی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:

«اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ، وَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ»

''تم یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔''[2]

7 خواتین اور ناتواں لوگوں پر شفقت اور رحمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ : الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ»

''اے اللہ! میں دو کمزور افراد کے حق کے بارے میں لوگوں کو سخت تنبیہ کرتا ہوں: یتیم اور عورت کے بارے میں۔''[3]

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر بہت سے پند و نصائح سے نوازا۔ آخر میں فرمایا:

«اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ، لَّيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ»

''(اے لوگو!) عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت قبول کرو کیونکہ وہ تمھارے

1 صحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة......، حديث: 2983 .

2 مسند أحمد: 387/2، و صحيح الترغيب والترهيب: 676/2، حديث: 2545 .

3 سنن ابن ماجه، الأدب، باب حق اليتيم، حديث: 3678، والسلسلة الصحيحة: 12/3، حديث: 1015 .

پاس پابند ہیں۔تم اس کے علاوہ ان پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔‘‘[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے سوا کسی کے گھر میں نہیں جاتے تھے۔آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنِّي أَرْحَمُهَا ، قُتِلَ أَخُوهَا مَعِي»

’’مجھے اس پر ترس آتا ہے کہ اس کا بھائی میرے دوش بدوش لڑتا لڑتا شہید ہوا ہے۔‘‘[2]

8 بیواؤں اور مسکینوں پر رحمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ ، أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ ، الصَّائِمِ النَّهَارَ»

’’بیوہ اور مسکین کے لیے تگ ودو کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح جو رات کو قیام کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔‘‘[3]

صحیح مسلم کے الفاظ یوں ہیں:

«اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ ،

1 جامع الترمذي ، الرضاع ، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها ، حديث: 1163 ، وسنن ابن ماجه ، النكاح ، باب حق المرأة على الزوج ، حديث: 1851 ، مطولا .

2 صحيح البخاري ، الجهاد والسير ، باب فضل من جهز غازيا...... ، حديث: 2844 .

3 صحيح البخاري ، النفقات ، باب فضل النفقة على الأهل...... ، حديث: 5353 .

وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ»

''بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے والا شخص مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح جو قیام وصیام میں مشغول رہتا ہے، ناغہ اور سستی نہیں کرتا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ الذِّكْرَ، وَيُقِلُّ اللَّغْوَ، وَيُطِيلُ الصَّلَاةَ، وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ، وَلَا يَأْنَفُ أَنْ يَّمْشِيَ مَعَ الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ کبھی کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں کرتے تھے۔ نفل نماز لمبی پڑھا کرتے تھے اور خطبہ مختصر ارشاد فرماتے تھے۔ (محتاج) بیوہ اور مسکین کے ساتھ اس کے کام کے لیے جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مجھے آپ کا چہرۂ انور دیکھ کر بسا اوقات ابو طالب کا یہ شعر یاد آ جاتا:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ

ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''آپ سفید رو ہیں آپ کے چہرۂ انور کے ناتے بادلوں سے بارش برستی ہے۔ آپ یتیموں کی پناہ گاہ ہیں اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔''[3]

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان......، حديث:2982. [2] سنن النسائي، الجمعة، باب ما يستحب من تقصير الخطبة، حديث: 1415. [3] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الدعاء......، حديث: 1272. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

امر واقع بھی یہی ہے کہ جب آپ بارش کی دعا فرماتے تو ابھی منبر سے اترنے بھی نہ پاتے تھے کہ مدینہ منورہ کے پرنالے بہنے لگتے تھے۔

عربی میں أَرْملة اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو اور اس مرد کو بھی جس کی بیوی فوت ہو چکی ہو، خواہ وہ فقیر ہوں یا مالدار۔ ان دونوں میں سے ہر ایک فریق کو أَرَامِل کہا جاتا ہے۔ لیکن مروجہ محاورے میں یہ لفظ اکثر عورتوں ہی کے لیے خاص ہے۔ اسی لیے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

[لَئِنْ سَلَّمَنِيَ اللهُ تَعَالٰى لَأَدَعَنَّ أَرَامِلَ أَهْلِ الْعِرَاقِ لَا يَحْتَجْنَ إِلٰى رَجُلٍ بَعْدِي أَبَدًا]

”اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید زندگی دی تو میں ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ عراق کی (محتاج) بیواؤں کو میرے بعد کسی شخص کی ضرورت نہیں رہے گی۔“[1]

مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بیواؤں اور مساکین پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ لوگوں کو بھی ان کی طرف متوجہ کرتے تھے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ صلى الله عليه وسلم .

حضرت ام بُجَید رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ پر خصوصی رحمتیں نازل فرمائے! کبھی کبھی کوئی مسکین میرے دروازے پر آ کھڑا ہوتا ہے لیکن میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ لَّمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِينَهُ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُّحْرَقًا فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ»

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان، حديث:3700 .

''اگر تیرے پاس کوئی بھی چیز اسے دینے کے لیے نہ ہو سوائے جلے ہوئے کُھر کے تو اسے وہی پکڑا دے۔''[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ مساکین پر کس قدر زیادہ رحیم وشفیق تھے۔ آپ مساکین کو اپنی وسعت کے مطابق کھانا کھلانے کا حکم دیتے تھے۔

9 طالبانِ علم پر رحمت وشفقت

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ يَّطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَقُولُوا لَهُمْ: مَرْحَبًا مَّرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَقْنُوهُمْ»

''بہت سے لوگ تمھارے پاس علم حاصل کرنے آئیں گے۔ جب تم انھیں دیکھو تو کہو: ''خوش آمدید جن کے حق میں اللہ کے رسول نے وصیت کی اور انھیں (مفید) تعلیم دے کر مطمئن کرو۔''

راوی حدیث حَکَم سے پوچھا گیا: ''مطمئن کرنے کا کیا مطلب ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''انھیں علم سکھاؤ۔''[2]

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم چند ہم عمر نوجوان نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس بیس دن ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ بہت رحیم و شفیق تھے۔ جوں ہی آپ نے محسوس کیا کہ اب ہم گھر جانا چاہتے ہیں تو آپ نے ہم

[1] سنن أبي داود، الزكاة، باب حق السائل، حديث: 1667. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ [2] جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في الاستيصاء بمن يطلب العلم، حديث: 2651,2650، وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب الوصاة بطلبة العلم، حديث: 247، واللفظ له.

سے پوچھا: ''گھر میں کن کن کو چھوڑ آئے ہو؟'' ہم نے اپنے اپنے اہل خانہ کے بارے میں آپ کو مطلع کیا تو آپ نے فرمایا:

«اِرْجِعُوا إِلٰى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، . . . وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ»

''اپنے گھر واپس چلے جاؤ، وہاں رہو، انھیں تعلیم دو اور شرعی احکام کا حکم دو...... اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ جماعت کرائے۔''[1]

اس واقعے سے طالبانِ علم سے رسول اللہ ﷺ کی شفقت و رحمت کا پتہ چلتا ہے۔

10 قیدیوں پر شفقت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فُكُّوا الْعَانِيَ -أَيِ الْأَسِيرَ- وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ»

''قیدیوں کو آزاد کراؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی مزاج پرسی کرو۔''[2]

اس حدیث سے مسلمان قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے جذبۂ ہمدردی اور شفقت کا پتہ چلتا ہے، نیز آپ نے انھیں آزاد کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور بیماروں کی

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة......، حديث: 631. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، حديث: 3046.

مزاج پرسی کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

11 بیماروں پر شفقت اور رحمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ، قِيلَ : مَا هُنَّ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ : إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ»

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر چھ حقوق رکھتا ہے۔“ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون کون سے حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”جب تم اسے ملو تو سلام کہو، جب وہ تمھیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو، جب اسے چھینک آئے اور اَلْحَمْدُلِلّٰهِ کہے تو اسے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ سے دعا دو، وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔“[1]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَّمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ (حَتّٰى يَرْجِعَ)» قِيلَ : يَارَسُولَ اللهِ! وَمَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ : «جَنَاهَا»

”جو شخص مریض کی مزاج پرسی کرتا ہے گویا کہ وہ واپس آنے تک جنت کے پھل چننے میں لگا رہتا ہے۔“ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! خرفة الجنة سے کیا مراد

1 صحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم ردالسلام، حديث: 2162 .

ہے؟ فرمایا: ''جنت کے پھل چننا۔''[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ، وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ»

''جو شخص کسی مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے صبح کے وقت جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اگر شام کے وقت جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغیچہ بنا دیا جاتا ہے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَّمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ، فَقَالَ عِنْدَهُ سَبْعَ مِرَارٍ: أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ، إِلَّا عَافَاهُ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَضِ»

''جو شخص کسی ایسے مریض کی مزاج پرسی کو جائے جس کی موت کا وقت نہ آ چکا ہو، پھر وہ اس کے پاس بیٹھ کر سات دفعہ یہ کلمات پڑھے: میں عظمت والے اللہ سے درخواست کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے کہ وہ تمھیں شفا عطا فرمائے! تو اللہ تعالیٰ اسے اس مرض سے عافیت بخش دیتا ہے۔''[3]

[1] صحيح مسلم، البر و الصلة، باب فضل عيادة المريض، حديث:(42)-2568. بریکٹ والے لفظ، حدیث: (40)-2568 کے ہیں۔ [2] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في عيادة المريض، حديث: 969. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ [3] سنن أبي داود،

ان احادیث سے واضح ہو گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بیماروں پر کس قدر شفقت کرتے تھے اور آپ کو ان کی شفا کی کیسی تمنا دامن گیر رہتی تھی۔ تبھی تو آپ نے اپنی امت کو بیماروں کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ترغیب دلائی اور انھیں خوش رکھنے کی تلقین فرمائی۔

12 حیوانات، پرندوں اور چوپایوں پر رحمت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کنویں کے گرد گیلی مٹی چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اسے پانی پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں کی وجہ سے بھی ثواب ملے گا؟ فرمایا:

«فِي كُلِّ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ أَجْرٌ»

''ہر زندہ چیز سے ہمدردی کا ثواب ملے گا۔'' [1]

صحیح بخاری میں یوں ہے:

«فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ»

''اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر کی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُّومِسَةٍ مَّرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَّلْهَثُ - قَالَ: كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ - فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ

◄◄ الجنائز، باب الدعاء للمريض عند العيادة، حديث: 3106، و جامع الترمذى، الطب، باب مايقول عند عيادة المريض، حديث: 2083.

1 ماخوذ از صحيح البخاري، المساقات، باب فضل سقي الماء، حديث: 2363، و صحيح مسلم، السلام، باب فضل سقي البهائم......، حديث: 2244. 2 صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم......، حديث: 173.

الْمَاءِ، فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ»

”ایک بدکار عورت کو صرف اس بنا پر معاف کر دیا گیا کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے کنارے پر تھا۔ قریب تھا کہ وہ پیاس کے مارے مر جاتا۔ اس عورت نے فوراً اپنا موزہ اتارا، اسے دوپٹے سے باندھا اور کنویں سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلایا۔ اس نیکی کی بنا پر اس کی مغفرت ہو گئی۔“ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ (جُوعًا) فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»

”ایک عورت کو ایک بلی (پر ظلم کرنے) کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس نے اس بلی کو باندھ دیا، اسے کچھ کھلایا نہ پلایا اور نہ اسے کھلا چھوڑا کہ وہ زمین سے کیڑے مکوڑے (تلاش کر کے) کھا لیتی حتیٰ کہ وہ بھوکی پیاسی مر گئی۔ اس ظلم کی پاداش میں وہ عورت آگ میں جھونک دی گئی۔“ [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ، أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»

”جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا فصل کاشت کرے اور اس میں سے کوئی پرندہ یا

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم……، حديث: 3321. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، بابٌ: 54، حديث: 3482، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، حديث: 2243. بریکٹ والے لفظ صحيح البخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء، حديث: 2365 کے ہیں۔

انسان یا جانور کچھ کھا جائے تو اس شخص کو اس کے بدلے ثواب ملے گا۔'' [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی بکری کو لٹانے کے بعد چھری تیز کر رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ ، هَلَّا أَحْدَدْتَّ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا ؟»

''کیا تو اسے بار بار مارنا چاہتا ہے؟ تو نے اسے لٹانے سے پہلے چھری تیز کیوں نہیں کی؟!'' [2]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، لہٰذا جب تم کسی کو (حد لاگو کرنے کی بنا پر) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم کوئی جانور ذبح کرنے لگو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی چھری (خوب) تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو کم سے کم تکلیف دے۔'' [3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعًا بیان کرتے ہیں:

[1] صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه......، حديث:2320، وصحيح مسلم، المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، حديث:1552.
[2] المستدرك للحاكم:233/4، حديث:7570، وصحيح الترغيب والترهيب:631/1، حديث: 1090 و2265. [3] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح ......، حديث:1955.

«مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَأَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» قِيلَ: يَارَسُولَ اللهِ! فَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ: «أَنْ يَّذْبَحَهَا فَيَأْكُلَهَا، وَلَا تَقْطَعْ رَأْسَهَا فَيَرْمٰى بِهَا»

''جس شخص نے چڑیا یا اس سے کسی بڑے یا چھوٹے جانور کو ناجائز قتل کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن اس کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔'' پوچھا گیا: ''اللہ کے رسول! جائز قتل کیا ہے؟'' فرمایا: ''جائز قتل یہ ہے کہ تو اسے ذبح کرکے کھائے۔ ایسا نہ ہو کہ تو اس کا سر کاٹ کر اسے یوں ہی پھینک دے۔''[1]

میں نے اپنے استاذ گرامی شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو فرماتے سنا: ''کھیل تماشے کے لیے چڑیا وغیرہ ذبح کرنا جائز نہیں۔ ہاں کھانے یا صدقہ کرنے کے لیے جائز ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کچھ قریشی نوجوانوں کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے کوئی پرندہ باندھ رکھا تھا اور وہ اس پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ انھوں نے پرندے کے مالک سے طے کیا تھا کہ جو تیر خطا ہو جائے وہ تجھے مل جائے گا۔ جب ان نوجوانوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ فَعَلَ هٰذَا؟ لَعَنَ اللهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا»

''یہ کام کس نے کیا ہے؟ جس شخص نے ایسا کیا اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی ذی روح چیز کو نشانہ

[1] سنن النسائي، الضحايا، باب من قتل عصفورا بغير حقها، حديث:4450، والمستدرك للحاكم:4/233، حديث:7584.

بناتا ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے (ایک طرف) چلے گئے۔ ہم نے چڑیا کے مانند ایک سرخ رنگ کا پرندہ (چنڈول) دیکھا۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ چنڈول آئی تو بچوں کو غائب پا کر پھڑ پھڑانے لگی۔ اتنی دیر میں نبیٔ اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

«مَنْ فَجَّعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا» وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ : «مَنْ حَرَّقَ هٰذِهِ؟» قُلْنَا : نَحْنُ ، قَالَ : «إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»

''کس شخص نے اس کے بچے پکڑ کر اسے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے واپس رکھ کر آؤ۔'' اسی طرح ایک دفعہ نبیٔ کریم ﷺ نے دیکھا کہ لوگوں نے چیونٹیوں کی ایک بستی کو آگ لگا دی ہے۔ آپ نے پوچھا: ''اسے کس نے آگ لگائی ہے؟'' ہمارا جواب تھا: ہم نے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور (کسی کو) آگ کا عذاب دے۔''[2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ ایک گدھے کے پاس سے گزرے۔ اس کے چہرے پر آگ سے نشان لگایا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِي وَسَمَهُ»

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة، حديث: 5515، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: 1958، واللفظ له. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث:2675، وصححه الألباني في صحيح أبي داود:136/2 .

”جس شخص نے اس کے چہرے کو داغا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔“ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور داغ لگانے سے منع فرمایا ہے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ایک دن نبیٔ کریم ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا...... پھر رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب اس اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نبیٔ کریم ﷺ اس کے پاس گئے اور اس کے کانوں کے پیچھے ابھری ہوئی ہڈی پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَّبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟» فَجَاءَ فَتًى مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: لِي يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا، فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ»

”اس کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟“ ایک انصاری نوجوان آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تو اس بے زبان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھے مالک بنایا ہے؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور ہر وقت کام میں جوتے رکھتا ہے۔“ [3]

[1] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه و وسمه فيه، حديث: 2117. [2] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه......، حديث: 2116. [3] سنن أبي داود، الجهاد، باب مايؤمربه من القيام على الدواب والبهائم، حديث:2549، و مسند أحمد:205/1، وصححه الألباني في صحيح سنن أبي داود: 110/2.

رسول اللہ ﷺ کی رحمت و شفقت کے یہ چند نمونے ہیں جو آپ کے دشمنوں، دوستوں، مسلمانوں، کافروں، مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں، انسانوں، حیوانوں، پرندوں اور چیونٹیوں وغیرہ سب کے لیے عام تھی۔ آپ ﷺ ایک بحر ناپیدا کنار تھے جس کا احاطہ ناممکن ہے۔ جب تک سورج چمکے اور دن رات کا الٹ پھیر جاری رہے، اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں اور سلامتی نازل کرتا رہے۔

نبی ﷺ کی رقتِ قلبی

رسول اللہ ﷺ کے ہنسنے اور رونے میں بڑا اعتدال تھا۔ جس طرح آپ قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں تھے اسی طرح آپ بلند آہنگی سے دہاڑیں مار مار کر روتے بھی نہیں تھے۔ غم کی کیفیت طاری ہوتی تو آپ کی چشم مبارک سے آنسو چھلک پڑتے تھے اور سینۂ مبارک سے ہچکیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آپ کا رونا کبھی تو کسی میت پر شفقت کی بنا پر ہوتا تھا، کبھی اپنی امت کے بارے میں خوف کی بنا پر، کبھی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے، کبھی قرآن مجید سننے کے موقع پر۔ درحقیقت یہ رونا شوق و محبت اور تعظیم و احترام کی بنا پر تھا۔[1]

یہاں اس سلسلے میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

1 خوفِ الٰہی سے رونا

آپ رات کی نماز میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے بہت روتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آپ سے پوچھا: ''اللہ کے رسول! آپ کیوں روتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

1 دیکھیے زاد المعاد: 183/1 .

«أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا ، لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَةٌ وَّيْلٌ لِّمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيهَا»

''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آج رات مجھ پر ایک عظیم الشان آیت اتری ہے افسوس اس شخص پر جو اسے پڑھے مگر غور وفکر نہ کرے!''

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ﴾

''بلاشبہ آسمان و زمین کی تخلیق اور دن رات کی گردش میں عقل مند لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔''[1]

2 نماز میں اللہ کے خوف سے رونا

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ کے سینۂ مبارک سے رونے کی وجہ سے ہنڈیا کے جوش مارنے کی طرح آواز آرہی تھی۔[2]

3 قرآن کریم سنتے وقت رونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«اِقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ» قَالَ: فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَقْرَأُ عَلَيْكَ، وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي»

[1] آل عمرٰن: 3:190. صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 2/387، حديث: 620، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 1/147، حديث: 68. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب البكاء في الصلاة، حديث: 904، وسنن النسائي، السهو، باب البكاء في الصلاة، حديث: 1215، والمستدرك للحاكم: 1/264، حديث: 971.

''مجھے قرآن سناؤ۔'' میں نے (بڑے تعجب سے) عرض کی: اللہ کے رسول! بھلا میں آپ کو سناؤں؟ آپ پر تو قرآن اترا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''(ہاں!) میں چاہتا ہوں کسی اور سے (بھی) سنوں۔''

چنانچہ میں نے سورۂ نساء شروع کر دی۔ جب میں اس آیت:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

''پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور آپ (ﷺ) کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟''[1]

تک پہنچا...... تو میں نے اچانک دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔[2]

4 کسی عزیز کی وفات پر رونا

نبیٔ اکرم ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر رو دیے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ بھی روتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ عَوْفٍ! إِنَّهَا رَحْمَةٌ . . . إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَىٰ رَبُّنَا ، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ! لَمَحْزُونُونَ»

''ابنِ عوف! یہ تو رحمت و شفقت ہے...... آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے لیکن ہم زبان سے وہی بات کریں گے جس سے ہمارا رب کریم راضی ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم! ہمیں تیری جدائی کا بڑا غم ہے۔''[3]

[1] النسآء 41:4. [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب من أحب أن يستمع القرآن من غيره، حديث: 5049، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب فضل استماع القرآن ......، حديث: 800. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبيﷺ: [إِنَّا بِكَ

5 بیٹیوں کی وفات پر اشکباری

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کی ایک بیٹی کی وفات پر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«هَلْ مِنْكُمْ رَجلٌ لَّمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟» فَقَالَ أَبُوطَلْحَةَ : أَنَا ، قَالَ : «فَانْزِلْ (فِي قَبْرِهَا)» قَالَ : فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا .

''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات جماع نہ کیا ہو؟'' حضرت ابوطلحہ عرض کرنے لگے: میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''قبر میں اترو۔'' چنانچہ وہ قبر میں اترے اور انھوں نے میت کو دفن کیا۔ [1]

بتایا گیا ہے آپ کی یہ بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیٹی کو تھاما، وہ اپنے سانس پورے کر رہی تھی۔ آپ نے اسے گود میں لیا اور اپنے سامنے لٹا دیا۔ وہ آپ کے سامنے لیٹے لیٹے ہی وفات پا گئی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا چیخنے چلانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَبْكِينَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ؟» فَقَالَتْ : أَلَسْتُ أَرَاكَ تَبْكِي ؟ قَالَ : «إِنِّي لَسْتُ أَبْكِي، إِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلَى كُلِّ حَالٍ ،

لَمَحْزُونُونَ]، حديث: 1303 ، وصحيح مسلم ، الفضائل ، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال......، حديث: 2315 .

1 صحيح البخاري ، الجنائز ، باب قول النبي ﷺ: [يعذب الميت......]، حديث: 1285 .

إِنَّ نَفْسَهُ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنَ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ»

''تو رسول اللہ کے سامنے چیختی چلاتی ہے؟'' وہ کہنے لگیں: آپ بھی تو رو رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''میں چیخ نہیں رہا، میرے آنسو بہانا تو رحمت ہیں۔ مومن ہر حال میں خیر و عافیت سے رہتا ہے حتی کہ جب اس کی روح نکلتی ہے، اس وقت بھی وہ اللہ کی حمد بیان کر رہا ہوتا ہے۔'' [1]

6 ایک نواسے کی وفات پر رونا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبیِ کریم ﷺ کی ایک بیٹی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا لبِ مرگ ہے، آپ تشریف لائیں۔ آپ نے انھیں جوابی سلام بھیجا اور فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»

''جو اللہ تعالیٰ نے لے لیا وہ بھی اللہ کا اور جو اس نے (عارضی طور پر) ہمیں دیا ہے وہ بھی اللہ کا۔ اس کے ہاں ہر چیز کی مدت مقرر ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔''

بیٹی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ پر قسم ڈالی کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ آپ اٹھے، آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، اُبی بن کعب، زید بن ثابت اور کئی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ آپ تشریف لے گئے۔ بچہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا جیسے مشکیزہ ہلانے سے پانی کی آواز آتی ہے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت سعد کہنے لگے: ''اے اللہ

1 مسند أحمد:274/1، والشمائل للترمذي، حديث:324، واللفظ له.

کے رسول! یہ کیا؟'' آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»

''یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحمت کرتا ہے جو لوگوں پر رحم کرتے ہیں۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے:

«هٰذِهِ رَحْمَةٌ يَّضَعُهَا اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»

''یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحمت کرتا ہے جو لوگوں پر رحم کرتے ہیں۔'' [2]

7 نبی کریم ﷺ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر بھی روئے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ عثمان بن مظعون کو چوم رہے تھے جبکہ وہ فوت ہو چکے تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ کے آنسو بہ رہے ہیں۔ [3]

جامع ترمذی میں یہ الفاظ ہیں:

نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ آپ رو بھی رہے تھے یا پھر کہا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ [4]

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: [يعذب الميت......]، حديث: 1284، وصحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث: 923. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾ (الأنعام 6:109)، حديث: 6655. [3] سنن أبي داود، الجنائز، باب في تقبيل الميت، حديث: 3163. [4] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في تقبيل الميت، حديث: 989.

8 رسول اللہ ﷺ جنگ مؤتہ کے شہداء پر آبدیدہ ہوئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر میدانِ جنگ سے اطلاع آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«أَخذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتّٰى أَخذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللهِ حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ»

”زید نے جھنڈا پکڑا تو وہ شہید ہو گیا، پھر جعفر نے تھاما تو وہ بھی شہید ہو گیا، پھر ابن رواحہ نے سنبھالا تو وہ بھی شہید ہو گیا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے حتیٰ کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے لے لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح کا راستہ کھول دیا۔“[1]

9 والدۂ محترمہ کی قبر کی زیارت کرتے ہوئے بھی روئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم ﷺ اپنی والدۂ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں آپ رو دیے حتی کہ حاضرین کو بھی رلا دیا اور آپ نے فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِّي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ»

”میں نے اپنے رب کریم سے والدۂ محترمہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی لیکن مجھے اجازت نہ ملی، پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة......، حديث:4262 .

طلب کی تو اجازت مل گئی، لہٰذا تم بھی قبروں پر جایا کرو یہ تمھیں موت کی یاد دلائیں گی۔'' [1]

10 رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیماری پر بھی روئے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو نبیٔ اکرم ﷺ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو ان کے اہل خانہ ان کے گرد اکٹھے کھڑے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«قَدْ قَضٰی؟»

''کیا سعد فوت ہو گئے؟''

لوگوں نے کہا: نہیں اے اللہ کے رسول! چنانچہ نبی ﷺ رونے لگے۔ جب حاضرین نے آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ اللهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلٰكِنْ يُّعَذِّبُ بِهٰذَا» وَأَشَارَ إِلٰى لِسَانِهِ «أَوْ يَرْحَمُ . . .»

''سنو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوؤں کی بنا پر عذاب نہیں دیتا اور نہ دلی غم پر گرفت کرتا ہے بلکہ (زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اس کی بنا پر عذاب کرتا ہے یا رحم کرتا ہے......۔'' [2]

1 صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبيﷺ ربه في زيارة قبر أمه، حديث: 976.

2 صحيح البخاري، الجنائز، باب البكاء عند المريض، حديث: 1304، وصحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث: 924.

11 نبی ﷺ ایک قبر کے پاس بھی روئے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم ایک جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔ آپ قبر کے کنارے بیٹھ کر اتنا روئے کہ مٹی تر ہوگئی، پھر ارشاد فرمایا:

«يَا إِخْوَانِي ! لِمِثْلِ هٰذَا فَأَعِدُّوا»

''ارے بھائیو! اس جیسے موقع کے لیے تیاری کیا کرو۔''[1]

12 نبی ﷺ بدر کی رات نفل نماز کے دوران میں بہت روئے

میدانِ بدر میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی گریہ وزاری کی۔ رات بھر نوافل پڑھتے اور صبح تک دعا کرتے رہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بدر کے دن مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا ہم میں سے کوئی گھڑ سوار نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! میں نے خود یہ منظر دیکھا کہ ہم سب لوگ سوئے پڑے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صبح تک اسی طرح کھڑے روتے رہے۔''[2]

13 رسول اللہ ﷺ نمازِ کسوف میں بھی روئے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک دن سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پھر آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا یوں لگتا تھا کہ آپ سر نہیں اٹھائیں گے۔ آپ نے آہیں بھریں اور رونے لگے۔'' پھر راوی نے پوری حدیث یوں بیان کی: پھر آپ کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا

[1] سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحزن والبكاء، حديث: 4195، والسلسلة الصحيحة: 344/4، حديث: 1751. [2] صحيح ابن خزيمة: 53/2، حديث: 899، ومسند أحمد: 125/1، حديث: 1023.

کی اور فرمایا:

«. . . عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَجَعَلْتُ أَنْفُخُهَا ، فَخِفْتُ أَنْ تَغْشَاكُمْ فَجَعَلْتُ أَقُولُ : رَبِّ! أَلَمْ تَعِدْنِي أَلَّا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ . . . »

''......مجھ پر آگ پیش کی گئی۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں وہ آگ تمھیں نہ ڈھانپ لے۔ میں جلدی جلدی پھونکیں مارنے لگا اور کہنے لگا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا کہ تو میری امت کو عذاب نہیں دے گا جبکہ میں ان میں موجود ہوں؟''[1]

14 رسول اللہ ﷺ جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی بنا پر بھی روئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا: جب مسلمانوں نے جنگ بدر میں قیدی بنا لیے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا:

«مَا تَرَوْنَ فِي هٰؤُلَاءِ؟»

''ان کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟''

حضرت ابوبکر کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے چچازاد اور ہمارا ہی قوم قبیلہ ہیں۔ میرا خیال ہے آپ ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیجیے۔ اس طرح ہمیں کفار کے خلاف قوت بھی حاصل ہو جائے گی، نیز ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرما دے، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«مَا تَرٰى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟»

1 صحيح ابن خزيمة: 53/2، حديث: 901، و 322/2، حديث: 1392.

''ابن خطاب! تمھاری کیا رائے ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! میری رائے ابوبکر رضی اللہ عنہ والی نہیں بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ علی سے فرمائیں وہ عقیل کی گردن اڑائے اور میرا رشتہ دار میرے سپرد کریں، میں اس کی گردن اڑاتا ہوں۔ یہ لوگ کفر کے سردار ہیں۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی اور میری رائے کو مناسب نہ سمجھا۔ لیکن اگلے دن جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! فرمایئے آپ اور آپ کا دوست کس بنا پر رو رہے ہیں؟ تاکہ اگر میں رو سکوں تو روؤں ورنہ روتا منہ ہی بنا لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ أَدْنٰى مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

''میں اس رائے کی بنا پر رو رہا ہوں جو تیرے ساتھیوں نے فدیے کے فیصلے کے سلسلے میں پیش کی تھی۔ اللہ کی قسم! مجھے ان کا عذاب اس درخت سے بھی قریب دکھایا گیا۔''

وہاں قریب ہی ایک درخت تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ﴾

''کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان دنیا

چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا، چنانچہ جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، اس میں سے کھاؤ۔'' [1]

ان آیات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے غنیمت حلال کر دی۔ [2]

15 نبیٔ کریم ﷺ اپنی امت کی ہمدردی پر روئے

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن میں منقول دعا پڑھی:

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''رب کریم! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے، لہٰذا جو شخص میری پیروی کرے گا وہ میرا (امتی) ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تو غفور (اور) رحیم ہے۔'' [3]

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول یہ الفاظ بھی پڑھے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾

''(رب کریم!) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے دست بستہ بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو بے شک تو ہی غالب اور خوب حکمت والا ہے۔'' [4]

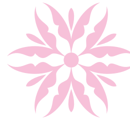
[1] الأنفال 8:67-69. [2] صحيح مسلم، الجهاد، باب الإمداد بالملائكة......، حديث: 1763. [3] إبراهيم 14:36. [4] المائدة 5:118.

پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

[أَللّٰهُمَّ ! أُمَّتِي ، أُمَّتِي]

''اے اللہ! ''میری امت پر رحم فرما، میری امت پر رحم فرما۔''

یہ دعا کرتے ہوئے آپ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جبریل! محمد کے پاس جاؤ، اگرچہ تمھارے رب کو خوب علم ہے، ان سے پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ سے پوچھا۔ آپ نے انھیں پوری بات بتائی، حالانکہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جبریل! محمد سے جا کر کہو: فکر مند نہ ہوں۔ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔''[1]



[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب دعاء النبي ﷺ لأمته……، حديث:202 .

باب:6

بچوں پر شفقت اور ان سے خوش طبعی

زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ ﷺ انسانی کمالات کے نقطۂ عروج کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کے ان اخلاق عالیہ میں سے ایک عظیم خلق بچوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اس میں آپ بے مثال تھے۔ کوئی شخص آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، چاہے وہ ماہر نفسیات ہو یا کوئی اور۔ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق نبیٔ کریم ﷺ کی پوری پوری پیروی کرے۔ بطورِ مثال مفید واقعات اختصار کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں:

محمود بن ربیع سے خوش طبعی

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے بخوبی یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر ایک ڈول سے پانی لے کر کلی کی تھی۔ اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل خوش طبعی پر بھی محمول ہو سکتا ہے اور تبرک عطا کرنے پر بھی جو صحابہ کے بچوں کے ساتھ آپ کا معمول تھا۔[2]

1 صحيح البخاري، العلم، باب متٰى يصح سماع الصغير؟ حديث: 77، وصحيح مسلم، المساجد، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، حديث: 657.

2 فتح الباري: 172/1.

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایسا خوش طبعی اور حسنِ خلق کی بنا پر تھا۔''[1]

بچوں کے ایک گروہ کے ساتھ خوش طبعی

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ اپنے گھر چلے۔ میں بھی ساتھ ساتھ چل پڑا۔ آگے چند بچے ملے، آپ ان میں سے ہر ایک کے ایک ایک رخسار پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ آپ نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھرا۔ مجھے آپ کے مبارک ہاتھوں کی ٹھنڈک بھی محسوس ہوئی اور خوشبو بھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے آپ کا دست مبارک عطر فروش کی صندوقچی سے نکلا ہو۔''[2]

حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے لاڈ پیار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما، وہاں اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حیرت سے دیکھا، پھر فرمایا:

«مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ»

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک اعرابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: آپ اپنے بچوں کو چومتے ہیں، ہم تو انھیں کبھی نہیں چومتے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی یہ تقریر صحیح بخاری کی حدیث: 77 کی تشریح میں، میں نے خود سنی ہے۔ (مؤلف)
2 صحيح مسلم، الفضائل، باب طيب ريحه ولين مسه......، حديث: 2329. 3 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: 5997.

«أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَّزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ»

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت ہی نکال لی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''[1]

ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میں تو تیرے دل میں زبردستی محبت و شفقت نہیں ٹھونس سکتا۔[2]

حسن و حسین رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارے اور محبوب تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»

''یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔''[3]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ (پھول سے نواسے) عطا فرمائے ہیں۔ پھول اس لیے فرمایا کہ اولاد کو پھولوں کی طرح سونگھا اور چوما جاتا ہے۔ [مِنَ الدُّنْيَا] سے مراد یہ ہے کہ یہ میری دنیوی راحت و سکون کا سبب ہیں۔[4]

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے ایک جانب بیٹھے تھے۔ آپ ایک بار لوگوں کو دیکھتے اور ایک بار انھیں۔ اور فرماتے تھے:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَّلَعَلَّ اللهُ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''میرا یہ بیٹا (نواسا) سردار بنے گا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے

1 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله……، حديث:5998، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال……، حديث: 2317. 2 فتح الباري: 430/10. 3 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله……، حديث:5994. 4 فتح الباري:427/10.

مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔‘‘[1]

امر واقع بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کے مابین صلح کرائی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح مسلمان خون ریزی سے محفوظ رہے۔[2]

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ حسن بن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر بیٹھے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ»

’’اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔‘‘[3]

سجدے کی حالت میں آپ کی پشت پر بچے کا سوار ہونا

حضرت شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر میں سے کوئی ایک نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے حسن یا حسین کو اٹھا رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کے لیے آگے بڑھے اور انھیں بٹھا دیا، پھر آپ نماز پڑھانے لگے۔ آپ نے نماز کے دوران میں ایک سجدہ بہت لمبا کر دیا۔ حضرت شداد کہتے ہیں: میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ بچہ آپ کی پشت پر بیٹھا تھا اور آپ سجدے کی حالت میں تھے، چنانچہ میں دوبارہ سجدے میں چلا گیا۔ جب آپ نے نماز مکمل کی تو لوگوں نے عرض کی: ’’اے اللہ کے رسول! آپ نے دوران نماز ایک سجدہ اتنا لمبا کیا کہ ہم نے سمجھا کوئی حادثہ ہو گیا ہے یا آپ پر وحی اتر رہی ہے۔‘‘ آپ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي رضي الله عنهما: [إن ابني هذا سيد ......]، حديث:2704. [2] دیکھیے فتح الباري:307/5، تحت الحديث:2704. [3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث:3749.

«كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ وَّلٰكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ»

''یہ دونوں باتیں نہ تھیں بلکہ میرا یہ بیٹا میری پشت پر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اس کا جی بھرنے سے پہلے اسے اتار دوں۔'' [1]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اٹھا کر ایک ران پر بٹھا لیتے اور حضرت حسن کو دوسری ران پر، پھر ہم دونوں کو محبت سے اپنے بدن مبارک سے چمٹا لیتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا»

''اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں ان دونوں سے بہت محبت و شفقت رکھتا ہوں۔'' [2]

اور ایک روایت میں یوں ہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا»

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔'' [3]

نماز کی حالت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کو اٹھانا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے اور

[1] سنن النسائي، الصلاة، باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة، حديث: 1142، و مسند أحمد: 493/3. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ، حديث: 6003. [3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: 3747.

آپ نے اپنی نواسی (زینب کی بیٹی) امامہ بنت ابی العاص کو اٹھا رکھا تھا۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو اسے اتار دیتے، جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے۔ [1]

ام خالد سے حبشی زبان میں خوش طبعی

حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: میں اپنے والد محترم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے زرد قمیص پہن رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سَنَہْ سَنَہْ راوی حدیث عبداللہ فرماتے ہیں: حبشی زبان میں اس کے معنی ہیں: خوبصورت۔ وہ فرماتی ہیں: میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی تو مجھے میرے والد نے ڈانٹا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهَا» ثُمَّ قَالَ: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي»

''اسے کھیلنے دو۔'' پھر مجھے دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کرے تو ان کپڑوں کو دیر تک پہنے اور پرانا کرے، پھر پہنے اور پرانا کرے، پھر پہنے اور پرانا کرے۔''

راوی حدیث عبداللہ فرماتے ہیں: ام خالد اتنی دیر تک زندہ رہیں کہ مشہور ہو گئیں۔ [2]

بتایا گیا ہے کہ کسی خاتون کی عمر ام خالد رضی اللہ عنہا جتنی نہیں ہوئی۔ [3]

بچے کے رونے پر نماز مختصر کر دی

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اگر نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة......، حديث: 516، وصحيح مسلم، المساجد......، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة......، حديث: 543. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من تكلم بالفارسية والرطانة......، حديث: 3071. [3] فتح الباري: 1/184.

تو اس بچے اور اس کی والدہ پر شفقت فرماتے ہوئے نماز مختصر کر دیتے تھے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي ، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»

''میں کبھی نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ میں لمبی قراءت کروں۔ اتنے میں مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں تاکہ اس کی ماں کو پریشانی نہ ہو۔''[1]

بچوں کو سلام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''[2]

ابو عمیر کی دلجوئی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خوش خلق انسان تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کا نام ابو عمیر تھا۔ (راوی کہتا ہے) میرا خیال ہے اس کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا۔ جب آپ ہمارے گھر تشریف لاتے تو فرماتے:

«يَا أَبَا عُمَيْرٍ ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟»

''ابو عمیر! کدھر گیا تیرا نُغَیر (بلبل؟)''[3]

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، حديث: 707.
[2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: 6247، و صحيح مسلم، الآداب، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الكنية للصبي وقبل أن يولد للرّجل، حديث: 6203.

یہ بچہ اس پرندے سے کھیلا کرتا۔ اتفاقاً پرندہ مر گیا، نبئ کریم ﷺ نے بچے کو غمگین دیکھا تو خوش طبعی کے طور پر یہ بات فرمانے لگے۔ [1]

دائیں طرف بیٹھے ہوئے بچوں کو بڑوں سے پہلے عطیہ دینا

نبئ کریم ﷺ نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک چھوٹے بچے کو بزرگوں سے پہلے مشروب عطا فرمایا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبئ کریم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ نے اس سے کچھ پی لیا۔ آپ کے دائیں طرف لوگوں میں سے کم عمر ایک لڑکا بیٹھا تھا جبکہ بڑی عمر کے لوگ بائیں جانب تھے۔ آپ نے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ؟»

''لڑکے! تو اجازت دیتا ہے کہ میں یہ (مشروب) بڑوں کو دے دوں؟''

وہ لڑکا کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں تو آپ کے عطیے پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ نے پیالہ اسے پکڑا دیا۔ [2]

ایک دوسری روایت میں ہے:

«أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ»

''کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں یہ (مشروب) انھیں دے دوں؟''

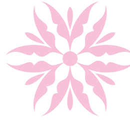
لڑکا کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں آپ سے حاصل ہونے والے اپنے حصہ کے بارے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پیالہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ [3]

[1] فتح الباري: 583/10 . [2] صحيح البخاري، المساقاة، باب من رأى صدقة الماء وهبته ووصيته جائزة......، حديث:2351 . [3] صحيح البخاري، المظالم، باب إذا أذن له أو أحلّه ولم يبيِّن كم هو؟ حديث :2451 .

بچوں کا آپ کی گود میں پیشاب کر دینا

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں اپنے ایک دودھ پیتے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی۔ بچے نے ابھی روٹی کھانا شروع نہ کی تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے لباس پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوا کر پیشاب پر چھینٹے مارے، کپڑے کو نہیں دھویا۔ [1]

اس کے علاوہ بھی ایسے بہت سے واقعات ہیں۔



[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب بول الصبيان، حديث: 223.

باب:7

نبیٔ کریم ﷺ کا حسنِ خلق

حسن خلق کی ترغیب

نبیٔ کریم ﷺ کے حسن خلق کی وجہ سے بے شمار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کوئی آپ کی سخاوت و بخشش کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا، کوئی عفو و درگزر کو دیکھ کر، کوئی آپ کے تحمل و بردباری کی وجہ سے یا آپ کے صبر و استقامت کی وجہ سے، کوئی آپ کی نرمی اور تواضع کے نتیجے میں یا آپ کے عدل و رحمت اور احسان کے نتیجے میں یا کوئی آپ کی قوت و بہادری کے باعث۔ نبیٔ کریم ﷺ نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں حسنِ خلق کی ترغیب دلائی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

① ایک مسلمان کی زندگی میں عموماً اور داعیٔ اسلام کی زندگی میں خصوصاً حسن خلق ایمان کا عظیم ترین رابطہ ہے اور سب سے اعلیٰ درجہ شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

’’سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ مومن ہے جو ان میں سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔‘‘[1]

[1] سنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان و نقصانه، حديث:4682، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث:1162.

② انفرادی خوبی کے علاوہ حسن خلق معاشرے کی اجتماعی ضرورت بھی ہے۔ یہ انتہائی اہم وصف ہے جو تمام داعیانِ اسلام کے لیے لازم ہے کیونکہ جو شخص اس خصوصیت سے بہرہ ور ہے وہ نبیٔ کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ قیامت کے دن آپ کے سب سے زیادہ قریب جگہ پائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِّنِّي مَجْلِسًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا»

”تم سب میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہیں۔“ [1]

③ حسن خلق مسلمان کو بہترین انسان بناتا ہے اور اس خوبی کے بغیر کوئی شخص اچھا انسان نہیں بن سکتا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا»

”تم میں سے افضل لوگ وہ ہیں جو اخلاق میں بہترین ہیں۔“ [2]

شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے:

إِنَّمَا الْأُمَمُ الْأَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ

فَإِنْ هُمْ ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوا

”امتوں کا وجود اخلاق حسنہ سے ہے اگر اخلاق ختم ہو گئے تو امتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔“

④ حسن خلق بہت بڑی عبادت اور اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے۔ داعیٔ حق کے لیے تو یہ

1 جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معالي الأخلاق، حديث: 2018 .

2 صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3559، وصحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه، حديث: 2321 .

بات شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ خود بھی اخلاقِ عالیہ کا جیتا جاگتا نمونہ بنے اور لوگوں کو بھی اخلاقِ حسنہ کی دعوت دے۔ اسی طرح وہ عظیم ثواب سے بہرہ ور ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ»

''قیامت کے دن مومن کے ترازو میں کوئی چیز حسن خلق سے وزنی نہیں ہوگی۔''[1]

نیز فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ»

''مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور قیام کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''[2]

نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَمَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ مِنَ الدُّنْيَا : حِفْظُ أَمَانَةٍ، وَّصِدْقُ حَدِيثٍ، وَّحُسْنُ خَلِيقَةٍ، وَّعِفَّةٌ فِي طُعْمَةٍ»

''اگر تجھ میں چار خصلتیں موجود ہوں تو کسی اور دنیوی چیز کا تیرے پاس نہ ہونا تیرے لیے چنداں نقصان دہ نہیں: ① امانت کی حفاظت، ② سچائی، ③ حسن خلق ④ اور حلال رزق۔''[3]

اس حسن خلق کی برکت سے انسان ہر قسم کی خیر و برکت حاصل کر لیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

1 سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث:4799، و جامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث:2002، واللفظ له. 2 سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث:4798. 3 مسند أحمد:177/2.

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»

''کامل نیکی حسن خلق ہے۔''[1]

⑤ حسن خلق رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے لیے عمومی اور داعیانِ حق کے لیے خصوصی وصیت ہے۔ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم، قاضی اور داعی الی اللہ بنا کر بھیجا تو انھیں تاکید فرمائی:

«وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

''لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔''[2]

⑥ حسن خلق انتہائی اہم چیز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ کریم ﷺ کو اس کا خصوصی حکم دیا ہے، اسی نادر وصف کی وجہ سے آپ کی تعریف فرمائی ہے اور آپ کی عظمتِ شان کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾

''آپ (ان سے) درگزر کیجیے، نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔''[3]

نیز فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

''بلاشبہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی نسبت خود فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ»

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث: 2553. [2] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معاشرة الناس، حديث: 1987. [3] الأعراف 7:199. [4] القلم 68:4.

''مجھے تو صرف اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

«فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ»

''یقیناً اللہ کے نبی ﷺ کا خلق عین قرآن تھا۔''[2]

⑦ حسن خلق لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ وصف مسلمانوں کو ہدایت اور استقامت عطا کرتا ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آپ تمام حالات میں دعوتِ حق کے مواقع پر حسن خلق پر کاربند رہتے تھے۔ اسی اچھے اخلاق کا نتیجہ تھا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے بعد آپ کے حسن خلق نے دلوں کو مسخر کر لیا۔

کتنے ہی لوگ آپ کے اخلاق حسنہ سے متأثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ ایک شخص مسلمان ہوتا ہے اور کہتا ہے:

«وَاللهِ! مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ كُلِّهَا إِلَيَّ»

''(اے اللہ کے رسول!) اللہ کی قسم! مجھے اس سے قبل روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا۔ مگر اب آپ کا چہرۂ انور مجھے روئے زمین کے تمام چہروں سے زیادہ پسند اور محبوب ہو گیا ہے۔''[3]

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 192/10، ومسند أحمد: 381/2، والمستدرك للحاكم: 613/2، نیز دیکھیے السلسلة الصحيحة: 112/1، حديث: 45. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب جامع صلاة الليل، حديث: 746. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة......، حديث: 4372، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب ربط الأسير ◄

دوسرا شخص آپ کے عفو ودرگزر سے متأثر ہوکر کہتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا أَحَدًا»

''اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی دوسرے پر رحم نہ فرما۔''[1]

لیکن نبی ﷺ نے اسے اللہ کی وسیع رحمت کو محدود کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

«لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا»

''(اللہ کے بندے!) تو نے تو ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے۔''[2]

ایک تیسرا شخص کہتا ہے:

«فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي! مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِّنْهُ»

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! میں نے آپ سے پہلے یا بعد آپ سے اچھا تعلیم دینے والا معلم کبھی نہیں دیکھا۔''[3]

چوتھا کہتا ہے:

«يَا قَوْمِ! أَسْلِمُوا فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ يُعْطِي عَطَاءً لَّا يَخْشَى الْفَقْرَ»

''اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ تو اتنی فیاضی اور فراخدلی سے عطا کرتے ہیں جیسے انھیں فقر وفاقہ کا کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔''[4]

ایک پانچواں شخص کہتا ہے:

وحبسه……، حديث: 1764، واللفظ له.

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6010. [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، حديث: 380. [3] صحيح مسلم، المساجد……، باب تحريم الكلام في الصلاة……، حديث: 537. [4] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2312.

«وَاللهِ! لَقَدْ أَعْطَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا أَعْطَانِي، وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَيَّ، فَمَا بَرِحَ يُعْطِينِي حَتّٰى إِنَّهُ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ»

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس قدر عطیات دیے کہ آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ ناپسند تھے مگر پھر آپ دیتے ہی رہے حتی کہ اب آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔'' [1]

ایک چھٹا شخص جسے نبیٔ کریم ﷺ نے معاف کر دیا تھا، کہتا ہے:

«جِئْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ»

''میں تمھارے پاس ایک بڑی عظمت مآب شخصیت سے ہو کر آیا ہوں۔'' [2]

پھر وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اور اس کی قوم کے بہت سے افراد مسلمان ہو جاتے ہیں۔'' [3]

اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔

⑧ حسن خلق ہر مسلمان، خصوصاً ہر مخلص داعیٔ حق کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ اسی کی برکت سے وہ نجات پاتا ہے اور اپنے تمام معاملات میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اسی اہمیت کی بنا پر وہ رب کریم سے حسن خلق اور ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کیا کرتے تھے:

«وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ»

---

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2313. [2] المستدرك للحاكم: 29/3، حديث: 4322، وصحيح ابن حبان: 138/7، حديث: 2883، ومسند أحمد: 390/3. [3] دیکھیے فتح الباري: 428/7.

''(اے اللہ!) مجھے اچھے اور اعلیٰ اخلاق عطا کر کیونکہ تیرے سوا کوئی اچھے اور اعلیٰ اخلاق عطا نہیں کر سکتا۔''[1]

نیز آپ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللَّهُمَّ! كَمَا أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي»

''اے اللہ! جیسے تو نے میری شکل و صورت اچھی بنائی ہے اس طرح میرے اخلاق بھی اچھے بنا دے۔''[2]

9 حسن خلق انسان کو سب لوگوں حتی کہ دشمنوں کے نزدیک بھی محبوب بنا دیتا ہے اور اس کی برکت سے انسان سب لوگوں کو خوش کر سکتا ہے۔ ایسا شخص جس کے ساتھ بھی اٹھے بیٹھے گا وہ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اس طرح ایک داعیٔ حق کے لیے اپنی دعوت کو پھیلانا آسان ہو جائے گا کیونکہ داعیانِ حق مال کے ذریعے سے تو لوگوں کو خوش کرنے سے رہے، ہاں! وہ خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے لوگوں کو ضرور متاثر کر سکتے ہیں۔

10 اگر کوئی داعیٔ حق حسن خلق سے خالی ہو تو لوگ اس کی دعوت سے متنفر ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اس کے علم اور تجربے سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ لوگ کسی ایسے شخص سے مستفید نہیں ہوتے جو ان پر زبان درازی کرتا ہے یا ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اگرچہ اس کی بات حق اور سچ ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نبیٔ کریم ﷺ سے فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں۔

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين……، باب صلاة النبي ﷺ و……، حديث: 771.

2 مسند أحمد: 68/6، ومسند أبي داود الطيالسي: 291/1، واللفظ له.

اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے بھاگ جاتے، لہٰذا آپ ان سے درگزر کیجیے، ان کے لیے استغفار کیجیے اور (انتظامی معاملات میں) ان سے مشورہ کیجیے۔‘‘ [1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

’’آپ اپنی پیروی کرنے والے مومنین کے لیے اپنا پہلو جھکا لیجیے۔‘‘ [2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

’’(لوگو!) بلاشبہ تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ چکا ہے جس پر تمھاری مشقت اور تکلیف شاق گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کا بڑا آرزومند ہے اور مومنین کے لیے نہایت رحیم و شفیق ہے۔‘‘ [3]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

’’یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا وہ انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ (نفس) کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘ [4]

نیز فرمایا:

[1] آل عمرٰن 3:159 ۔ [2] الشعرآء 26:215 ۔ [3] التوبۃ 9:128 ۔ [4] آل عمرٰن 3:164 ۔

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝﴾

’’اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔‘‘ [1]

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں۔‘‘ [2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ‏ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا۝ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلًا كَبِيۡرًا۝﴾

’’نبیٔ کریم! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا، (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ایمان والوں کو خوشخبری دیجیے کہ بے شک ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔‘‘ [3]

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر داعیٔ حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا مقتدیٰ اور امام بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ؕ۝﴾

’’بلاشبہ تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص

[1] الأنبيآء 107:21 . [2] الفتح 29:48 . [3] الأحزاب 33:45-47 .

کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔'' [1]

⑪ اس امت کی اصلاح، ہدایت اور نشأۃِ ثانیہ اس وقت تک صحیح طریقے سے نہیں ہوسکتی جب تک اس چشمۂ صافی سے فیض حاصل نہ کیا جائے، تحریف شدہ خیالات وتصورات ترک نہ کیے جائیں، داعیانِ حق حسن خلق سے متصف نہ ہوں، لوگوں کو صرف اسی چشمۂ صافی کی طرف دعوت اور اسی کو اپنی ذات پر نافذ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جو تم کرتے نہیں۔'' [2]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عمل سے پہلے علم حاصل کرنے کا اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے سے پہلے عمل کا حکم دیا ہے:

﴿فَٱعْلَمْ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ وَٱسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۗ﴾

''پس (اے نبی!) آپ یقین کر لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اپنے اور مومنین مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش طلب کیجیے۔'' [3]

نیز فرمایا:

﴿وَٱلْعَصْرِ ۝ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ۝﴾

''قسم ہے زمانے کی! یقیناً انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

[1] الأحزاب 21:33 . [2] الصف 3,2:61 . [3] محمد 19:47 .

اور انھوں نے نیک کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔‘‘ [1]

اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے عمل کو دعوت سے مقدم بیان کیا ہے۔

⑫ دعوت کے دوران میں حسن خلق داعی کو روشن دل بنا دیتا ہے، اس کے حواس کھول دیتا ہے جس سے اسے حق کے مقامات صاف نظر آنے لگتے ہیں اور اسے دعوت کے دوران میں ان صحیح ذرائع اور درست اسالیب کا پتہ چل جاتا ہے جو حالات و اشخاص کے مطابق ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○﴾

’’اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمھارے لیے کسوٹی (دلیل حق) بنا دے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔‘‘ [2]

⑬ دعوت میں حسن خلق آگ سے نجات اور جنت میں اعلیٰ درجات کے حصول کا سبب بنتا ہے اور اللہ عزوجل کی رضا کے ساتھ ساتھ یہی مومن کا مقصود و مطلوب ہے۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے پوچھا:

«مَا تَقُولُ فِي الصَّلَاةِ؟» قَالَ: أَتَشَهَّدُ، ثُمَّ أَسْأَلُ اللهَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِهِ مِنَ النَّارِ أَمَا وَاللهِ! مَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ، قَالَ: «حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ»

[1] العصر 103:1-3. [2] الأنفال 8:29.

''تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں تشہد پڑھتا ہوں، پھر میں اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی گنگناہٹ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا (آپ اور معاذ کیا دعا مانگتے ہیں؟) نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم بھی ان (جنت وجہنم) کے گرد ہی گنگناتے ہیں۔'' (جنت کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔) [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی رضا کے حصول کے بعد تمام اقوال وافعال اور عقائد واعمال کا مقصود ومطلوب جنت کا حصول اور آگ سے نجات ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حسن خلق والے شخص کو جنت کے بلندترین حصے میں گھر ملنے کی ضمانت دی ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَّبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَّبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ»

''میں اس شخص کو جنت کے کنارے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اور اس شخص کو جنت کے درمیان ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو مذاق ومزاح میں بھی جھوٹ نہ بولے اور جو حسنِ خلق سے متصف ہو اسے جنت کے بلندترین حصے میں گھر کی ضمانت دیتا ہوں۔'' [2]

⑭ حسن خلق ان بہت سے اعمال میں سے ایک عمل ہے جن کے ذریعے سے مسلمان جنت میں داخل ہوں گے، نبیٔ اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ عمل کیا ہے جس کی بدولت

1 سنن أبي داود، الصلاة، باب تخفيف الصلاة، حديث: 792، و سنن ابن ماجه، الدعاء، باب الجوامع من الدعاء، حديث: 3847، واللفظ له. 2 سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث:4800.

لوگ بکثرت جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:

«تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ»

’’اللہ کا ڈر اور حسنِ خلق۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ آگ ہر عاجز طبع اور نرم مزاج شخص پر حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ ، أَوَ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلٰى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ»

’’میں تمھیں بتاؤں کہ کون سا شخص آگ پر حرام ہے یا کس شخص پر آگ حرام ہے؟ ہر وہ شخص جو لوگوں سے قریب ہو، عاجز طبع اور نرم مزاج ہو۔‘‘ [2]

اخلاقِ حسنہ کی پابندی

حسن خلق اس قدر وسیع موضوع ہے کہ اس کے زُمرے میں تحمل و بردباری، سخاوت و بخشش، عفو ودرگزر، نرمی وشفقت، صبر وعزیمت، مضبوطی وثابت قدمی، عدل وانصاف، سچائی ونیکی، وفاداری و ایثار، رحمت و پاکبازی، کسرِ نفسی اور زہد، عقل مندی اور چستی، آزادی و جوانمردی، جرأت و بہادری اور امانت و اخلاص جیسی سبھی صفات شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت کے دوران میں ان تمام اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔

باقی رہا وہ خلق عظیم جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کی مدح وستائش فرمائی ہے تو درحقیقت اس سے مراد مکمل دین ہے۔ حسن خلق تو صرف اس کا ایک جزو ہے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان فرمایا ہے۔ [3]

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث:2004. [2] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب فضل كل قريب هين سهل، حديث:2488. [3] مجموع

امام ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "مدارج السالکین" میں فرماتے ہیں: "حسن خلق کے چار اساسی ارکان ہیں، ان کے بغیر یہ قائم نہیں رہ سکتا: ① صبر، ② عفت و پاکبازی، ③ بہادری ④ اور عدل وانصاف۔ تمام اخلاق فاضلہ انھی چار اوصاف سے جنم لیتے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ زندگی بھر انھی صفاتِ عالیہ کے قائل اور عامل رہے۔



فتاوٰی ابن تیمیة: 127/7 .

[1] مدارج السالکین: 312/2 .

باب:8

جود وسخا کے پیکر

جود وسخا ایک عظیم خلق ہے۔ اس کے دس مرتبے ہیں:

① جان کی سخاوت: یہ سخاوت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

② سرداری کی سخاوت: سخی کو اس کی سخاوت مجبور کرتی ہے کہ ضرورت پڑے تو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لیے اپنا پندارِ سرداری بھی قربان کر دے۔

③ آرام کی سخاوت (قربانی): یعنی لوگوں کے مفاد و مصالح میں مصروفیت کی بنا پر اپنا آرام بھی تج دے۔

④ علم کی سخاوت: یہ بھی سخاوت کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور یہ مالی سخاوت سے بلند تر چیز ہے۔

⑤ اپنے اثر ورسوخ کی سخاوت: مثلاً کسی کی سفارش کی جائے۔

⑥ جسمانی نفع کی سخاوت: اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: لوگوں کے درمیان انصاف کرنا، جانور قابو کرنے میں کسی کی مدد کر دینا، کسی کو سواری پر سوار ہونے میں مدد دینا یا اس کا سامان سواری پر لاد دینا اور کسی سے اچھی بات کرنا۔ یہ سب نیکی کے کام ہیں اور بدنی سخاوت کے زُمرے میں آتے ہیں۔

⑦ اپنی عزت کی سخاوت: مثلاً: کسی غیبت کرنے والے، گالی دینے والے یا بے عزتی کرنے والے کو معاف کر دینا جس کا مظاہرہ حضرت ابو ضمضم نے کیا تھا۔[1]

[1] دیکھیے سنن أبي داود، الأدب، باب ماجاء في الرجل يحل الرجل قد اغتابه، حديث: 4886 .

⑧ صبر و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی سخاوت: یہ سخاوت مالی سخاوت سے زیادہ مفید اور بلند پایہ ہے۔

⑨ حسن خلق، چہرے کی مسکراہٹ اور خندہ پیشانی کی سخاوت: یہ صبر والی سخاوت سے بھی زیادہ وقیع ہے۔

⑩ لوگوں کے مال کی طمع نہ رکھنے کی سخاوت کہ کسی کے مال کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔

یاد رہے کہ سخاوت کے ہر مرتبے کا خصوصی مقام ہے اور اس کا دل میں خاص اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم سخی کو مزید دیں گے اور کنجوس کا اصل مال بھی ضائع کر دیں گے۔[1] واللّٰہ المستعان.

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں جود و کرم کے تمام پہلو بدرجہ اتم جلوہ نما تھے اور ان میں مالی سخاوت بھی شامل ہے۔ یہاں آپ کی مالی سخاوت کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں جو عظمت اور اخلاقِ عالیہ کی اعلیٰ مثال ہیں:

مالی سخاوت کی ایک عظیم مثال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب بھی رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے نام پر کوئی چیز مانگی گئی تو وہ آپ نے ضرور مہیا فرمائی۔ آپ کی خدمت میں ایک آدمی آیا، آپ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں سے بھری ہوئی پوری وادی عطا کر دی۔ وہ اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگا: ”لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد ﷺ تو دیتے وقت فقر و فاقہ سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔“[2]

یہ عظیم واقعہ آپ کی بے مثال سخاوت و فیاضی کی نادر دلیل ہے۔[3]

[1] دیکھیے مدارج السالکین: 297/2. [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حدیث: 2312. [3] دیکھیے صحیح البخاري، بدء الوحي، حدیث:6، وکتاب الأدب، ◄◄

رسول اللہ ﷺ کی جود وسخا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے، لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور نو مسلموں کی تالیف قلب کے لیے ہوتی تھی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص شروع میں تو دنیا کی خاطر اسلام قبول کرتا تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ کے فضل، رسول اللہ ﷺ کی سخاوت اور نورِ اسلام سے متأثر ہو کر تھوڑے ہی عرصے میں اس کا دل اسلام و ایمان کا گہوارہ بن جاتا تھا اور پھر وہ اسلام کا ایسا شیدائی بنتا تھا کہ دنیا کی اس کی نظروں میں کوئی وقعت ہی باقی نہ رہتی۔ [1]

سخاوت کی ایک اور روشن مثال

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر وادیٔ حنین تشریف لے گئے۔ وہاں زبردست لڑائی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح حاصل ہوئی۔ اس دن آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو 100 بکریاں دیں، پھر اور سو اور پھر مزید سو۔ صفوان کہتے تھے: ''اللہ کی قسم! جب آپ نے مجھے مال دینا شروع کیا تو اس وقت آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ ناپسند تھے۔ مگر آپ مجھے دیتے رہے، دیتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔'' [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بہت دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شخص دنیوی مال ومتاع کی خاطر اسلام قبول کرتا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد اسے اسلام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہو جاتا تھا۔'' [3]

باب حسن الخلق والسخاء ……، حدیث: 6034، وکتاب الرقاق، حدیث: 6445، وکتاب الکفالۃ، حدیث: 2296، وصحیح مسلم، الفضائل، باب فی سخائہ ﷺ، حدیث: 2311-2314، و کتاب الزکاۃ، حدیث: 1056-1058 وغیرہ۔

[1] دیکھیے شرح النووي: 72/15. [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ،

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی کمزور ایمان والے شخص کو دیکھتے تو اس کو بڑے بڑے عطیے دینا شروع کر دیتے اور ارشاد فرماتے:

«إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ»

''میں ایک شخص کو عطیات دیتا ہوں، حالانکہ دوسرے لوگ (اپنے ایمان کی وجہ سے) مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں مگر میں اسے اس لیے دیتا ہوں کہ کہیں وہ منہ کے بل آگ میں نہ گر پڑے (مرتد نہ ہو جائے۔)''[1]

اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے:

«فَطَفِقَ يُعْطِي رِجَالاً مِّنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ»

''(حنین کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ قریش کے بعض سرداروں کو سو سو اونٹ دینے لگے۔''[2]

مشرک خاتون سے حسن سلوک

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی ایک عظیم مثال ایک مشرک عورت کے ساتھ آپ کا حسن سلوک ہے۔ وہ پانی کے دو مشکیزے بھر کر لا رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی صحابہ کو پلایا مگر اعجازی طور پر اس کے مشکیزے پہلے سے بھی زیادہ پانی سے لبریز ہو گئے، پھر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

حديث: 2313 . [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2312 .

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط﴾ ، حديث: 1478، و صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة...... ، حديث: 1058 . [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم، حديث: 3147 .

«اِجْمَعُوا لَهَا»

"بھئی! اس کے لیے کچھ جمع کرو۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے کافی تعداد میں عجوہ کھجوریں، آٹا اور ستو جمع کیے۔ یہ ڈھیر سارا سامان بن گیا۔ اس عورت کو نہایت احترام سے اونٹ پر سوار کرایا اور یہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھ کر گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے فرمایا:

«اِذْهَبِي فَأَطْعِمِي هٰذَا عِيَالَكِ، تَعْلَمِينَ وَاللهِ! مَا رَزَأْنَاكِ مِنْ مَّائِكِ شَيْئًا، وَّلٰكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِى أَسْقَانَا»

"اب تو اپنے گھر چلی جا اور یہ چیزیں اپنے بال بچوں کو کھلا۔ اللہ کی قسم! تو جانتی ہے کہ ہم نے تیرے پانی میں ذرا بھی کمی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے پانی پلایا ہے۔"

مزید مذکور ہے کہ جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس پہنچی تو کہنے لگی: "اللہ کی قسم! میں ایک بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آ رہی ہوں یا پھر وہ واقعی سچے نبی ہیں جیسا کہ ان کے ساتھی کہتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسنِ سلوک کی برکت سے) اس عورت کی وجہ سے قبیلے کو ہدایت عطا فرمائی اور اس عورت سمیت سب اہلِ قبیلہ مسلمان ہو گئے۔[1]

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ پانی والے واقعے کے بعد مسلمان ارد گرد کے مشرکین پر تو حملے کرتے تھے مگر اس عورت کے قبیلے کو کچھ نہ کہتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے قبیلے والوں سے کہنے لگی: "مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر تم پر حملہ نہیں کر رہے، اس

[1] دیکھیے صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3571، وصحيح مسلم، المساجد......، باب قضاء الصلاة الفائتة، حديث:682.

لیے اسلام قبول کرلو۔'' اس خاتون کی یہ بات تمام اہل قبیلہ نے مان لی اور وہ سب مسلمان ہوگئے۔ [1]

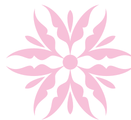
معلوم ہوا کہ اس خاتون کے مسلمان ہونے کے دو سبب تھے:

اولاً اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام نے اس کے مشکیزوں سے پانی لیا مگر اس کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ یہ معجزہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کررہا تھا۔

دوسرا سبب رسول اللہ ﷺ کا جودوکرم تھا کہ آپ نے اسے بہت سی چیزیں اکٹھی کر کے دیں۔

اس کی قوم کا اسی کے ہاتھوں مسلمان ہونے کا سبب یہ تھا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق بطورِ تالیف قلب اس کے قبیلے پر حملے نہیں کر رہے تھے حتی کہ یہ اجتناب ان کے اسلام کا سبب بن گیا۔ [2]

یہ چند مثالیں نبیٔ کریم ﷺ کے بحرِ سخاوت کا ایک قطرہ ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم نہ صرف دعوت کے میدان میں بلکہ دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی کے معاملات میں بھی نبیٔ اکرم ﷺ کے نورِ ہدایت سے روشنی حاصل کریں۔ واللّٰہ المستعان.



[1] صحيح البخاري، التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم……، حديث:344.
[2] دیکھیے فتح الباري:453/1.

باب:9

عدل و انصاف

رسالت مآب ﷺ نہایت منصف مزاج تھے۔ آپ نے عدل و انصاف کی بڑی ترغیب دی ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا:

«سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ : إِمَامٌ عَادِلٌ ، وَّشَابٌّ نَّشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ . . .»

’’سات قسم کے خوش نصیب افراد ایسے ہوں گے جنھیں قیامت کے دن اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا جب اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: عدل و انصاف سے کام لینے والا حکمران اور اللہ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا نوجوان ......۔‘‘ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ ، عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ : الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا»

1 صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة......، حديث: 660، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031، واللفظ له .

"انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں رحمٰن کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں عدل سے کام لیتے ہیں اور اپنے اہل خانہ اور رعایا کے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔"[1]

عدل کے بہت سے شعبے ہیں جنھیں احاطۂ شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: حکمرانی میں عدل، فیصلے میں عدل و انصاف، حدود کے نفاذ میں عدل، لوگوں کے باہمی معاملات میں عدل، اصلاح بین الناس میں عدل، دشمنوں کے ساتھ بھی عدل، اولاد میں انصاف و برابری، بیویوں میں عدل و برابری......وغیرہ۔

عدل کے نفاذ کے سلسلے میں نبیٔ کریم ﷺ نے عظیم مثالیں قائم کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

چوری کرنے والی مخزومی عورت کا انجام

نبیٔ کریم ﷺ اپنے تمام معاملات اور فیصلوں میں سب سے بڑھ کر انصاف کرنے والے تھے۔ قیامت تک آپ کے عدل کی بیان کی جانے والی ایک مثال اس مخزومی قبیلے کی عورت کا واقعہ ہے جس نے چوری کر لی تھی۔ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش کے باوجود اس عورت کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حضرت اسامہ سے آپ کو بڑی محبت تھی لیکن آپ نے اسامہ کی محبت کو حد کے نفاذ میں آڑے نہیں آنے دیا اور اللہ کی حد کے سلسلے میں کوئی سفارش تسلیم نہیں کی۔

اس واقعے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قریش کو ایک مخزومی عورت کے معاملہ نے بڑے فکر و اندیشے میں مبتلا کر دیا کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر اس سے چوری سرزد

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب فضیلة الأمیر العادل وعقوبة الجائر......، حدیث: 1827 .

ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے لگے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کون سفارش کر سکتا ہے؟ وہ خود ہی بول اٹھے کہ کوئی بھی شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا، البتہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارا ہے، اس سے بات کرتے ہیں۔ جب اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بات شروع کر دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کو اس قدر طیش آیا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ آپ نے انھیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ»

''کیا تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟''

حضرت اسامہ نے فوراً عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے استغفار فرمائیے۔'' ظہر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ: أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''حمد و صلاۃ کے بعد: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی بنا پر اللہ کے عذاب کی گرفت میں آئے کہ جب ان میں کوئی امیر اور صاحب حیثیت شخص چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی ناتواں اور غریب شخص چوری کر بیٹھتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر بیٹھتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

پھر آپ کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''بعد میں اس عورت نے خوب توبہ کی۔ اس کی شادی بھی ہوگئی۔ وہ کبھی کبھی میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی۔''[1]

عدل ظلم کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام اور فیصلے میں عدل کا حکم دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾

''اور جب تم کوئی بات کرو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) رشتہ دار (کا) ہو۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''[3]

بلا شک وشبہ ہر مسلمان کو اس خلقِ عظیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیے۔

حضرت نعمان اور ان کے والد بشیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ منبر پر بیان فرمایا: ''میرے والد محترم نے مجھے ایک عطیہ دیا۔ میری والدہ حضرت عَمرہ بنت رواحہ کہنے لگیں: ''میں تو مطمئن نہیں ہوں گی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا لو۔'' میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: 54، حديث: 4304، و كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد......، حديث: 6788، و صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره......، حديث: 1688، و اللفظ له. [2] الأنعام 152:6. [3] النسآء 58:4.

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے، ایک عطیہ دیا ہے، اس کی والدہ کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس پر گواہ بناؤ۔'' آپ نے دریافت فرمایا:

«أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟» قَالَ: لَا! قَالَ: «فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»

''کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں انصاف سے کام لو۔''

چنانچہ میرے والد نے وہ عطیہ واپس لے لیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَلَكَ وَلَدٌ سِوَاهُ؟» قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَأُرَاهُ قَالَ: «لَا تُشْهِدْنِي عَلٰى جَوْرٍ»

''کیا اس کے علاوہ تمھارے اور بچے بھی ہیں؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''پھر مجھے اس ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔''

ابو حریز (راویٔ حدیث) کے الفاظ یوں ہیں:

«لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ»

''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔''[2]

---

1 صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الإشهاد في الهبة، حديث: 2587، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: 1623. 2 صحيح البخاري، الشهادات، باب لايشهد على شهادة جَور إذا أشهد، حديث: 2650.

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو بطور عطیہ ایک غلام دیا ہے۔ آپ نے پوچھا:

«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ؟» قَالَ : لَا ! قَالَ : «فَارْجِعْهُ»

''کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اسی طرح بطور عطیہ ایک ایک غلام دیا ہے؟'' اس (صحابی) نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: ''پھر اسے واپس لے لو۔'' [1]

صحیح مسلم میں ہے:

«أَلَيْسَ تُرِيدُ مِنْهُمُ الْبِرَّ مِثْلَ مَا تُرِيدُ مِنْ ذَا؟» قَالَ : بَلٰى ! قَالَ : «فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ»

''کیا تم نہیں چاہتے کہ سب تم سے اسی طرح حسن سلوک کریں جس طرح یہ کرے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: ''پھر میں گواہ نہیں بنتا۔'' [2]

اَلنِّحْلَة ایسے عطیے کو کہتے ہیں جو بغیر کسی عوض کے دیا جائے۔ [3]

اس حدیث مبارکہ میں اولاد کے درمیان عدل وانصاف کے بارے میں آپ کی شدید خواہش کس قدر نمایاں ہے، تبھی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا۔

میں نے شیخ محترم عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ کو فرماتے سنا: ''اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ کسی ایک بچے کو جداگانہ طور پر کوئی تحفہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے اولاد کے درمیان دشمنی اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلک کے مطابق عطیے میں بھی وراثت کی

[1] صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب الهبة للولد، حديث: 2586 . [2] صحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: (18)-1623 .
[3] فتح الباري: 213/5 .

طرح مذکر کو مؤنث سے دگنا دیا جائے گا۔[1] اولاد کے بارے میں انصاف کیا جائے گا اگرچہ وہ فرماں بردار ہو یا نافرمان، ہاں! نافرمان کو نصیحت ضرور کی جائے گی۔''

گھر والوں سے عدل وانصاف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کی باری مقرر کرتے تھے اور سب کو برابر کے درجے میں رکھتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»

''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے بس میں ہے اور اس بات میں میرا مؤاخذہ نہ کرنا جس کا تجھے اختیار ہے اور میں اس کا اختیار نہیں رکھتا۔''[2]

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے درمیان انصاف پر مبنی تقسیم کی

میں نے استاذ گرامی شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے بلوغ المرام کی حدیث: 1084 کی شرح کے دوران میں سنا، وہ فرماتے تھے: فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ (اس میں میرا مؤاخذہ نہ کرنا جس کا تجھے اختیار ہے) سے مراد دل اور اس کے معاملات ہیں کیونکہ محبت اور پیار کے جذبات دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی خاوند اپنی بیویوں سے کامل برابری کا برتاؤ

[1] حدیث کے الفاظ: [وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ] میں [أَوْلَاد] لڑکے اور لڑکیوں سب کو شامل ہے اور [وَاعْدِلُوا] کا تقاضا ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان برابری کی جائے۔ صحیح ابن حبان میں [سَوُّوا] کا لفظ بھی ہے جس میں برابری کی صراحت ہے لیکن یہ روایت کمزور ہے، لہٰذا ہبہ وغیرہ میں اولاد میں برابری کرنا درست اور صحیح ہے۔

[2] سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث:2134، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث: 1140، و سنن النسائي، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه......، حديث:3395، و سنن ابن ماجه، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث:1971.

نہیں کرسکتا، اس لیے کہ خاوند اور بیوی کی باہمی محبت چند چیزوں پر موقوف ہے، مثلاً: دینداری، خوبصورتی اور جوانی وغیرہ اور خاوند تو مساوات، روز وشب کی باری، اخراجات، حسن سلوک اور خوش کلامی کی حد تک ہی کرسکتا ہے، شہوت اور محبت میں نہیں۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»

’’جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور پھر وہ کسی ایک کی طرف مائل ہوگیا تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔‘‘ [1]

اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اختیاری چیزوں میں ایک ہی کی طرف مائل ہو جانا حرام ہے۔ باقی رہے غیر اختیاری معاملات تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾

’’اللہ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا۔‘‘ [2]

نیز اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

’’چنانچہ جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو۔‘‘ [3]

مزید فرمان باری ہے:

[1] سنن أبي داود، النكاح، باب القسم بين النساء، حديث: 2133، و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث: 1141، و سنن النسائي، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه......، حديث:3394، و سنن ابن ماجه، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث:1969 . [2] البقرة2:286 . [3] التغابن16:64 .

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَاتَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط﴾

''اورتم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو۔''[1]

لہٰذا مذکورہ حدیث میں وعید اس شخص کے لیے ہے جو قصداً ایک پر ظلم و زیادتی کرے۔ ایسا شخص یقیناً قیامت کے دن آئے گا تو اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا اور یہ بطور سزا ہوگا۔

سنت طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ کسی کنواری سے شادی کرے تو وہ اس کے ہاں سات راتیں قیام کرے، پھر باقیوں کے درمیان باری مقرر کرے۔ اس ضمن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«مِنَ السُّنَّةِ، إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَّقَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ»

''یہ سنت ہے کہ جب کوئی شخص پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرنے کے بعد باری مقرر کرے اور اگر کنواری پر کسی شوہر دیدہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرنے کے بعد باری شروع کرے۔''[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شادی کی تو میرے ہاں

[1] النسآء 129:4 . [2] صحيح البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر……، حديث: 5214، و صحيح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكرو الثيب……، حديث:1461 .

تین دن ٹھہرے، پھر فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلٰى أَهْلِكِ هَوَانٌ ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي»

''(اب میں باری مقرر کرنے لگا ہوں) اس کی وجہ یہ نہیں کہ تمھارا میرے ہاں کوئی مرتبہ نہیں (بلکہ یہ شرعی مسئلہ ہے) البتہ اگر تم چاہو تو میں سات دن تمھارے پاس ہی رہتا ہوں مگر اس صورت میں مجھے دوسری بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ٹھہرنا ہوگا۔'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری مجھے ہبہ کردی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دو دن باری مقرر فرماتے تھے۔ ایک میرا دن اور ایک سودہ کا دن۔'' [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری مقرر کرنے میں کسی بیوی کو دوسری پر ترجیح نہیں دیتے تھے، البتہ ہر روز دن میں کسی وقت ہم سب کے پاس تشریف لایا کرتے تھے لیکن اس دوران میں جماع نہیں کرتے تھے حتی کہ جس کی باری ہوتی اس کے ہاں رات ٹھہرتے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ بوڑھی ہوگئیں تو انھیں خطرہ ہوا کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑ ہی نہ دیں، اس لیے وہ خود ہی عرض کرنے لگیں: ''اللہ کے رسول! میں اپنی باری عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش قبول فرمالی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ''میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ایسے ہی معاملات کے بارے میں نازل فرمائی ہے:

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكرو الثيب……، حديث: 1460 .

[2] صحيح البخاري، النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها لضرتها……، حديث: 5212، وصحيح مسلم، الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، حديث: 1463 .

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و زیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو......۔''[1]

میں نے استاذ گرامی شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے بلوغ المرام کی حدیث: 1089 کی شرح کے ضمن میں سنا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی۔ وہ عرصہ دراز تک آپ کے عقد میں رہیں۔ لیکن جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو انھیں خدشہ سا محسوس ہوا مبادا آپ انھیں طلاق دے دیں، چنانچہ انھوں نے خود ہی پیشکش کر دی: ''اللہ کے رسول! میری باری عائشہ کو مرحمت فرما دیں۔'' یہ حدیث سنن ابوداود کی ہے اس کی سند بھی عمدہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیوی کسی دوسری بیوی کے حق میں اپنی باری سے دست بردار بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ خاوند بھی راضی ہو۔ اس صورت میں اس دوسری بیوی کی باری دو دن ہوگی باقی بیویوں کی ایک ایک دن۔

وہ مشترکہ وقت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے ہاں جاتے تھے، عصر کے بعد ہوتا تھا۔ اس کی وضاحت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی سب بیویوں کے پاس جاتے تھے......۔''[2]

میں نے استاذ گرامی شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے بلوغ المرام کی حدیث: 1089 کی تشریح

---

1 النسآء 4:128 . سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2135 .

2 صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾ (التحريم 66:1)، حديث: 5268، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرّم امرأته ......، حديث: 1474، واللفظ له .

کے ضمن میں سنا: ''اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ کس قدر حسن سلوک سے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ لوگوں میں سب سے بہتر تھے۔ آپ روزانہ عصر کے وقت ان کی خبر گیری کرتے اور ان کی ضروریات پوری فرماتے، البتہ جماع نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھار آخر میں ایک ہی غسل کے ساتھ جماع بھی کر لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ عموماً آپ اس وقت جماع نہیں کرتے تھے، البتہ کبھی کبھار کر لیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ اثبات والی روایت نفی والی روایت سے مقدم ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ''نبی کریم ﷺ دن اور رات میں کسی ایک وقت تمام بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ گیارہ کی تعداد میں تھیں۔'' راویِٔ حدیث، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ اتنی طاقت رکھتے تھے؟'' فرمانے لگے: ''ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں جتنی قوت دی گئی ہے۔''

حضرت سعید حضرت قتادہ سے بیان کرتے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں ازواج مطہرات کی تعداد نو بتائی ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پہلی روایت میں آپ کی دو لونڈیاں ماریہ اور ریحانہ رضی اللہ عنہما کو بھی آپ کی نو ازواجِ مطہرات کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے اور مجازاً سب کو بیویاں ہی کہہ دیا گیا ہے۔''[2]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''یہ زبردست قوت کی علامت ہے کہ آپ کے ہاں نو

[1] دیکھیے صحیح البخاري، الغسل، باب: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد، حديث: 268. [2] فتح الباري: 389/1.

بیویاں اور دو لونڈیاں ریحانہ اور ماریہ تھیں۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے اپنی تمام بیویوں سے ایک ایسے وقت میں یکے بعد دیگرے ہم بستری کرے جو کسی بھی بیوی کے لیے مخصوص نہ ہو۔ یہ اس کے عمدہ اخلاق کی علامت ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ جب آپ ان میں باری مقرر کرتے تو نو دن کے بعد ہی پہلی بیوی کے پاس جاتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ تمام ازواج مطہرات روزانہ رات کو اس زوجۂ مکرمہ کے کاشانے میں جمع ہو جایا کرتیں جس کی باری ہوتی تھی۔''[1]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ اجتماع آپ کا ان کے پاس عصر کے بعد جانے کے علاوہ ہے۔ اس سے ازواجِ مطہرات کو باہمی تعارف اور بات چیت کا موقع ملتا تھا یوں سوکنوں میں پائی جانے والی وحشت دور ہو جاتی تھی اور ہر رات اکٹھا ہونا باہمی محبت میں اضافے کا باعث تھا۔''

بیویوں کے مابین عدل کی یہ کتنی روشن اور کس قدر نادر مثال ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی سفر کا ارادہ کرتے تو قرعہ ڈالتے کہ کون سی بیوی کو ساتھ لے جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب بھی آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو قرعہ ڈالتے تھے جس بیوی کا نام قرعے میں نکل آتا اسی کو ساتھ لے جاتے تھے۔''[2]

آپ کے بے مثل عدل و انصاف اور عمدہ اخلاق کی مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''ایک دن نبی کریم ﷺ اپنی ایک بیوی کے

[1] صحيح مسلم، الرضاع، باب القسم بين الزوجات، حديث: 1462. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها……، باب هبة المرأة لغير زوجها……، حديث:2593، وصحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك، حديث:2770.

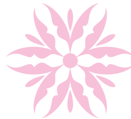
ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کی کسی اور زوجۂ محترمہ نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ بھیجا جس میں کھانا تھا۔ خادم پیالہ لے کر آیا تو صاحب خانہ اہلیہ محترمہ نے خادم کے ہاتھ پر ہاتھ مارا، پیالہ گرا اور ٹوٹ گیا۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے اکٹھے کیے اور گرا ہوا کھانا دوبارہ اس میں ڈالنے لگے۔ اور فرماتے جاتے تھے:

«غَارَتْ أُمُّكُمْ»

''بھئی تمھاری ماں کو غیرت نے آ لیا۔''

پھر آپ نے خادم کو روکا، صاحب خانہ اہلیہ محترمہ سے ان کا صحیح پیالہ منگوایا، خادم کو صحیح پیالہ دے کر واپس بھیجا اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی زوجہ محترمہ کو دے دیا۔ [1]

یہ احادیث نبیٔ کریم ﷺ کی یگانہ عظمت، آپ کے بے مثل عدل و انصاف، حسن خلق، بیویوں کے ساتھ خلوص و محبت اور ان کے حقوق حسن و خوبی سے ادا کرنے کی بڑی روشن دلیل ہیں۔



1 صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث:5225 .

باب:10

تواضع اور عجز وانکسار

تواضع کا لفظ خشوع وخضوع، عجز اور کسر نفسی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی معظم شخصیت کے سامنے اپنے آپ کو کم تر ظاہر کرنا یا اپنے سے بلند مرتبہ شخص کا اس کی فضیلت کے پیش نظر احترام واکرام کرنا تواضع کہلاتا ہے۔ [1]

منکسر المزاجی ایک عظیم خوبی اور بہت افضل واعلیٰ خلق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عجز اختیار کرنے والوں کی تعریف وتوصیف اس طرح فرمائی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝﴾

”اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کر کے چل دیتے ہیں۔“ [2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سکون، وقار اور عاجزی سے چلتے ہیں، اکڑ کر چلتے ہیں نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ فخر کی چال چلتے ہیں۔ ایسے لوگ علم اور حلم سے مزین ہونے کے علاوہ وقار اور عفت و پاکیزگی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ [3]

جب کوئی مسلمان عجز وتواضع کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں

[1] دیکھیے فتح الباري:341/11 . [2] الفرقان63:25 . [3] دیکھیے مدارج السالکین:333/2 .

بلندی ورفعت عطا فرماتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ، وَّمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ»

''صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، معافی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ دیتا ہے۔'' [1]

تواضع مسلمان کے لیے لوگوں کے دلوں میں راستہ کھول دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں بلندی عطا کرتا ہے۔ عاجزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کا مرتبہ قائم کرتا ہے اور اسے عظمت عطا کرتا ہے۔ [2] البتہ جو شخص لوگوں کے مقابلے میں بڑا بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت میں ذلیل اور رسوا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعِزُّ إِزَارُهُ، وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ، فَمَنْ يُّنَازِعُنِي عَذَّبْتُهُ»

''عزت اس (اللہ) کی ازار ہے اور تکبر اس کی چادر ہے جو شخص مجھ سے یہ چیزیں چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔'' [3]

نبی کریم ﷺ عجز و انکسار میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کی منکسر المزاجی کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

[1] صحيح مسلم، البر و الصلة، باب استحباب العفو و التواضع، حديث: 2588 .

[2] دیکھیے شرح النووي: 142/16 . [3] صحيح مسلم، البر و الصلة......، باب تحريم الكبر، حديث: 2620 .

اونٹنی ''عضباء'' کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی کا نام ''عضباء'' تھا۔ وہ بہت تیز رفتار تھی۔ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دن ایک اعرابی اپنا ایک جوان اونٹ لے آیا، وہ تیز رفتاری میں عضباء سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ وہ (افسوس سے) کہنے لگے: ''(اوہو!) عضباء پیچھے رہ گئی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ لَّا يَرْفَعَ شَيْئًا مِّنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ»

''اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دنیوی چیز کو بلندی عطا کرے تو اسے کبھی کبھی نیچا دکھا دیتا ہے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے لوگوں کے لیے بہترین نمونہ تھے۔ اس لیے آپ دعوت وتبلیغ میں بھی انتہائی تواضع سے کام لیتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ابو مسعود کی زبانی

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے عجز کے سلسلے میں بیان فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آپ سے باتیں کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے اچانک اس پر گھبراہٹ طاری ہوئی اور وہ کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا:

«هَوِّنْ عَلَيْكَ نَفْسَكَ فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ ، إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ»

''مت گھبراؤ، حوصلہ رکھو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک ایسی عورت کا

[1] صحيح البخاري ، الرقاق ، باب التواضع ، حديث:6501 .

بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔"[1]

مستدرک حاکم میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ زائد الفاظ بھی منقول ہیں:

«. . . فِي هٰذِهِ الْبَطْحَاءِ»

"......وہ اسی بطحاء میں رہتی تھی۔"

پھر حضرت جریر نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝﴾

"اور (نبی کریم!) آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، لہٰذا آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو نصیحت کریں جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔"[2]

اس لیے تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ آپ لوگوں کو دعوت دیتے وقت تواضع و انکسار اختیار کرتے تھے۔ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں خود سلام کرتے۔ ایک لونڈی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی تھی آپ کو (کسی ضرورت یا مسئلہ وغیرہ کے لیے) لے جا سکتی تھی۔ گھر تشریف فرما ہوتے تو گھریلو کاموں میں گھر والوں سے تعاون کیا کرتے تھے۔ ذاتی طور پر کبھی بدلہ نہ لیتے۔ اپنا جوتا خود سی کر درست کر لیا کرتے تھے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر والوں کے لیے بکری دوہ لیتے۔ اپنی اونٹنی کو خود ہی چارہ ڈال دیتے تھے۔ خادم اور غلام کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ عموماً مسکین لوگوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ بیواؤں اور یتیم بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلے جاتے تھے جس سے بھی ملتے سلام میں پہل کرتے۔ ہر دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لیتے تھے، چاہے وہ

1 سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب القديد، حديث: 3312 . 2 قٓ 45:51 . المستدرك للحاكم:466/2 ، حديث:3733 ، نیز دیکھیے السلسلة الصحيحة:497/4 ، حديث:1876 .

معمولی چیز ہی کی دعوت ہو۔ یقیناً آپ منکسر المزاج تھے مگر حقیر نہ تھے، سخی تھے مگر فضول خرچی سے بچتے تھے اور انتہائی نرم دل تھے اور ہر مسلمان کے لیے شفیق و رحیم، ہر مومن کے لیے انتہائی کریم۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]

رسول اللہ ﷺ کا دیگر انبیاء کو اپنے آپ سے افضل کہنا

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا: ''اے مخلوق میں سے بہترین!'' نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»

''یہ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔'' [2]

نیز فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ : أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى»

''کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے: میں یونس بن متیٰ علیہ السلام سے افضل ہوں۔'' [3]

حالانکہ یہ حقیقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپ سب انبیاء اور رسولوں سے افضل ہیں اور پوری دنیائے انسانیت کے سردار ہیں۔ آپ ہی نے فرمایا ہے:

«أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔'' [4]

[1] مدارج السالكين:2/334. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام، حديث: 2369. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَيُونُسَ وَلُوطًا ......﴾ (الأنعام6:86)، حديث:4630، وصحيح مسلم الفضائل، باب في ذكر يونس عليه السلام في......، حديث: 2376. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾ (هود 11:25)، حديث: 3340، وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: 194.

نیز فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، وَأَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَّأَوَّلُ مُشَفَّعٍ»

’’میں آدم علیہ السلام کی پوری نسل کا سردار ہوں۔ سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا۔ سب سے پہلے میں سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائے گی۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ کی عاجزی وانکسار کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ کے دروازے پر کوئی دربان مقرر نہ تھا جو کسی کے لیے رکاوٹ بنے۔ [2] آپ بیماروں کو دم کرتے تھے اور ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور انھیں دعا دیتے تھے۔ [3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سفارش کیا کرتے تھے اور (انھیں بھی) فرمایا کرتے تھے:

«اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَيَقْضِي اللهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ»

’’سفارش کیا کرو۔ تمھیں ثواب ملے گا (اگرچہ) فیصلہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اپنے نبی کریم کی زبان سے کرائے گا۔‘‘ [4]

آپ محبت وشفقت سے حضرت انس کو ’’اے میرے بیٹے!‘‘ کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ [5]

آپ کی تواضع کا مظہر یہ واقعہ بھی ہے: ’’ایک حبشی عورت یا مرد مسجد نبوی کی صفائی کیا

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في التخيير بين الأنبياء عليهم السلام، حديث:4673. [2] ماخوذ از صحيح البخاري، الجنائز، باب زيارة القبور، حديث: 1283. [3] ماخوذ از صحيح البخاري، الأحكام، باب بيعة الصغير، حديث: 7210. [4] صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة و الشفاعة فيها، حديث: 1432، وصحيح مسلم، البر و الصلة......، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، حديث: 2627. [5] دیکھیے صحيح مسلم، الآداب، باب جواز قوله لغيرابنه يا بني، حديث:2151.

کیا کرتی تھی۔ ایک رات وہ فوت ہوگئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو بتائے بغیر اسے دفن کر دیا۔ وہ نبیٔ کریم ﷺ کو نظر نہ آئی تو آپ نے اس (مردیا) عورت کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو فوت ہوگئی۔ آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي»

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

گویا کہ لوگوں نے اس مردیا عورت کے معاملے کو معمولی خیال کیا تھا (اس لیے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع نہیں دی) آپ نے فرمایا:

«دُلُّونِي عَلٰى قَبْرِهَا»

''مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔''

لوگ آپ کو اس کی قبر پر لے گئے تو آپ نے اس کا جنازہ پھر سے پڑھایا اور بعدازاں فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا ، وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ»

''قبریں اندھیرے سے بھری ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ میری دعا کی برکت سے اہل قبور کے لیے قبریں روشن کر دیتا ہے۔''[1]

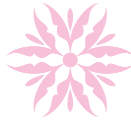
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«خَدَمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ ، فَمَا قَالَ لِي : أُفٍّ قَطُّ ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ؟ ، وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على القبر......، حديث: 1337، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث:956، واللفظ له .

رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا . . . »

’’میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا۔ میں نے کوئی کام کرلیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ کیوں کیا؟ اور اگر نہیں کیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا تھا کہ کیوں نہیں کیا؟ رسول اللہ ﷺ انتہائی اچھے اور بلند پایہ اخلاق کے مالک تھے......۔‘‘ [1]



1 صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، حديث: 6038، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في خلق النبيﷺ، حديث: 2015، واللفظ له.

باب:11

عفو و درگزر

رسول اللہ ﷺ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں عفو و درگزر کے نقطۂ عروج پر تھے۔ اس کے دلائل بہت ہیں۔ یہاں چند مثالیں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں:

1 تقسیم نبوی پر اعتراض کنندہ کو معافی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی۔ آپ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ مرحمت فرمائے، عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی اونٹ عطا فرمائے۔ عرب کے بعض دوسرے سرداروں کو بھی آپ نے خوب دیا۔ ایک آدمی کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود تھی۔ میں نے کہا: میں نبیٔ کریم ﷺ کو یہ بات ضرور بتاؤں گا۔ میں نے جا کر آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا:

«فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللهُ وَرَسُولُهُ؟! رَحِمَ اللهُ مُوسٰى فَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا ، فَصَبَرَ»

''اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتے تو اور کون انصاف کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے! انھیں اس سے زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا مگر

انھوں نے صبر کیا۔‘‘ [1]

دعوت الی اللہ کے سلسلے میں یہ آپ کے تحمل کا بہت بڑا واقعہ ہے۔ ان لوگوں کو تقسیم میں ترجیح دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ ان کی تالیف قلب کرنا چاہتے تھے۔ باقی رہے مضبوط ایمان والے صحابہ تو انھیں آپ نے ان کے ایمان کے سپرد کر دیا۔ [2]

2 تحمل و بردباری کی عظیم مثال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سونے کی ایک ڈلی بھیجی جو دباغت شدہ چمڑے میں لپٹی ہوئی تھی اور ابھی اسے مٹی سے نکال کر خالص نہیں کیا گیا تھا۔ آپ نے اس سونے کی ڈلی کو ان چار افراد میں تقسیم کر دیا: ① عیینہ بن بدر ② اقرع بن حابس ③ زید الخیل ④ اور عُلقمہ (بن علاثہ) یا عامر بن طفیل۔ [3] ایک شخص کہنے لگا: اس سونے کے ہم زیادہ حقدار تھے۔ یہ بات آپ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

«أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً؟» قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، نَاشِزُ الْجَبْهَةِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مَحْلُوقُ الرَّأْسِ، مُشَمِّرُ الْإِزَارِ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! اِتَّقِ اللهَ، قَالَ: «وَيْلَكَ، أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَّتَّقِيَ اللهَ؟» قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ، فَقَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ: يَارَسُولَ اللهِ! أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ: «لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُونَ يُصَلِّي»

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبيﷺ يعطي المؤلَّفة قلوبهم ......، حديث: 3150، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلَّفة قلوبهم......، حديث: 1062.
[2] دیکھیے فتح الباري: 49/8. [3] دیکھیے فتح الباري: 68/8.

قَالَ خَالِدٌ: وَكَمْ مِّنْ مُّصَلٍّ يَّقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ قُلُوبَ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ» قَالَ: ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ، وَقَالَ: «إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَّتْلُونَ كِتَابَ اللهِ رَطْبًا، وَّلَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ»

''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ آسمان والا تو مجھے امین سمجھتا ہے۔ صبح شام میرے پاس وحی آتی ہے۔'' ایک آدمی اٹھا اس کی آنکھیں گہری، رخسار ابھرے ہوئے، ماتھا اٹھا ہوا، ڈاڑھی گھنی، سر منڈا ہوا اور تہ بند پنڈلیوں سے بھی اونچا تھا، وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے! آپ نے فرمایا: ''تو ہلاک ہو! کیا میں روئے زمین پر سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں؟'' وہ آدمی چلا گیا تو حضرت خالد بن ولید کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن نہ اتار دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں! شاید یہ نمازی ہو۔'' خالد کہنے لگے: کتنے ہی نمازی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: ''میں اس بات کا مکلّف نہیں کہ لوگوں کے دل اور پیٹ پھاڑ کر دیکھوں۔'' پھر آپ نے اس شخص کو جاتا دیکھ کر فرمایا: ''اس کی نسل سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی کتاب بنا سنوار کر پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے صاف نکل جاتا ہے۔ اگر میں نے ان کا زمانہ پا لیا تو ان سے لڑائی کر کے انھیں قومِ ثمود کی طرح

نیست و نابود کردوں گا۔“ [1]

یہ نبیٔ کریم ﷺ کے تحمل و بردباری کی عظیم مثال ہے کہ آپ نے اس شخص کے ظاہر کو معتبر سمجھا۔ اس کا دل و دماغ کریدنا ضروری نہ سمجھا، حالانکہ وہ شخص قتل کا مستحق ہو چکا تھا مگر آپ نے اس کے قتل کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ لوگ کہیں گے: آپ اپنے ساتھیوں خصوصاً نمازیوں کو قتل کرتے ہیں۔ [2]

3 طفیل بن عمرو کا واقعہ

آپ کے تحمل اور حوصلے کی ایک عظیم مثال حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ یہ ہجرت سے قبل مکی دور میں اسلام قبول کر چکے تھے، پھر اپنی قوم کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ سب سے پہلے اپنے اہل خانہ کو دعوت دی۔ ان کی بیوی اور والد مسلمان ہو گئے۔ لیکن جب قوم قبیلے کو دعوت دی تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت طفیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال سنائی کہ دَوس تو اپنے کفر و نافرمانی پر مصر اور اسلام لانے سے منکر ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو دَوسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور بولے: دوس تو اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں، لہٰذا آپ ان کے لیے بددعا فرمائیے۔ آپ نے اپنا رخ قبلے کی طرف کر کے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے۔ لوگ کہنے لگے: اب دوس کی خیر نہیں۔ آپ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب و خالد بن الوليد رضي الله عنهما إلى اليمن، حديث:4351، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، حديث: (144)-1064. ایک روایت میں ثمود کے بجائے عادٍ کے لفظ ہیں۔ دیکھیے صحیح مسلم، حدیث: (143)-1064. [2] دیکھیے فتح الباري:69/8.

نے فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ! اھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ، اَللّٰھُمَّ! اھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ»

’’اے اللہ! دوس کو ہدایت سے سرفراز فرما کر ہمارے پاس لا۔ اے اللہ! دوس کو ہدایت سے سرفراز فرما کر ہمارے پاس لا۔‘‘ [1]

اس واقعے سے نبیٔ کریم ﷺ کے حلم، تحمل اور صبر و ثبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے دین اسلام کی دعوت کے دوران میں منکرین کو سزا یا بددعا دینے میں جلد بازی نہیں کی بلکہ آپ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمایا اور آپ کے تحمل، صبر و ثبات اور حوصلے کا پھل بھی جلد ہی مل گیا۔ حضرت طفیل دوبارہ اپنی قوم کے پاس گئے، اہل قوم کو نرمی سے دعوت دی، نتیجتاً بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ وہ دوبارہ جنگ خیبر کے موقع پر اسی یا نوے دوسی گھرانوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے، اس لیے یہ لوگ بھی خیبر میں آپ سے جا ملے۔ آپ نے دوسرے مجاہدین کے ساتھ انھیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔ [2]

اللہ اکبر! آپ نے کیسی پیاری حکمت اختیار فرمائی جس کی بنا پر اسی یا نوے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ داعیانِ اسلام کے لیے دعوت کے دوران میں حوصلہ، بردباری اور صبر سے کام لینا کس قدر ضروری ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کا طریقِ دعوت سمجھنے سے۔

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب الدعاء للمشركين بالهدى ليتألفهم، حديث:2937، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل غفار وأسلم......، حديث: 2519، ومسند أحمد:243/2، واللفظ له. [2] سير أعلام النبلاء:346/1، و زاد المعاد:626/3، والإصابة في تمييز الصحابة:423/3.

4 قاتلانہ اقدام کرنے والے سے درگزر

امام بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف (ذات الرقاع) جنگ کے لیے گئے۔ ہم ایک وادی میں پہنچے جس میں کانٹے دار درخت بہت زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے فروکش ہوئے۔ آپ نے اپنی تلوار ایک شاخ پر لٹکا دی اور لیٹ گئے۔ دیگر مجاہدین وادی میں درختوں کے نیچے بکھر گئے۔ اچانک آپ نے ہمیں بلایا اور فرمانے لگے:

«إِنَّ رَجُلًا أَتَانِي وَأَنَا نَائِمٌ، فَأَخَذَ السَّيْفَ فَاسْتَيْقَظْتُ، وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِي، فَلَمْ أَشْعُرْ إِلَّا وَالسَّيْفُ صَلْتًا فِي يَدِهِ، فَقَالَ لِي: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللهُ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللهُ، قَالَ: فَشَامَ السَّيْفَ، فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ»

''میں سویا ہوا تھا کہ ایک آدمی آ گیا، اس نے میری تلوار تھام لی۔ میں جاگا تو وہ میرے سر پر ننگی تلوار لیے کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! اس نے دوبارہ کہا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! اس نے تلوار نیام میں ڈال لی۔ اب یہ یہاں بیٹھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔[1]

اللہ اکبر! یہ کیسا بے مثال خلق عظیم ہے! اور دل پر کس قدر زیادہ اثر انداز ہے! ایک اعرابی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو بچا لیتا ہے۔ اب

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب من علق سيفه بالشجر في السفر عندالقائلة، حديث: 2910، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 843، ومسند أحمد: 311/3 و 364.

آپ کو اسے قتل کرنے کا پورا موقع ملتا ہے مگر آپ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ یہ عظیم خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ سے سچ فرما رہا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾

”بلاشبہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“[1]

اس خلقِ عظیم نے اس شخص کی زندگی پر ایسا انقلابی اثر کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے سے ہدایت نصیب ہوئی۔[2]

5 یہودی عالم زید کے ساتھ حسن سلوک

نبی کریم ﷺ کی بہترین خصلت تھی کہ آپ طاقت کے باوجود حریف کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ غصے کے وقت تحمل سے کام لیتے تھے، بداخلاق شخص کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ انھی اخلاقِ عالیہ کی بنا پر بے شمار لوگ آپ کی دعوت قبول کر کے مسلمان ہوئے اور زندگی بھر آپ کے گرویدہ رہے۔ اسی قسم کا سلوک آپ نے زید بن سعنہ سے کیا تھا جو یہودیوں کے بڑے معتبر علماء میں سے تھا۔

زید بن سعنہ اپنا ایک قرض وصول کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس نے آپ کا گریبان اور چادر پکڑ کر زور سے کھینچا، بڑے سخت الفاظ استعمال کیے اور آپ کو غضبناک انداز سے دیکھا اور کہا: اے محمد! کیا تم میرا حق ادا نہیں کرو گے؟ تم اور عبدالمطلب کا خاندان ٹال مٹول کرنے والے لوگ ہو۔ اس نے اور بھی بہت سی سخت باتیں کہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے طیش کے عالم میں اپنی آنکھیں گھماتے ہوئے اسے دیکھا، جیسے بھنور میں کشتی گھومتی ہے، اور فرمایا: او اللہ کے دشمن! تو میری موجودگی میں اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی سخت باتیں کرتا ہے اور ایسا نازیبا سلوک کر رہا ہے؟ قسم اس

[1] القلم 4:68. [2] فتح الباري:428/7، وشرح النووي:129/2.

ذات کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے! اگر مجھے آپ کی سرزنش کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا (زید) سر اڑا دیتا۔ رسول اللہ ﷺ بڑے وقار اور صبر وسکون سے یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

«أَنَا وَهُوَ يَا عُمَرُ! كُنَّا أَحْوَجَ إِلٰى غَيْرِهِ هٰذَا مِنْكَ يَا عُمَرُ! أَنْ تَأْمُرَنِي بِحُسْنِ الْأَدَاءِ، وَتَأْمُرَهُ بِحُسْنِ التَّقَاضِي، اِذْهَبْ بِهِ يَا عُمَرُ! فَاقْضِهِ حَقَّهُ، وَزِدْهُ عِشْرِينَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ»

”عمر! میں اور یہ تم سے کسی اور سلوک کے مستحق تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ تم مجھے اچھے طریقے سے حق ادا کرنے اور اسے بھلے انداز سے طلب کرنے کو کہتے۔ اب اسے لے جاؤ اور اس کا حق ادا کرو، نیز اسے بیس صاع مزید دو۔“

آپ کا یہ حسن سلوک اس یہودی عالم کے اسلام لانے کا سبب بن گیا اور وہ پکار اٹھا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

اس واقعے سے پہلے زید کہا کرتے تھے: ”میں محمد ﷺ کے چہرے پر نبوت کی تمام نشانیاں دیکھ چکا ہوں۔ صرف دو علامتیں باقی ہیں جن کا ابھی مجھے پتہ نہیں چلا۔ پہلی یہ کہ اس نبی کا حلم اس کے غصے پر غالب ہوگا۔ اس سے جس قدر جہالت برتی جائے گی اس کے تحمل میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔[1]

اس واقعے سے وہ یہی اوصاف جاننا چاہتے تھے جو انھیں بخوبی معلوم ہو گئے، اس

[1] المستدرك للحاكم: 32/2، حديث: 2237، والمعجم الكبير للطبراني: 222/5، حديث: 5147.

لیے وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور بہت مخلص اور سچے مسلمان ثابت ہوئے۔ آپ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے اور بالآخر غزوۂ تبوک سے مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے راستے میں شہید ہوئے۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ نے اسے بے مثل اخلاق عالیہ سے اپنی صداقت کے بے شمار دلائل مہیا کیے جن سے آپ کی دعوت کی حقانیت آشکارا ہوگئی۔

6 سردارِ منافقین کے ساتھ

نبیٔ کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اوس اور خزرج عبداللہ بن اُبی کو اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہو چکے تھے۔ اس کے اس رتبے پر کسی کو بھی اختلاف نہیں تھا۔ اس سے قبل اوس اور خزرج کسی ایک شخص پر کبھی متفق نہیں ہوئے تھے نہ بعد میں کبھی ایسا ہوا۔ انھوں نے اس کی تاجپوشی کا انتظام بھی کرلیا تھا تاکہ وہ ان کی قیادت کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس کا دل غصے، کینے اور اسلام کے ساتھ دشمنی سے بھر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری بادشاہت چھین لی ہے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ پوری قوم مسلمان ہوگئی ہے تو مجبوراً وہ بھی مسلمان ہوگیا مگر دلی طور پر نفاق، کینے اور دشمنی پر قائم رہا۔ [2] اس نے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے، مسلمانوں

[1] درحقیقت تبوک میں تو کوئی جنگ نہیں ہوئی صرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا سریہ دومۃ الجندل بھیجا گیا تھا جس میں اکیدر کو گرفتار کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ کسی مسلمان کے اس سریہ میں بھی شہید ہونے کا تذکرہ نہیں ہے، البتہ ''اسد الغابہ'' کے حوالے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زید بن سعنہ جنگ تبوک سے واپسی کے وقت راستے میں فوت ہوئے تھے۔ چونکہ یہ سفر جنگ کا تھا، اس لیے بعض نے شہادت کا ذکر کر دیا ہے۔ [2] دیکھیے سیر أعلام النبلاء: 140/2و197.

میں پھوٹ ڈالنے اور یہودیوں کی مدد میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

بہت سے مواقع پر اسلام سے اس کی دشمنی ظاہر ہوگئی لیکن اس پر نفاق کا پردہ پڑا رہا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی دشمنی کا مقابلہ عفوو درگزر اور حلم وتحمل سے کرتے رہے کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھا، اس کے ساتھ منافقوں کا ایک پورا ٹولہ موجود تھا۔ یہ ان کا سردار تھا اور وہ اس کے تابع فرمان تھے، اس لیے آپ قولی اور فعلی طور پر اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اور اس کی شرارتوں کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(ا) نقضِ عہد کے باوجود بنوقینقاع کے یہودیوں کی سفارش

جنگ بدر کے بعد بنوقینقاع نے عہد توڑ دیا۔ انھوں نے سر بازار ایک مسلمان عورت کو برہنہ کیا۔ جب ایک مسلمان نے اس عورت کی مدد کی تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔[1] اس صورت حال پر رسول اللہ ﷺ ایک لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ہجرت سے بیسویں ماہ شوال 2 ہجری کے وسط کی بات ہے اور دن ہفتے کا تھا۔ آپ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ وہ قلعہ بند ہو گئے مگر محاصرہ بڑا شدید تھا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ تسلیم کرنے کی شرط پر ہتھیار ڈال دیے۔ آپ کے حکم پر ان کی مشکیں کس دی گئیں وہ سات سو جوان تھے۔ جب آپ نے ان پر قابو پا لیا تو عبداللہ بن ابی سفارش کے لیے آن کھڑا ہوا، کہنے لگا: ”اے محمد! یہ میرے دوست اور حلیف ہیں، لہٰذا ان کی جان بخشی فرمائیے۔“ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر یہی درخواست کی۔ آپ نے اعراض فرمایا۔ وہ نہایت لجاجت سے اصرار کرنے لگا: ”میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا حتی کہ آپ میرے حلیفوں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 54/3، والبداية والنهاية: 4/4، والرحيق المختوم: 225.

پر احسان فرمائیں۔ جن میں سے تین سو زرہ پوش ہیں اور چار سو سادہ بدن۔ انھوں نے ہر مشکل موقع پر میرا ساتھ دیا ہے۔ کیا آپ انھیں یکبارگی قتل کر دیں گے؟ اللہ کی قسم! زمانہ بنتا بگڑتا رہتا ہے۔ کبھی یہ کام آئیں گے۔'' اس کے اصرار پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی جان بخشی فرما دی،[1] البتہ انھیں مدینہ منورہ میں رکھنا قبول نہ فرمایا اور نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ لوگ علاقہ شام میں اذرعات کی طرف نکل گئے۔ آپ نے ان کے اموال ضبط کر لیے اور مال غنیمت سے خمس وصول کیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی اس ناجائز سفارش اور اس کے اس قبیح طرز عمل پر اسے کوئی سزا نہیں دی بلکہ معاف فرما دیا۔

(ب) غزوۂ احد کے موقع پر غداری

نبی ٔ کریم ﷺ جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان پہنچے تو عبداللہ بن ابی ایک تہائی لشکر لے کر واپس مدینہ چل دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ سمجھانے کے لیے ان کے پیچھے گئے۔ انھیں ملامت کی اور دوبارہ لشکر میں شامل ہونے کی ترغیب دلائی اور کہا: ''آؤ! اللہ کے راستے میں لڑائی لڑو یا کم از کم دفاع ہی کرو۔'' وہ کہنے لگے: ''اگر ہمیں یقین ہوتا کہ لڑائی ہوگی تو ہم مڑ کر نہ آتے۔'' حضرت عبداللہ بن عمرو برہم ہو کر واپس آ گئے۔[3]

اتنے بڑے جرم اور مسلمانوں کو بے یارو مددگار چھوڑنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو کوئی سزا نہیں دی۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 54/3، والبداية والنهاية: 4/4 . [2] دیکھیے زاد المعاد: 190/3 . [3] زاد المعاد: 194/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 72/3، والبداية والنهاية: 14/4 .

(ج) رسول اللہ ﷺ کو دعوت سے روکنے کی کوشش

ایک دفعہ نبیٔ کریم ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے لگے۔ راستے میں اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی کے قریب سے گزر ہوا۔ اس کے پاس اور بھی بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ آپ نے سلام کیا، پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئے۔ آپ نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت پیش کی، اپنا فریضۂ انذار وتبشیر ادا فرمایا اور وعظ و نصیحت کی۔ جب آپ نے اپنی بات مکمل کر لی تو عبداللہ بن ابی کہنے لگا: ''جناب! آپ کی یہ باتیں بہت اچھی ہیں۔ اگر یہ حق وسچ ہیں تو آپ اپنے گھر ٹھہریں۔ جو شخص آپ کے پاس آئے اسے یہ باتیں بتائیں اور جو آپ کے پاس نہ جائے اسے اس طرح تنگ نہ کریں۔ اور ہماری مجلسوں میں آ کر کسی کو زبردستی یہ باتیں نہ سنائیں۔''[1]

اس کی اس بدزبانی کے باوجود آپ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی بلکہ درگزر سے کام لیا۔

(د) بنونضیر کی حوصلہ افزائی

بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کر کے باہمی عہد توڑ دیا تھا۔ آپ نے ان کے پاس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے یہ حکم بھیجا کہ وہ اپنے علاقے سے نکل جائیں۔ لیکن منافقین نے عبداللہ بن ابی کی قیادت میں انھیں پیغام بھیجا کہ ڈٹے رہو اور نکلنے سے انکار کر دو۔ ہم تمھیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر لڑائی لڑنی پڑی تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ اگر تمھیں نکالا گیا تو ہم بھی تمھارے ساتھ ہی نکلیں گے۔ یہودیوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور انھوں نے علانیہ عہد ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی

1 السيرة النبوية لابن هشام: 199/2 .

سرکوبی کے لیے نکلے اور ان کا محاصرہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حوصلے پست کر دیے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ نے انھیں مدینہ منورہ سے نکال دیا۔ ان میں سے اکثر لوگ خیبر چلے گئے اور کچھ شام پہنچ گئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے اس گھناؤنے کردار کے باوجود اسے کچھ کہا نہ کوئی سزا دی۔

(۵) غزوۂ مریسیع میں عبداللہ بن ابی کی شرارت

اس جنگ میں عبداللہ بن ابی نے بہت سی مہلک شرارتیں کیں جن کی پاداش میں وہ سخت سزا بلکہ قتل کا مستحق تھا، مثلاً:

- منافقین نے اس جنگ میں ''قصۂ افک'' گھڑا۔ اس میں بڑا کردار عبداللہ بن ابی ابن سلول ہی کا تھا۔ [2]
- عبداللہ بن ابی نے اسی جنگ کے موقع پر کہا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:)

﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ط﴾

''وہ کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینے گئے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین کو نکال دیں گے۔'' [3]

- اسی جنگ کے موقع پر اس اللہ کے دشمن نے کہا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:)

﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ط﴾

''تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (ﷺ) کے پاس ہیں تاکہ وہ بھاگ جائیں۔'' [4]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 212/3، والبداية والنهاية: 177/4، وزادالمعاد: 128/3.
[2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث الإفك، حديث: 4141. [3] المنٰفقون 8:63. [4] المنٰفقون 7:63.

رسول اللہ ﷺ نے حکمت عملی اور پاکیزہ سیاست پر عمل کرتے ہوئے مناسب سمجھا کہ فتنے کی آگ ممکن حد تک بجھائی جائے، صبر وحوصلہ کے ساتھ شرارت کی جڑ کاٹ دی جائے۔ تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک ہی کیا جائے۔ اوراس منافق سردار کی شرارتوں کے جواب میں درگزر سے کام لیا جائے کیونکہ یہ اکیلا ہی منافق نہ تھا بلکہ بہت سے لوگ اس کے حامی تھے۔ خطرہ تھا کہ وہ دعوتِ اسلام کے لیے ایک فتنہ بن جائیں گے۔ یہ بظاہر مسلمان تھا تبھی تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

«دَعْهُ حَتّٰى لَا يَتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

’’رہنے دو۔ لوگ کہیں گے: محمد اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتا ہے۔‘‘[1]

اگر نبیٔ کریم ﷺ اسے قتل کر دیتے تو لوگ قبول اسلام سے متنفر ہو جاتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن ابی مسلمان ہے۔ ایسے میں لوگ کہنا شروع کر دیتے کہ محمد تو مسلمانوں کو بھی قتل کر رہا ہے۔ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتیں اور بہت سے ممکنہ مفادات کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ اس لیے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کی شرارتوں پر اس خیال سے صبر کیا جائے کہ اس کے قتل سے کہیں بڑا فساد برپا نہ ہو اور اسلام کی شان و شوکت کو استحکام حاصل ہو۔ ویسے بھی آپ کو ظاہر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ باقی رہی دل کی باتیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

بعدازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی عبداللہ بن ابی کے قتل نہ کرنے کی حکمت سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾، حديث:4905، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أومظلومًا، حديث:2584.

قَدْ وَاللهِ! عَلِمْتُ لَأَمْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَعْظَمُ بَرَكَةً مِّنْ أَمْرِي.

''اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے میری رائے سے بہتر تھی۔''[1]

داعیانِ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے دعوتِ الی اللہ کے دوران میں حکمت کے راستے پر چلیں۔

7 ثُمامہ بن اُثال کے ساتھ آپ کا برتاؤ

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ بنوحنیفہ کے ایک آدمی، یمامہ کے حکمران، ثُمامہ بن اُثال کو پکڑ لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے دریافت فرمایا:

«مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ!» فَقَالَ: عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ! خَيْرٌ، إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَّإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ، وَّإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ، فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ، فَقَالَ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ!» قَالَ: مَا قُلْتُ لَكَ: إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ، وَّإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَّإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ، فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، حَتّٰى كَانَ مِنَ الْغَدِ، فَقَالَ: «مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ!» فَقَالَ: عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ: إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ، وَّإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَّإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ.

''ثمامہ! کیا خیال ہے؟'' کہنے لگا: جناب محمد! میرا خیال اچھا ہے۔ اگر آپ مجھے

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 321/3، وشرح النووي: 138/6، والبداية والنهاية: 160/4.

قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے (جس کا بدلہ دینا پڑے گا) اور اگر احسان فرمائیں گے تو احسان شناس بنوں گا، البتہ اگر آپ کو مال کی خواہش ہو تو جتنا چاہیں مانگ لیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اسے چھوڑ کر چل دیے۔ اگلے دن آپ نے پھر دریافت فرمایا: ''ثمامہ کیا خیال ہے؟'' کہنے لگا میں آپ سے کہہ چکا ہوں: اگر چھوڑ دیں گے تو احسان شناس پائیں گے، اگر قتل کر دیں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا اور اگر مال چاہیے تو جتنا چاہیں سوال کریں آپ کو مال سے نوازا جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پھر اس کی حالت پر رہنے دیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر دریافت فرمایا: ''ثمامہ! کیا خیال ہے؟'' وہ کہنے لگا: میرا خیال وہی ہے جو آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اگر آزاد کر دو گے تو شکر گزار پاؤ گے، اگر قتل کرو گے تو ایسے شخص کو قتل کرو گے (جس کا بدلہ لیا جائے گا) اور اگر مال چاہتے ہو تو جتنا مانگو گے ملے گا۔''

آپ نے فرمایا: ''ثمامہ کو آزاد کر دو۔'' رہائی پا کر ثمامہ مسجد کے قریب ایک باغ میں گئے، غسل کیا پھر دوبارہ مسجد میں داخل ہوئے اور پکار اٹھے: أَشْهَدُ أَنْ لَّآإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پھر وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: اے محمد! اللہ کی قسم! اس سے قبل روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ محبوب نظر آتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے مجھے آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی دین ناپسند نہ تھا مگر اب آپ کا دین مجھے ہر دین سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے آپ کا شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ ناپسند تھا مگر اب آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جب آپ کے سوار دستے نے مجھے گرفتار کیا تھا، اس وقت میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا۔ فرمائیے اب کیا حکم ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے اسے جنت کی خوش خبری دی اور فرمایا کہ جاؤ عمرہ کرو۔ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے کہا: تو بے دین ہو گیا ہے؟ وہ کہنے لگے: نہیں اللہ کی قسم! میں تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ غور سے سن لو! اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے تمھارے ہاں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔ [1]

پھر وہ یمامہ لوٹ گئے اور مکہ کو ہر قسم کے اناج کی ترسیل بند کر دی۔ آخر مجبور ہو کر مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ (کی منت سماجت کی اور آپ) کو لکھا: ''آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں مگر آپ نے ہم سے تمام رشتے توڑ رکھے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو آپ نے تلوار کی نذر کر دیا اور اب ہمارے بچوں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مکہ کو غلے کی ترسیل جاری کر دیں۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محدث ابن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت ثمامہ کے اسلام لانے، پھر یمامہ جا کر قریش مکہ کا غلہ روک دینے کا واقعہ لکھا ہے، نیز یہ مندرجہ ذیل آیت اس بارے میں نازل ہوئی:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾

''اور بلاشبہ ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا تھا، پھر نہ انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی اور نہ وہ گڑگڑائے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر یمامہ والے مرتد ہو گئے مگر حضرت ثمامہ نہ صرف اسلام پر قائم رہے بلکہ جن لوگوں نے ان کی بات مانی ان کو ساتھ لے کر حضرت علاء

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة وحديث ثمامة بن أثال، حديث: 4372، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب ربط الأسير وحبسه......، حديث: 1764، واللفظ له. [2] فتح الباري: 8/88، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/317. [3] المؤمنون 76:23، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعے کو حسن قرار دیا ہے۔ الإصابة: 525/1.

بن حضرمی کے ساتھ مل گئے اور بحرین کے مرتدین کے ساتھ جنگیں لڑیں۔ [1]

اللہ اکبر! نبیٔ کریم ﷺ کس قدر حلیم و متحمل مزاج تھے اور اس سلسلے میں آپ کا کردار کس قدر مثالی تھا! آپ تالیف قلبی کا کس قدر خیال رکھتے تھے! جس شخص کے مسلمان ہو جانے کی امید ہوتی تھی اس سے انتہائی نرم گفتگو فرماتے تھے۔ بالخصوص اگر وہ ایسا سردار ہوتا جس کی پیروی میں بہت سے لوگوں کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توقع ہوتی، اس پر تو آپ کے لطف وکرم کی موسلا دھار بارش برستی تھی۔

داعیانِ اسلام کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ تحمل و بردباری اپنائیں۔ بدتمیزی کرنے والے سے بھی درگزر کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے حلم وتحمل اور عفوو درگزر نیز احسانِ آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ثمامہ کے دل کا بغض آن واحد میں شدید محبت میں تبدیل ہوگیا بلکہ اس کا اثر ان کی مابعد زندگی میں بھی قائم رہا کہ جب لوگ مرتد ہو رہے تھے وہ اسلام پر ثابت قدم رہے بلکہ اسلام کے داعی بنے رہے۔ [2] انھی کے اشعار ہیں:

أَهُمُّ بِتَرْكِ الْقَوْلِ ثُمَّ يَرُدُّنِي
إِلَى الْقَوْلِ إِنْعَامُ النَّبِيِّ مُحَمَّدِ

شَكَرْتُ لَهُ فَكِّي مِنَ الْغُلِّ بَعْدَ مَا
رَأَيْتُ خَيَالاً مِّنْ حُسَامٍ مُّهَنَّدِ

''میرا عزم تھا کہ کلمہ نہیں پڑھوں گا مگر نبیٔ کریم حضرت محمد ﷺ کے احسان عظیم نے مجھے کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا اور میں نے اپنی آزادی اور جان بخشی پر آپ کا شکریہ ادا کیا جبکہ مجھے قاطع تلواروں کا سایہ نظر آنے لگا تھا۔'' [3]

[1] الإصابة:1/525 . [2] شرح النووي:12/89 ، وفتح الباري:8/88 . [3] الإصابة:1/525 .

8 چادر کھینچنے والے پر مہربانی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے موٹے کنارے والی نجرانی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی پیچھے سے آیا۔ آپ تک پہنچا اور آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ اس کھینچا تانی سے مجھے آپ کی گردن مبارک کے ایک پہلو پر چادر کی رگڑ سے پڑنے والا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا: ''اے محمد! مجھے بھی اللہ کے مال میں سے دیجیے جو آپ کے پاس ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر اسے دیکھا تو مسکرائے، پھر اسے کچھ مال دینے کا حکم دیا۔[1]

یہ واقعہ آپ کے حلم، حسن خلق، عفو و درگزر، صبر و تحمل اور غیر مہذب لوگوں کے اکھڑ سلوک سے صرفِ نظر کی بے نظیر مثال ہے اور یہی چیز تالیف قلب کا سبب بنتی ہے۔ آپ کے بعد آنے والے داعیانِ اسلام اور حکمرانوں کو حلم و درگزر، معافی و چشم پوشی کے سلسلے میں آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور جاہل لوگوں کی بدتہذیبی کا بطریق احسن جواب دینا چاہیے۔[2]

9 قوم کے ظلم پر بخشش کی دعا

آپ کے خلق عظیم اور عفو و حلم ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تکلیف دینے والے لوگوں کے لیے بھی بددعا نہیں کی، حالانکہ بددعا کرنا تو آپ کے اختیار میں تھا۔ اگر آپ بددعا کرتے تو اللہ تعالیٰ مخالفین کو نیست و نابود کر دیتا۔ لیکن آپ انتہائی حلیم و حکیم تھے، آپ کی نظر بہت بلند اور دور رس تھی کہ کسی نہ کسی وقت یہی لوگ یا کم از کم ان کی نسلیں

1 صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3149، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، حديث: 3157. 2 فتح الباري: 506/10، وشرح النووي: 146/7.

اسلام لائیں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کو (تصور کی آنکھوں سے) دیکھ رہا ہوں۔ آپ ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے جنھیں ان کی قوم نے اس قدر مارا کہ انھیں خون آلود کر دیا، وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

”اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے۔ یہ مجھے نہیں پہچانتی۔“ [1]

نبیٔ کریم ﷺ نے بردباری اور تحمل کی تعریف فرمائی ہے اور اسے خلق عظیم قرار دیا ہے۔ آپ نے قبیلہ عبدالقیس کے سردار حضرت منذر بن عائذ (الاشج) رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

”تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے: تحمل و نرم مزاجی۔“ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ منذر بن عائذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں نے یہ خوبیاں (غیر محسوس طور پر) ازخود اپنا لی ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے میری طبیعت میں ودیعت فرمائی تھیں؟ آپ نے فرمایا:

«بَلِ اللهُ جَبَلَكَ عَلَيْهِمَا»

”اللہ تعالیٰ نے یہ صفات شروع ہی سے تجھ میں پیدا کی تھیں۔“

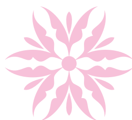
[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب حدثنا أبو اليمان، حديث: 3477، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة أحد، حديث: 1792. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالى و رسوله......، حديث: 17.

وہ کہنے لگے: شکر اللہ کا جس نے مجھ میں ایسی خصلتیں پیدا فرمائیں جنھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی پسند کرتے ہیں۔ [1]

نبیٔ کریم ﷺ حلم و بردباری کو نہ صرف خود پسند کرتے تھے بلکہ ان اوصاف سے خود بھی بدرجۂ اتم متصف تھے۔

10 جادو کرنے والے یہودی کو معافی

آپ کے عفو و درگزر کی نایاب مثال وہ سلوک ہے جو آپ نے اس یہودی سے کیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ آپ نے اس یہودی کو کچھ نہ کہا۔ کچھ کہنا تو درکنار آپ نے فوت ہونے تک کبھی اس کے چہرے پر بھی نظر نہیں ڈالی۔ [2]



1 سنن أبي داود، الأدب، باب قبلة الرِّجل، حديث:5225، ومسندأحمد:206/4 .

2 سنن النسائي، تحريم الدم، باب سحرة أهل الكتاب، حديث:4085، ومسند أحمد: 367/4 .

باب:12

تفکر و تدبر اور متحمل مزاجی

اس وقت تک کوئی داعی اپنی دعوت کو کامیاب نہیں بنا سکتا جب تک وہ اپنے تمام معاملات و تصرفات میں احتیاط نہ برتے اور تحقیق و تفتیش سے کام نہ لے۔ نبئ کریم ﷺ اس صفتِ لازم کے ساتھ بخوبی متصف تھے۔ آپ ﷺ سے منقول بہت سی صحیح احادیث اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ یہاں ہم بطور مثال چند احادیث بیان کرتے ہیں:

1 حضرت اسامہ کا واقعہ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما خود بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قوم جہینہ کے ایک قبیلہ حُرقہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ہم نے صبح کے وقت اس قوم پر حملہ کر دیا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے ایک انصاری صحابی کی معیت میں ان کے ایک آدمی کو گھیر لیا۔ جب ہم نے اس پر قابو پالیا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ انصاری ساتھی تو کلمہ سن کر ایک طرف ہٹ گیا لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب ہم واپس مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ اطلاع مل گئی۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

«يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟» قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ: فَقَالَ: «أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟» قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ

أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ»

’’اسامہ! کیا تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا؟‘‘ میں نے کہا: اللہ کے رسول! وہ تو اس نے جان بچانے کے لیے پڑھا تھا۔لیکن آپ بار بار یہی فرماتے رہے: ’’ارے تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا؟!‘‘ حتی کہ میں نے چاہا کاش! میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا (تا کہ یہ گناہ مجھ سے حالتِ کفر میں سرزد ہوا ہوتا اور آج اسلام لانے کی وجہ سے معاف ہو جاتا۔)‘‘ [1]

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا ؟»

’’تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے یہ کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟‘‘ آپ بار بار یہ الفاظ دہراتے رہے حتی کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کاش! میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہوتا۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے:

«فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! اسْتَغْفِرْلِي، قَالَ: «فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» فَقَالَ: فَجَعَلَ لَا يَزِيدُهُ عَلٰى أَنْ يَّقُولَ: «كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ أسامة إلى الحُرَقات......، حديث: 4269، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله، حديث: (159)-96، واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله، حديث: (158)-96.

''جب یہ کلمہ قیامت کے دن آ کر فریاد کرے گا تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیے۔ آپ نے پھر فرمایا: ''جب وہ قیامت کے دن تمھارے خلاف دعویٰ کرے گا، اس وقت تم لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے؟'' آپ بار بار یہی جملہ ارشاد فرماتے رہے: ''تم لا الہ الا اللہ کے بارے میں کیا جواب دو گے جب وہ تمھارے خلاف قیامت کے دن آئے گا؟''[1]

اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نہایت احتیاط فرمایا کرتے تھے اور اچھی طرح تحقیق کرتے تھے۔ کسی کافر بستی پر بھی اس وقت تک حملہ آور نہ ہوتے تھے جب تک آپ کو یقین نہ ہو جاتا کہ یہاں اسلام کے کسی بھی حکم پر عمل نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جب لشکر لے کر کسی قوم پر حملے کے لیے جاتے تو فوراً حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صبح تک انتظار کرتے تھے۔ اگر کہیں سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ نہیں کرتے تھے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو بھرپور حملہ کر دیتے تھے۔[2]

2 لڑائی سے قبل دین کی دعوت

نبیٔ کریم ﷺ دین کی دعوت کے سلسلے میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صبر وتحمل اور تحقیق و تفتیش کی تلقین کرتے تھے۔ امیر لشکر کو تاکید فرماتے تھے کہ لڑائی سے پہلے دشمن کو تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرنے کی دعوت دی جائے:

❀ مسلمان ہو جاؤ اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کرو یا صرف مسلمان ہو جاؤ ہجرت نہ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر......، حديث: 97. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب مايحقن بالأذان من الدماء، حديث: 610، و صحيح مسلم، الصلاة، باب الإمساك عن الإغارة على قوم......، حديث:382.

کرو اور عام اعراب کی طرح رہو۔

❀ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔

❀ اگر وہ دونوں باتیں نہ مانیں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے لڑائی شروع کر دو۔ [1]

3 نماز میں سکون و وقار ملحوظ رکھنے کی تاکید

نبی ٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جلد بازی سے منع فرمایا اور سکون و وقار کی تلقین فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

''جب جماعت کی اقامت ہو جائے تو جماعت میں شامل ہونے کے لیے بھاگ کر نہ آؤ بلکہ سکون و اطمینان سے چلو اور جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ جتنی نماز مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے بعد میں پوری کر لو۔'' [2]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ»

''جب جماعت کی اقامت ہو جائے تو جب تک مجھے نکلتا نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہو جاؤ۔'' [3]

[1] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب تأمير الإمام الأمراء......، حديث:1731. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة......، حديث: 908، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بسكينة ووقار، حديث:602. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب متى يقوم الناس للصلاة، حديث:604.

سکون وتحمل بڑا رفیع الشان وصف ہے جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت منذر بن عائذ الاشج رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ : اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

”تجھ میں دو خوبیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے: تحمل اور نرم مزاجی۔“[1]

انبیائے کرام علیہم السلام تمام مخلوق سے افضل، بہترین اور منتخب شدہ لوگ ہوتے ہیں اور لوگوں کے لیے پیشوا ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ سب سے زیادہ تحمل اور بردباری والے ہوتے ہیں اور اس خوبی میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔

4 دورانِ جنگ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ طلوعِ فجر تک حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ اذان سننے کا انتظار کرتے تھے۔ اگر اذان سنائی دیتی تو حملہ نہ کرتے بصورتِ دیگر حملہ آور ہو جاتے۔ ایک جنگ کے موقع پر آپ نے ایک آدمی کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا:

«اَللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ» فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «عَلَى الْفِطْرَةِ» ثُمَّ قَالَ : «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ»

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ شخص فطرت (اسلام) پر قائم ہے۔“ پھر اس نے کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو آگ سے نجات پا گیا۔“[2]

1 صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله و رسوله......، حديث: 18 .

2 صحيح مسلم، الصلاة، باب الإمساك عن الإغارة على قوم في دارالكفر......، حديث: 382 .

انھی (انس) سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے تھے تو طلوعِ صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ انتظار کرتے تھے۔ اگر اذان سنائی دیتی تو حملہ نہیں کرتے تھے، اگر اذان سنائی نہ دیتی تو بھرپور حملہ کر دیتے تھے۔'' [1]

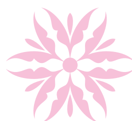
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صبر وسکون سے کام لیتے تھے جلد بازی نہ کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ، وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ، جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

''اچھا خلق، سکون و وقار اور میانہ روی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔'' [2]

اس ارشاد مبارک کی رو سے ثابت ہوا کہ صبر وتحمل، سکون و وقار اور حزم واحتیاط ہر کام میں قابل تعریف ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ ضوابط کی پابندی کی جائے سوائے اس کے کہ کسی کام میں تیزی اور جلدی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو، نیز اُخروی کاموں میں عجلت ہی مستحسن ہے۔ [3]



[1] صحيح البخاري، الأذان، باب مايحقن بالأذان من الدماء، حديث: 610 . [2] جامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في التأني والعجلة، حديث: 2010، وفيض القدير للمناوي: 3617/7، حديث: 2826,2825 . [3] شرح السنة للبغوي: 177/13، حديث: 3599، وتحفة الأحوذي: 117/6 .

باب:13

نرم خوئی

نرم خوئی کی ترغیب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ»

”جس آدمی کو نرم خوئی میں سے کچھ حصہ دے دیا گیا اسے دنیا و آخرت میں سے اس کا پورا پورا حصہ دے دیا گیا، نیز صلہ رحمی اور حسن خلق اور پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ یہ دونوں گھروں کو آباد کرتے اور عمر میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔“[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معاملات میں نرمی کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ عملی طور پر بھی آپ نے اس کی اہمیت کو خوب واضح کیا ہے تاکہ آپ کی امت، خصوصاً داعیانِ اسلام کے لیے اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ بھی بہت سی دیگر احادیث نرمی اختیار کرنے کی فضیلت واضح کرتی ہیں۔ ان میں سختی اور سختی کرنے والوں کی

[1] مسند أبي يعلى الموصلي: 24/8، حديث: 4530، نیز دیکھیے سلسلة الأحاديث الصحيحة: 48/2، حديث: 519.

مذمت بھی کی گئی ہے کیونکہ نرمی ہر خیر کے حصول کا ذریعہ ہے اور ہر کام نرمی سے آسان ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نرمی کے برتاؤ سے جو ثواب حاصل ہوتا ہے وہ سختی یا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہوتا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے امت پر مشقت ڈالنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس گھر میں فرماتے ہوئے سنا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! مَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَّلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»

''اے اللہ! جو شخص میری امت کا حکمران بنے اور اس پر مشقت ڈالے، تو بھی اس پر مشقت ڈال اور جو شخص میری امت پر حکمران بنے اور اس کے ساتھ نرمی برتے، اے اللہ! تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔'' [2]

نبی ٔکریم ﷺ کسی صحابی کو کسی کام پر بھیجتے تو اسے نرمی اختیار کرنے کی تاکید کرتے اور سختی کے ذریعے سے لوگوں کو متنفر کرنے سے منع کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کسی صحابی کو کسی کام کے لیے بھیجتے تو فرماتے:

«بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا، وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا»

''لوگوں کو خوش رکھو، متنفر نہ کرو۔ لوگوں کے لیے آسانی مہیا کرو، انھیں تنگی میں نہ ڈالو۔'' [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

1 فتح الباري: 449/10، وشرح النووي 145/16 . 2 صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فضيلة الإمام العادل......، حديث: 1828 . 3 صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الأمر بالتيسير و ترك التنفير، حديث: 1732 .

«إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ»

''جب اللہ تعالیٰ کسی کے اہل خانہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر نرمی نازل کر دیتا ہے۔''[1]

نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجتے وقت فرمایا تھا:

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا»

''تم ان پر آسانی کرنا تنگی نہ کرنا۔ لوگوں کو خوش رکھنا، متنفر نہ کرنا اور تم دونوں آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف نہ کرنا۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا»

''لوگوں کے لیے آسانی مہیا کرو، انھیں تنگ نہ کرو، خوش رکھو، متنفر نہ کرو۔''[3]

ان احادیث مبارکہ میں آسانی کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ متنفر کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ اس طرح نبیٔ کریم ﷺ نے اضداد کو جمع کر دیا ہے کیونکہ انسان کبھی آسانی کرتا ہے اور کبھی تنگی، کسی وقت خوش کرتا ہے اور کسی وقت متنفر۔ اگر آپ صرف آسانی کا حکم دینے پر اکتفا کرتے تو جو شخص زندگی میں ایک یا دو دفعہ بھی آسانی کر دیتا، وہ اس حکم سے عہدہ برآ ہو جاتا، چاہے وہ اپنی زندگی میں بے شمار دفعہ لوگوں کو تنگ کرنے

1 مسند أحمد: 71/6، نیز دیکھیے سلسلة الأحاديث الصحيحة: 219/3، حديث: 1219.
2 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع......، حديث: 3038، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الأمر بالتيسير......، حديث: 1733. 3 صحيح البخاري، العلم، باب ماكان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة......، حديث: 69، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الأمر بالتيسير......، حديث: 1732.

کا مرتکب ہوا ہو۔ جب آپ نے تنگی نہ کرنے کا حکم بھی دے دیا تو یہ گنجائش باقی نہ رہی، یعنی اب کوئی شخص کبھی کسی کو تنگ نہیں کر سکے گا۔ یہی آپ کا منشا و مطلوب تھا۔اسی طرح خوش کرنے کا حکم دینے کے بعد متنفر نہ کرنے کا حکم بھی جاری کیا تا کہ کسی کو کسی بھی حالت میں متنفر نہ کیا جا سکے۔ آپس میں موافقت اور اتفاق کا حکم دینے کے بعد باہمی مخالفت اور اختلاف سے بھی روکا تا کہ کسی بھی وقت کسی بھی مسئلے میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کی جائے۔ ان احادیث میں لوگوں کو خوش کرنے پر عظیم ثواب، گراں قدر عطیات، اللہ کے فضل کبیر اور وسیع رحمت کی خوشخبری دی گئی ہے اور لوگوں کو متنفر کرنے پر مختلف قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

ان ارشادات نبوی کا مقصد یہ ہے کہ نومسلم حضرات کی تالیف قلب کی جائے اور ان پر زیادہ سختی نہ کی جائے۔ اسی طرح قریب البلوغ بچے یا نئے بالغ ہونے والے افراد یا جن لوگوں نے گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد نیکی کی زندگی شروع کی ہو، ان سب کو تدریجی طور پر آہستہ آہستہ طاعات وعبادات کی طرف لایا جائے۔ ان پر یکبارگی بوجھ نہ ڈالا جائے تا کہ ان کے لیے شریعت پر عمل آسان ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص دائرۂ اسلام میں آنا چاہتا ہے اسے آسان آسان کام بتائے جائیں جب وہ عادی ہو جائے تو دوسرے فرائض و مستحبات بھی خود بخود ادا کرنے لگے گا لیکن اگر ابتدا ہی سے اس پر سختی کی گئی تو ممکن ہے وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہ ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو بھی گیا تو ممکن ہے کہ اسلام پر قائم نہ رہ سکے اور کفر کی طرف لوٹ جائے۔ تعلیم کے لیے بھی تدریج کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ وعظ و نصیحت میں بھی لوگوں کی خوش دلی کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ روزانہ وعظ نہیں کرتے تھے مبادا وہ اکتا جائیں۔[1]

[1] دیکھیے فتح الباري:1/163,162 ، نیز دیکھیے شرح النووي:4/40 .

قربان جائیں رسول اللہ ﷺ پر کہ آپ نے اپنی امت کو ہر نیکی اور اچھے کام سے مطلع فرما دیا اور ہر گناہ اور برے کام سے آگاہ و خبردار کر دیا۔ امت پر مشقت ڈالنے والے کے لیے بددعا فرمائی اور آسانی مہیا کرنے والے کو دعا دی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ لوگوں پر مشقت ڈالنے کے بارے میں یہ آپ کی سب سے دُور رس ڈانٹ ہے اور ان پر نرمی کرنے کے متعلق سب سے عظیم ترغیب ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی نرم روی کے عملی مظاہر

رسول اللہ ﷺ دوسروں کے ساتھ خود بھی نرمی کرتے اور نرمی کرنے کو پسند بھی کرتے تھے۔ چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

1 زنا کی اجازت مانگنے والے نوجوان سے نرمی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک نوجوان نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ یہ بات سن کر حاضرین طیش میں آ گئے۔ اسے لعن طعن کرنے اور یہ کہنے لگے: خاموش ہو جا! لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے نہایت تحمل و بردباری سے فرمایا:

«أُدْنُهْ» فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا، قَالَ: «أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» قَالَ: لَا وَاللهِ! جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ» قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟» قَالَ: لَا وَاللهِ! جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «وَلَا

[1] شرح النووي: 213/12.

النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ» قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ؟» قَالَ: لَا وَاللهِ! جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ» قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟» قَالَ: لَا وَاللهِ! جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ» قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟» قَالَ: لَا وَاللهِ! جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ» قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ»

''میرے قریب آ جاؤ۔'' وہ آپ کے بالکل قریب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا تو اسے اپنی ماں کے لیے پسند کرتا ہے؟'' وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا کام پسند نہیں کریں گے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تو اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتا ہے؟'' وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: ''لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہ کام برداشت نہیں کرتے۔'' پھر فرمایا: ''کیا تو پسند کرے گا کہ تیری بہن کے ساتھ ایسا کام ہو؟'' اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ نے فرمایا: ''لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ ایسا کام پسند نہیں کر سکتے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تو اپنی پھوپھی کے ساتھ ایسا کام برداشت کرے گا؟'' وہ کہنے لگا: ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ پر فدا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: ''لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے ساتھ ایسا کام پسند نہیں کرتے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تو چاہتا ہے کہ تیری خالہ کے ساتھ کوئی شخص یہ کام کرے؟'' وہ کہنے

لگا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کا فدائی بنائے، پھر آپ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے، اس کے دل کو پاکیزہ کر دے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ فرما دے۔''

وہ نوجوان ایسا باز آیا کہ اس کے بعد ایسی گھناؤنی حرکت کا دل میں خیال تک نہ لاتا تھا۔[1]

اس نوجوان کے ساتھ آپ کا یہ اصلاحی برتاؤ تمام داعیانِ اسلام کے لیے سبق آموز ہے۔ اس لیے دعوت الی اللہ کے داعیوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کریں اور حسن سلوک سے کام لیں، خصوصاً ان لوگوں کے ساتھ جن کے قبول اسلام کی امید ہے اور نو مسلم حضرات کے ساتھ تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو جائے اور وہ اسلام پر اچھی طرح کاربند ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر بھی نرم رویے کا ثبوت دیا اور اپنے فرامین کے ذریعے سے بھی تمام معاملات میں نرمی کا حکم دیا۔

2 یہودیوں سے نرمی کا سلوک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (شریر لہجے میں) کہنے لگے: اَلسَّامُ عَلَيْكُم ''تمھیں موت آئے'' میں سمجھ گئی، میں نے فوراً جواب دیا: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ ''تم پر موت اور لعنت برسے۔'' رسول اللہ ﷺ مجھ سے فرمانے لگے:

«مَهْلاً يَّا عَائِشَةُ! إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ قُلْتُ:

1 مسند أحمد: 257,256/5، والمعجم الكبير للطبراني: 191,190/8، حديث: 7679.

وَعَلَيْكُمْ»

”عائشہ! نرم زبان استعمال کرو۔ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی پسند کرتا ہے۔“ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ نے سنا نہیں، ان لوگوں نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: ”میں نے کہہ تو دیا: وَعَلَيْكُمْ (تمھارے ساتھ یہی سلوک ہو۔)“ [1]

آپ نے مزید فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلٰى مَا سِوَاهُ»

”عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ اس کے سوا کسی شے پر۔“ [2]

مزید فرمایا:

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»

”نرمی جس چیز میں بھی ہو اس کے لیے زینت بن جاتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکل جائے وہ عیب دار بن جاتی ہے۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا۔

اس سلسلے میں آپ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الرفق في الأمر كله، حديث: 6024. [2] صحيح مسلم، البر و الصلة......، باب فضل الرفق، حديث: 2593. [3] صحيح مسلم، البر و الصلة......، باب فضل الرفق، حديث: 2594.

«مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ»

’’جو شخص نرمی سے محروم رہے گا، وہ بھلائی سے محروم رہے گا۔‘‘ [1]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ»

’’جس شخص کو نرمی سے کچھ حصہ مل گیا اسے خیر سے پورا حصہ مل گیا اور جو شخص نرمی کے کچھ حصے سے محروم رہا وہ خیر کے حصے سے محروم رہا۔‘‘ [2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہی سے مرفوع روایت ہے:

«مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ أَثْقَلَ فِي الْمِيزَانِ مِنَ الْخُلُقِ الْحَسَنِ»

’’جس شخص کو نرمی سے کچھ حصہ دیا گیا اسے خیر سے پورا حصہ دیا گیا اور (قیامت کے دن) ترازو میں کوئی چیز حسنِ خلق سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی۔‘‘ [3]

3 مسجد میں پیشاب کر دینے والے سے نرمی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ وہ کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف لپکے اور کہنے لگے: ’’ارے ارے! کیا کر رہا ہے؟‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

1 صحيح مسلم، البر و الصلة، باب فضل الرفق، حديث:2592. 2 جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في الرفق، حديث: 2013. 3 مسند أحمد: 451/6، نیز دیکھیے سلسلة الأحاديث الصحيحة:535/2، حديث:876.

«لَا تُزْرِمُوهُ، دَعُوهُ» فَتَرَكُوهُ حَتّٰى بَالَ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: «إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ، وَلَا الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ، وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ»

''اب اس کا پیشاب بند نہ کراؤ۔ اسے پیشاب کرنے دو۔'' وہ رک گئے۔ جب اعرابی پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: ''یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی وغیرہ کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں۔''

یا جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ پھر آپ نے ایک شخص کو حکم دیا، اس نے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دیا۔[1]

صحیح بخاری میں آتا ہے کہ یہی اعرابی وہ شخص ہے جس نے کہا تھا:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا أَحَدًا»

''اے اللہ! محمد ﷺ اور مجھ پر رحم فرما، ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہ فرما۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، چنانچہ ایک اعرابی نماز کی حالت میں کہنے لگا:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا أَحَدًا» فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: «لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا»

''اے اللہ! محمد ﷺ اور مجھ پر رحم فرما کسی اور پر رحم نہ فرما۔'' جب رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره......، حديث: 285. صحیح بخاری میں بھی اسی مفہوم کی روایت ہے۔ دیکھیے صحيح البخاري، الوضوء، باب ترك النبي ﷺ والناس الأعرابي حتى فرغ من بوله في المسجد، حديث: 219.

نے سلام پھیرا تو آپ نے اس سے فرمایا: ’’تو نے ایک وسیع تر چیز (اللہ تعالیٰ کی رحمت) کو تنگ کر دیا ہے۔‘‘ [1]

صحیح بخاری کے علاوہ دوسری روایات اس روایت کی مزید وضاحت کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر کہنے لگا:

اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَّلَا تَرْحَمْ مَّعَنَا أَحَدًا. فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا» ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ أَنْ بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَسْرَعَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ، أَهْرِيقُوا عَلَيْهِ دَلْوًا مِّنْ مَّاءٍ، أَوْ سَجْلاً مِّنْ مَّاءٍ»

اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما۔ ہمارے علاوہ کسی اور پر اپنی رحمت نہ کر۔‘‘ نبیٔ کریم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ’’تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے۔‘‘ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اس کی طرف لپکے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں روکا اور فرمایا: ’’تمھیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے تنگی ڈالنے والے نہیں، پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول اس جگہ بہا دو اور بس۔‘‘ [2]

وہ اعرابی آداب سیکھنے اور مہذب بن جانے کے بعد کہا کرتا تھا:

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6010، وسنن النسائي، السهو، باب الكلام في الصلاة، حديث: 1217، واللفظ له. [2] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في البول يصيب الأرض، حديث: 147، و مسند أحمد: 239/2، واللفظ له.

«فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيَّ ، بِأَبِي وَأُمِّي ، فَلَمْ يَسُبَّ ، وَلَمْ يُؤَنِّبْ ، وَلَمْ يَضْرِبْ»

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! آپ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے مجھے برا کہا نہ ڈانٹا اور نہ مارا پیٹا۔''[1]

نبیٔ کریم ﷺ نہایت دانا اور حکیم تھے۔ آپ کے تمام کاموں میں کوئی نہ کوئی بلند حکمت ضرور موجود ہوتی تھی۔ جو شخص بھی آپ کے اخلاقِ عالیہ، نرمی، عفو و درگزر اور صبر و تحمل کا مطالعہ کرے گا، اسے اس حقیقت کا یقین ہو جائے گا اور اس کے ایمان میں مزید پختگی آ جائے گی۔

دیکھیے! اس اعرابی نے کئی کام ایسے کیے جن سے خواہ مخواہ غصہ آ جاتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ سزا کا مستحق تھا، تبھی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی مرمت کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کی تھی مگر نبیٔ کریم ﷺ نے اسے کچھ کہنے سے منع فرما دیا۔

یہ انتہا درجے کی نرمی، شفقت و رحمت اور تحمل و بردباری ہے۔ انھی خوبیوں کے مجموعے کا نام حکمت ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے بھی اس دیہاتی کے غلط کام پر اسے روکا لیکن حکمت و دانائی سے روکا، پھر جب اس نے کہا: ''اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما، ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہ کر۔'' تو آپ نے فرمایا:

«لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا»

''بھئی! تو نے تو ایک لامتناہی چیز کو محدود کر دیا ہے۔''[2]

کیونکہ اللہ کی رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[1] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الأرض يصيبها البول……، حديث: 529، و مسند أحمد: 503/2، واللفظ له. [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، حديث: 380، وسنن النسائي، السهو، الكلام في الصلاة، حديث: 1217.

﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ﴾

''اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔''[1]

اس اعرابی نے کنجوسی سے کام لیا اور اللہ کی رحمت سے مخلوق کو محروم رکھنے کی کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو سب کے لیے رحمت کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ﴾

''جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: رب کریم! ہمیں بھی معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے۔''[2]

چونکہ اس اعرابی نے اس امر کے خلاف دعا کی، لہٰذا آپ نے اسے نرمی اور شفقت سے سمجھایا۔[3]

پھر جب اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو آپ نے اسے روکنے سے منع کر دیا کیونکہ اس نے یہ غلط کام شروع تو کر دیا تھا، چنانچہ اگر اسے روکا جاتا تو خرابی مزید بڑھ جاتی۔ مسجد کا تو تھوڑا سا حصہ ہی پلید ہوا تھا۔ اگر آپ اسے پیشاب کرنے سے روک دیتے تو اس سے دو طرح کی خرابیاں ہو سکتی تھیں:

- وہ اپنا پیشاب روک لیتا تو ایک مرتبہ پیشاب کے نکلنے کے بعد اسے روکنے سے اعرابی کو کوئی جسمانی تکلیف ہو سکتی تھی۔
- اس طرح پیشاب روکنے سے اس کا بدن، کپڑے یا مختلف جگہوں سے مسجد کے پلید

[1] الأعراف 7:156 . [2] الحشر 59:10 . [3] دیکھیے فتح الباري:10/439 .

ہونے کا خدشہ تھا۔

نبیٔ کریم ﷺ نے اس مصلحت کے پیش نظر اسے روکنے ٹوکنے سے منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی خرابی سے بچنے کے لیے چھوٹی خرابی کو قبول کیا جا سکتا ہے اور بڑی مصلحت کے حصول کے لیے چھوٹی مصلحت ترک کی جا سکتی ہے۔[1]

اور یہ بڑی عظیم حکمتوں میں سے ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیشہ مصالح کو مدنظر رکھا اور حکمت کے ساتھ مفاسد سے بچنے کی کوشش کی، نیز اپنی امت خصوصاً داعیانِ اسلام کے لیے بہترین طریقِ کار متعین کر دیا کہ جاہل اور ناواقف شخص کس طرح سے نرمی کا مستحق ہے کہ اسے بغیر سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کے ضروری تعلیم مہیا کی جائے، اسے برا کہا جائے نہ کوئی تکلیف دی جائے بشرطیکہ اس کی غلطی ضد اور تکبر کی بنا پر نہ ہو۔

آپ کی اس نرمی، شفقت اور تالیفِ قلب کا اس اعرابی کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ وہ آپ کی شفقت کو آخری سانس تک نہ بھول سکا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق مہذب بن جانے کے بعد وہ انتہائی والہانہ انداز میں اس کا تذکرہ یوں کرتا تھا: ”میرے ماں باپ نبیٔ کریم ﷺ پر فدا ہو جائیں! آپ میری طرف بڑھے اور مجھے پیار سے سمجھا دیا۔ آپ نے مجھے ڈانٹا نہ برا بھلا کہا اور نہ مارا پیٹا۔“[2]

4 حضرت معاویہ بن حَکَم کا واقعہ

حضرت معاویہ بن حَکَم سُلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی کو چھینک آ گئی۔ میں نے يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ دیا۔ لوگ مجھے دورانِ نماز ہی گھورنے لگے۔ میں نے کہا: ہائے! میری ماں مجھے گم پائے! (میں

[1] دیکھیے فتح الباري:325/1، و شرح النووي: 191/3 . [2] دیکھیے سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الأرض يصيبها البول......، حديث:529، و مسند أحمد:503/2 .

مر جاؤں) تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟'' وہ تنبیہ کے انداز میں اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے چپ کرا رہے ہیں۔ میں چپ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے مجھے بلایا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں! میں نے آپ جیسا بہترین معلم و مربی پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔ اللہ کی قسم! آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بلکہ فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»

''نماز میں کسی سے بات کرنا درست نہیں، اس میں تو صرف تسبیح و تکبیر اور قراءت قرآن ہی ہونی چاہیے۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارا دور جاہلیت بالکل قریب ہے۔ اب اللہ کا فضل ہے اسلام آ چکا ہے۔ ہم میں سے کچھ لوگ ابھی تک کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَلَا تَأْتِهِمْ» قَالَ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَّتَطَيَّرُونَ، قَالَ: «ذَاكَ شَيْءٌ يَّجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ» قَالَ: قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَّخُطُّونَ، قَالَ: «كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَا وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ»

''تم ہرگز کسی کاہن کے پاس نہ جانا۔'' میں نے کہا: ہم میں سے کچھ لوگ بدشگونی لیتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ صرف ان کی ذہنی چیز ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے تم کسی کام سے نہ رکو۔'' میں نے کہا: ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچ کر چند باتیں معلوم کرتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ایک نبی یہ کام کرتا تھا، اگر کسی کے خطوط

اس نبی کے موافق ہوں تو ٹھیک ہے (ورنہ نہیں۔)''[1]

حضرت معاویہ فرماتے ہیں: میری ایک لونڈی احد پہاڑ کی طرف جوانیہ[2] کے مقام پر میری بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن میں ادھر جا نکلا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا میری بکری اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ میں چونکہ ایک عام سا انسان تھا، مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے لونڈی کو ایک زبردست تھپڑ جڑ دیا۔ بعد ازاں مجھے افسوس ہوا، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے بہت بڑا جرم قرار دیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اسے آزاد ہی نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

«اِئْتِنِي بِهَا» فَأَتَيْتُهُ بِهَا ، فَقَالَ لَهَا : «أَيْنَ اللهُ؟» قَالَتْ : فِي السَّمَاءِ ، قَالَ : «مَنْ أَنَا؟» قَالَتْ : أَنْتَ رَسُولُ اللهِ، قَالَ : «أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»

''اسے میرے پاس لے کر آؤ۔'' میں لے آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: ''اوپر آسمانوں میں'' پھر آپ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' وہ بولی: ''آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' آپ نے مجھ سے فرمایا: ''اسے آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے۔''[3]

[1] اس خط کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول کے مطابق اس کے معنی ہیں: جس کا خط نبی کے موافق ہو گیا تو یہ مباح ہے۔ لیکن ہمیں اس کا یقینی علم نہیں ہے، لہٰذا یہ جائز نہ ہوا بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ مباح تو موافقت کے یقین کے ساتھ ہونا تھا، وہ ہمیں نہیں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ہماری شریعت میں منسوخ ہے۔ علماء کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نہی پر اتفاق ہے، لہٰذا یہ حرام ہوا۔ (شرح النووي على صحيح مسلم: 23/5) [2] جوّانيه: یہ مدینے کے شمال میں احد پہاڑ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ (شرح النووي على صحيح مسلم: 23/5) [3] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث:537 .

ذرا رسالت مآب ﷺ کے اس عظیم طرزِ عمل پر غور کیجیے کہ آپ نے کس قدر زبردست حکمت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کا حضرت معاویہ کے دل اور زندگی پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ انسانی فطرت ہے کہ جو شخص کسی سے اچھا سلوک کرے، وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ تبھی تو حضرت معاویہ فرمایا کرتے تھے: ''میری جان آپ پر قربان! اللہ کی قسم! میں نے آپ جیسا بہترین معلم آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔'' صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

5 کھاتے وقت ادھر ادھر ہاتھ چلانے پر نصیحت

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں چھوٹا بچہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر پرورش پاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ کھاتے وقت میرا ہاتھ ساری پلیٹ میں ادھر اُدھر گھوم رہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! سَمِّ اللهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»

''بیٹے! اللہ کا نام لے کر، دائیں ہاتھ کے ساتھ، اپنے سامنے (اور قریب) سے کھاؤ۔''

پھر اس کے بعد میرے کھانے کا اسلوب ہمیشہ یہی رہا۔[1]

6 کفارہ ادا کرنے سے قبل بیوی سے یکجائی پر نرمی

حضرت سلمہ بن صخر انصاری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں: میں گھر سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ کو پورا واقعہ سنایا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

«أَنْتَ بِذَاكَ؟» فَقُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ، فَقَالَ: «أَنْتَ بِذَاكَ؟» فَقُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ، فَقَالَ: «أَنْتَ بِذَاكَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ هَا أَنَذَا، فَامْضِ فِيَّ

1 صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث: 5376، وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث:2022.

حُكْمَكَ فَإِنِّي صَابِرٌ لَّهُ، قَالَ: «أَعْتِقْ رَقَبَةً» قَالَ: فَضَرَبْتُ صَفْحَةَ رَقَبَتِي وَقُلْتُ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا أَصْبَحْتُ أَمْلِكُ غَيْرَهَا، قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ» قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! وَهَلْ أَصَابَنِي مَا أَصَابَنِي إِلَّا فِي الصِّيَامِ، قَالَ: «فَتَصَدَّقْ» قَالَ: قُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَقَدْ بِتْنَا لَيْلَتَنَا هٰذِهِ وَحْشًا مَّا لَنَا عَشَاءٌ، قَالَ: «اذْهَبْ إِلٰى صَاحِبِ صَدَقَةِ بَنِي زُرَيْقٍ فَقُلْ لَّهُ: فَلْيَدْفَعْهَا إِلَيْكَ، فَأَطْعِمْ عَنْكَ مِنْهَا وَسْقًا ثُمَّ اسْتَعِنْ بِسَائِرِهِ عَلَيْكَ وَعَلٰى عِيَالِكَ»

''ارے! تو نے یہ کام کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: جی مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔'' تین دفعہ یہی مکالمہ ہوا۔ آخر میں نے کہا: میں حاضر ہوں، آپ جو فیصلہ فرمائیں میں اس پر صبر کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کر۔'' میں نے اپنی گردن پر ہاتھ مارتے ہوئے عرض کی: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنایا! میرے پاس تو اس کے علاوہ اور کوئی گردن (غلام) نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تم دو ماہ کے روزے رکھو۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ ساری مصیبت روزے ہی کی وجہ سے پیش آئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر صدقہ دے۔'' میں نے کہا: قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا! یہ رات ہم سب نے بھوک کی حالت میں بسر کی ہے۔ ہمارے گھر رات کا کھانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: ''پھر اپنے قبیلے بنوزریق میں صاحب زکاۃ (عامل) کے پاس چلا جا اور کہہ کہ زکاۃ کے مال میں سے تجھے کچھ دے دے، پھر اس میں سے ایک وسق غرباء پر صدقہ کر دے۔ باقی خود کھا اور اپنے بیوی بچوں کو کھلا۔''

میں خوشی خوشی اپنی قوم کے پاس لوٹ گیا اور کہا: تم نے میرے بارے میں بڑی بری رائے اور تنگ دلی ظاہر کی تھی مگر رسول اللہ ﷺ کے ہاں تو میں نے بڑی وسعت، آسانی اور برکت پائی ہے۔ آپ نے مجھے تمھی سے زکاۃ لینے کا حکم دیا ہے۔ لاؤ مجھے دو، پھر انھوں نے مجھے زکاۃ دے دی۔ [1]

7 قبر پر رونے والی عورت کے ساتھ نرمی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«اِتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي»

''تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔''

وہ کہنے لگی: تم جاؤ۔ تمھیں مجھ جیسی مصیبت نہیں پہنچی۔ دراصل اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ یہ تو نبیٔ کریم ﷺ تھے۔ وہ اس قدر گھبرا گئی کہ اپنا غم بھول گئی اور فوراً نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچی۔ وہاں کوئی دربان وغیرہ نہیں تھا۔ وہ آپ سے معذرت کرنے لگی: میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے اسے کچھ نہ کہا اور وضاحت فرمائی:

«إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى»

''صبر وہ ہوتا ہے جو صدمے کے شروع میں کیا جائے۔'' [2]

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ ناواقف اور ناخواندہ شخص کے ساتھ خصوصی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے اور اس پر کوئی گرفت نہیں کرتے تھے۔

1 سنن أبي داود، الصيام، باب كفارة من أتى أهله في رمضان، حديث:2390، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كفارة الظهار في رمضان، حديث: 724، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في كفارة من أفطر، حديث: 1671، ومسند أحمد: 37/4، واللفظ له. 2 صحيح البخاري، الجنائز، باب زيارة القبور، حديث: 1283.

باب: 14

رسول اللہ ﷺ کا صبر جمیل

نبیٔ کریم ﷺ کی راہِ دعوت میں بہت سے لمحات ایسے آئے ہیں جو آپ کے صبر و استقلال اور اعتماد علی اللہ پر خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ نے پہلے سرّی دعوت کے دوران میں اور پھر علانیہ دعوت کے وقت تمام حالات میں بے مثال صبر و استقلال سے کام لیا حتی کہ اپنے رب کریم سے جا ملے۔ ﷺ۔ دورانِ دعوت آپ کے صبر کی مثالیں بے شمار ہیں لیکن میں چند عملی مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

کوہِ صفا پر خطاب

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

”اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور جو مومنوں میں سے آپ کی پیروی کریں، ان کے لیے اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں، پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: بلاشبہ تم جو کر رہے ہو، میں اس سے بری ہوں۔“[1]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل میں علانیہ دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سب

1 الشعرآء 26:214-216.

سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں کو ڈرایا اور ایسا حکیمانہ انداز اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دعوتِ اسلامی کو غالب کر دیا۔ اس طریق کار سے نبی کریم ﷺ کی حکمت، جرأت، صبر و استقامت، حسنِ خلق اور خلوص نیت اچھی طرح واضح ہو گئے۔ شرک اور مشرکین نیست و نابود اور قیامت تک کے لیے ذلیل و رسوا ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو آپ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکارنے لگے:

«يَابَنِي فِهْرٍ! يَابَنِي عَدِيٍّ!» لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَّخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِّيَنْظُرَ مَا هُوَ، فَجَاءَ أَبُولَهْبٍ وَّقُرَيْشٌ، فَقَالَ: «أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُّصَدِّقِيَّ؟» قَالُوا: نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ» فَقَالَ أَبُولَهْبٍ: تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ

''اے بنو فہر! اے بنو عدی!'' آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لیے۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے حتی کہ اگر کوئی شخص خود نہیں آ سکتا تھا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیجا تا کہ پتہ چلے کہ کیا اہم بات ہے؟ حتی کہ ابولہب بھی آ پہنچا اور قبیلۂ قریش بھی۔ آپ نے فرمایا: ''بتاؤ! اگر میں کہوں کہ اس وادی میں ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے کہا: ضرور، اس لیے کہ ہم نے کبھی آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا: ''تو سن لو کہ میں تمھیں عذاب شدید سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں۔'' ابولہب کہنے لگا: تمھارے لیے ہمیشہ ہلاکت ہو! کیا تم نے اس لیے ہمیں بلایا

تھا؟ پھر یہ سورت نازل ہوئی:

﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝﴾

''ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے۔'' [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے ہر ہر قبیلے کا نام لے کر پکارا اور فرمایا:

''اپنے آپ کو آگ سے بچا لو......'' پھر فرمایا: ''اے فاطمہ! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچا لو میں تمھارے لیے اللہ سے کسی بھی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، البتہ تم سے میری رشتہ داری ہے جس کا حق میں ادا کرتا رہوں گا۔'' [2]

آپ کی یہ آفاقی آواز نہایت اعلیٰ درجے کی تبلیغ تھی۔ آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ پیغام ربانی کی تصدیق ہی ہمارے باہمی رشتوں کو باقی رکھ سکتی ہے۔ باقی رہی عربوں میں پائی جانے والی رشتہ داری کی عصبیت تو وہ اس پیغام کے نیچے دفن ہو چکی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم رہنے کے لیے آ چکا ہے۔ آپ نے اس دعوت میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا، بت پرستی سے روکا، جنت کی ترغیب دی اور جہنم سے ڈرایا۔ مکہ والوں کے لیے یہ پیغام عجیب و غریب تھا۔ اسی لیے سارے مکہ میں شور و غل برپا ہو گیا اور اس عظیم اعلان و پیغام کو ختم کرنے کی تیاری شروع ہو گئی کیونکہ یہ اعلان دراصل جاہلیت کے موروثی عقائد، عادات و اطوار اور روایات کے خاتمے کا اعلان تھا۔ لیکن

[1] اللھب 2,1:111، صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝......﴾ (الشعرآء 214:26)، حديث: 4770، وصحيح مسلم، الإيمان، باب قوله: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝﴾، حديث: 208. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝......﴾، حديث: 4771، و صحيح مسلم، الإيمان، باب قوله: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝﴾، حديث: 204، واللفظ له.

رسول اللہ ﷺ نے ان کی چیخ و پکار کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بہر صورت پہنچانا تھا، اگرچہ سارا جہان اس کے انکار، مخالفت اور خاتمے کے لیے متفق ہو جاتا۔ اور آپ نے یہ عظیم الشان کام بڑی مضبوطی اور ثابت قدمی سے انجام دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ دن، رات، خفیہ اور علانیہ طور پر دعوت کے کام میں لگ گئے۔ کوئی رکاوٹ آپ کے لیے رکاوٹ نہ تھی۔ نہ کسی کی کوئی مزاحمت آپ کو اپنے کام سے روک سکی۔ آپ لوگوں کی مجلسوں، پنچائتوں اور محفلوں میں جاتے۔ موسم حج میں مقامات حج کا دورہ کرتے جو بھی شخص ملتا اسے دین اسلام کی دعوت دیتے، خواہ وہ آزاد ہوتا یا غلام، طاقتور ہوتا یا کمزور، مالدار ہوتا یا فقیر۔ اس سلسلے میں سب لوگ آپ کی نظر میں برابر تھے۔

مشرکین قریش میں سے مالدار اور سردار قسم کے لوگ آپ کو اور آپ کے متبعین کو زبانی اور جسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنے لگے اور مکہ شدید غصے کے عالم میں پھنکارنے لگا اور دشمنی کا لاوا پھوٹ پڑا کیونکہ مکہ کے لوگ نہیں چاہتے تھے کہ بتوں کی پوجا ترک کریں۔[2] لیکن اس ساری صورتحال کے باوجود آپ نے اپنی دعوت میں ذرا بھی کمزوری نہ دکھائی اور اسلام قبول کرنے والے مخلصین کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ آپ قریش کی نظروں سے بچ کر مسلمانوں کے گھروں میں جاتے اور ان سے ملاقات کرتے۔ ان دلیر لوگوں سے مل کر ہی اسلامی خاندان وجود میں آیا جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بعد آپ کی امیدیں وابستہ تھیں اور انھی کی مدد سے آپ نے اسلام کی اشاعت وتوسیع کا بیڑا اٹھایا۔ یہ لوگ ایمان میں مضبوط ترین، عقیدے میں انتہائی راسخ، اپنی عظیم ذمہ داری کا زبردست احساس وشعور رکھنے والے، اپنے رب کریم کے احکام بسرو

[1] الرحيق المختوم: 78، وفقه السيرة للغزالي: 102,101. [2] البداية والنهاية: 41/3.

چشم ماننے والے، اپنے عظیم قائد و رہنما کے مکمل اطاعت گزار، آپ کے ہر حکم کو ذوق و شوق سے نافذ کرنے والے اور آپ سے ایسی شدید جذباتی محبت رکھنے والے تھے جس کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسی مضبوط حکیمانہ طرزِ عمل اور بہترین پاکیزہ تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اپنا فریضہ بخیر وخوبی ادا کرنے میں کامیاب رہے اور ہمارے لیے بہترین نمونہ چھوڑ گئے جس پر ہم دعوت میں اور دوسرے مراحل میں آسانی سے چل سکتے ہیں۔ بلاشبہ آپ ہمارے بے مثل قائد اور امام ہیں۔ ہم آپ کے طریق کار پر چل کر آپ کی حکمتوں سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام بڑے مناسب اسلوب سے شروع کیا۔ ایسے ساتھیوں کا انتخاب کیا جو اس کام کے لیے بہت موزوں تھے، پھر ان کی تربیت فرمائی۔ اگرچہ آپ کی دعوت تمام لوگوں کے لیے تھی مگر دورانِ دعوت ان لوگوں پر پوری توجہ مرکوز کرتے تھے جن میں آپ کو قبولِ اسلام کے امکانات زیادہ نظر آتے تھے۔ اس طرح اس قبیل کے صحابۂ کرام سے دعوتِ اسلامی کی مضبوط بنیادیں قائم ہو گئیں، پھر ان پر عمارت تعمیر ہوتی چلی گئی۔[1]

اس متبرک اور عظیم کام کے دوران میں رسول اللہ ﷺ نے کسی سیاسی دھوکہ بازی سے ہرگز کام نہیں کیا۔ کبھی کسی شخص کو خفیہ طور پر قتل کر کے اس سے جان نہیں چھڑائی، حالانکہ یہ چیز آپ کے لیے بہت آسان تھی۔ آپ کسی بھی جان نثار صحابی کو کافروں کے کسی بھی لیڈر کو قتل کرنے کا حکم دے سکتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مخزومی، عاص بن وائل سہمی، ابوجہل عمرو بن ہشام، ابولہب عبدالعزی بن عبدالمطلب، نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط،

1 التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 65/2 .

اُبی بن خلف، امیہ بن خلف وغیرہ کافروں کے لیڈر تھے اور رسول اللہ ﷺ کو جسمانی اور ذہنی ایذا دینے میں پیش پیش رہتے تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی ایک یا ان کے علاوہ کسی اور کو قتل کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ اس قسم کی کارروائی سے تحریک اسلامی کے ختم ہونے یا دیر تک معطل ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا کیونکہ دشمنانِ اسلام تو پہلے ہی آپ پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ ان کا ردعمل خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس مرحلے میں آپ کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا کیونکہ آپ کو بھیجنے اور ہدایات دینے والا اللہ احکم الحاکمین تھا۔

لہٰذا تمام داعیانِ اسلام، چاہے وہ کسی بھی آسمان کے نیچے یا کسی بھی زمین کے اوپر اور کسی بھی زمانے میں رہ رہے ہوں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے انداز و منہج ہی کے مطابق کام کریں، خواہ وہ ہجرت سے قبل کا تھا یا بعد کا۔ دعوت کا صحیح طریقہ وہی ہے جو آپ نے اختیار فرمایا۔ دعوت و تبلیغ کے لیے انھی اخلاق اور حکمتوں کی پابندی شرطِ لازم ہے جو آپ نے اختیار فرمائے تھے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. [1]

سردارانِ قریش کی دھمکیاں

قریش نے آپ کو دعوتِ حق سے روکنے کے لیے ایک اور طریقہ اختیار کیا جس میں ترہیب کے ساتھ ساتھ ترغیب بھی تھی۔ انھوں نے حضرت محمد ﷺ کو پیغام بھیجا جس میں ہر دنیوی لالچ کی پیشکش تھی۔ دوسرا انھوں نے آپ کے چچا کو بھی پیغام بھیجا جس میں محمد ﷺ کی مدد کرنے کے خوفناک نتائج کی دھمکی دی گئی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ محمد ﷺ اور ان کے دین کی مدد سے باز رہیں بلکہ انھیں روکیں۔ [2]

سردارانِ قریش جناب ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے: ”جناب ابوطالب! آپ ہم میں بزرگ، معزز اور سردار شمار ہوتے ہیں۔ ہم نے کئی دفعہ آپ سے کہا ہے کہ

[1] التاريخ الإسلامي: 65/2 . [2] البداية والنهاية: 42/3 ، وفقه السيرة لمحمد الغزالي: 112 .

اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے نہیں روکا۔ اللہ کی قسم! ہم یہ صورت حال برداشت نہیں کریں گے۔ وہ ہمارے آباء و اجداد کو برا بھلا کہتا ہے، ہمیں بیوقوف بناتا ہے، ہمارے معبودوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ اب ہم اسے اپنی قوت سے روکیں گے، اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں آپ سے بھی لڑنا پڑے۔ اب وہ رہے گا یا ہم۔ جناب ابوطالب پر اس دھمکی کا بڑا اثر ہوا کیونکہ وہ نہ تو اپنی قوم کو چھوڑ کر ان سے دشمنی مول لے سکتے تھے نہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے مقابلے میں بے یارو مددگار چھوڑ سکتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور کہنے لگے: ''بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آ کر یہ کچھ کہہ گئے ہیں۔ تم مجھ پر بھی ترس کھاؤ اور اپنے آپ پر بھی۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں اٹھا سکوں نہ تم اٹھا سکو، لہٰذا جو باتیں تمھاری قوم کو پسند نہیں وہ نہ کیا کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی دعوت پر ڈٹے رہنے کا عزم ظاہر کیا کیونکہ آپ حق پر تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنا کلمہ بلند کرے گا۔ اس کے بارے میں آپ کو کسی کی ملامت کی کوئی پروا نہ تھی۔ جب ابوطالب نے آپ کی یہ ثابت قدمی دیکھی اور وہ اس بات سے مایوس ہو گئے کہ آپ دعوتِ حق ترک کر کے قریش کی بات مان لیں گے تو انھوں نے ایک پرعزم فیصلہ کیا۔ فرمانے لگے:

وَاللهِ! لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ
وَّابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

''بھتیجے! اللہ کی قسم! میرے جیتے جی وہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے، خواہ وہ سب

اکٹھے ہو جائیں، لہٰذا آپ اپنے دین کی علانیہ اور بے خوف تبلیغ کریں آپ کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ میری طرف سے آپ مطمئن رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں۔" [1]

عتبہ بن ربیعہ کی آمد

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد مصیبتوں کے بادل چھٹنے لگے۔ اہل حق کی اس نئی ترقی نے مشرکین کو انگاروں پر لوٹا دیا اور ان کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ جوں جوں مسلمان بڑھتے جاتے تھے، ان کی گھبراہٹ اور تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں اور مشرکین کی دشمنی اور مظالم کی کوئی پروا نہیں کر رہے۔ اس صورت حال کے باعث سردارانِ قریش رسول اللہ ﷺ سے سودے بازی کی کوشش کرنے لگے۔ انھوں نے ایک بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ کو بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دلفریب دنیوی مفادات کی پیشکش کرے، شاید آپ اسے قبول کر لیں۔

عتبہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "بھتیجے! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم اپنے قوم و قبیلے میں بہت بلند مقام رکھتے ہو۔ نسب کے لحاظ سے بھی بلند مرتبہ ہو۔ لیکن تم لوگوں کے پاس ایک ایسا دین لے کر آئے ہو جس نے ان میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ تم لوگوں کو کم عقل بتاتے ہو، ان کے معبودوں اور دین کو برا بھلا کہتے ہو اور ان کے آباء و اجداد کو کافر اور گمراہ ٹھہراتے ہو۔ میری بات غور سے سن لو! میں چند چیزوں کی پیشکش کرتا ہوں۔ شاید ان میں سے کوئی ایک تمھارے کے لیے قابل قبول ہو۔

[1] البداية والنهاية: 41/3 ، والسيرة النبوية لابن هشام: 278/1 ، وفقه السيرة للغزالي ، ص: 114 ، والرحيق المختوم ، ص: 110 .

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ : أَبَا الْوَلِيدِ! أَسْمَعُ»

''ابوالولید! آپ بات کریں میں سن رہا ہوں۔''

وہ بولا: ''بھتیجے! اگر تم نئے دین کے ذریعے سے مال اکٹھا کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اتنا مال دے دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ گے۔ اگر تمھارا مقصد سرداری حاصل کرنا ہے تو ہم تمھیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں حتی کہ تمھاری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ کسی جنون وغیرہ کا اثر ہے جس کی وجہ سے تم مجبور ہو تو ہم تمھارا علاج کرا دیتے ہیں، خواہ ہمیں اس سلسلے میں کتنا ہی مال خرچ کرنا پڑے حتی کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ کبھی کبھی کوئی جن کسی پر قابو پا لیتا ہے تو اس کا علاج کرانا پڑتا ہے......۔''

رسول اللہ ﷺ بڑے غور سے سنتے رہے، جب عتبہ بات پوری کر چکا تو آپ نے فرمایا:

«أَقَدْ فَرَغْتَ يَا أَبَاالْوَلِيدِ؟» قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : «فَاسْتَمِعْ مِنِّي» قَالَ : أَفْعَلُ ، فَقَالَ :

''ابوالولید! آپ کی بات پوری ہو گئی؟'' وہ بولا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اب میری بات بھی سن لیجیے۔'' وہ کہنے لگا: ضرور، چنانچہ آپ نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا:

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○﴾

''حم۔ (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ موڑ لیا تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ پڑھتے رہے، عتبہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے اپنے پیچھے ہاتھوں کا سہارا لے رکھا تھا حتی کہ سجدے والی آیت آئی تو آپ نے سجدہ کیا، پھر فرمایا:

«قَدْ سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ! مَا سَمِعْتَ فَأَنْتَ وَذَاكَ»

''ابوالولید! آپ میرا جواب سن چکے، اب آپ کی مرضی۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عتبہ خاموشی سے سنتا رہا۔ جب آپ اس مقام پر پہنچے:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُودَ ۝﴾

''پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔''[3]

عتبہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ مبارک پر رکھ کر بولا: ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہیں۔'' پھر وہ اتنی تیزی سے اپنی قوم کی طرف چلا جیسے اس پر بجلی گرنے والی ہے۔ اس نے جا کر قریش کو

[1] حٰمٓ السجدة 41:1-5. [2] السيرة النبوية لابن هشام:1/293,294، و تفسير ابن كثير: 12/217، والبداية والنهاية:3/60، والرحيق المختوم: 100. [3] حٰمٓ السجدة 41:13.

مشورہ دیا کہ محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی دانائی کے ساتھ یہ آیات منتخب فرمائیں تاکہ اسے رسالت اور رسول کی حقیقت معلوم ہو جائے اور وہ جان لے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کے لیے عظیم کتاب لے کر آئے ہیں جو انھیں گمراہی سے نکال کر ہدایت پر لاتی ہے اور ان کو خرابیوں سے بچاتی ہے۔ اور آپ سب سے پہلے اس کتاب کی تصدیق کر کے اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو آپ کے لائے ہوئے دین پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے تو آپ بدرجہ اولیٰ اس کے پابند ہیں۔ آپ بادشاہی کے طالب ہیں نہ مال کے اور نہ کوئی عہدہ چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا لیکن آپ ان چیزوں سے بہت بلند و بالا اور بے نیاز تھے۔ اور آپ نے اس فانی دنیا کے مال و متاع سے آلودہ ہونے کو گوارا نہ کیا کیونکہ آپ اپنی دعوت میں نہایت مخلص اور اپنے رب کریم کے سچے بندے تھے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ واقعہ آپ کے صبر و حکمت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ آپ اپنی دعوت پر قائم دائم اور ثابت قدم رہے۔ کسی مال و جاہ یا بادشاہی اور نکاح کی پیشکش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، چہ جائیکہ آپ اپنی دعوت سے دست بردار ہوتے، پھر آپ نے اس موقع کے لیے انتہائی مناسب کلام منتخب فرمایا۔ یہی آپ کی حکمت و دانائی ہے اور یہی آپ کا خلق عظیم ہے۔

ابوجہل کے ناپاک ارادے

مشرکین یہ طے کر چکے تھے کہ اسلام کی مخالفت اور نبیٔ کریم ﷺ اور مومنین کو ایذا

[1] البداية والنهاية: 62/3، وتفسير ابن كثير: 218/12 .

دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے بلکہ انھیں نت نئے طریقوں سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔

جب سے نبیٔ کریم ﷺ نے دعوت کا کام علانیہ شروع کیا تھا اور جاہلیت کے باطل توہمات کو شد و مد سے بیان کرنا شروع کیا تھا مکہ والے غصے سے پھنکارنے لگے تھے اور مسلسل دس سال تک وہ مسلمانوں کو نافرمان، باغی اور بگڑے ہوئے نوجوان ہی سمجھتے رہے۔ اس لیے انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جائے۔ انھوں نے حرمِ کعبہ میں مسلمانوں کی جان، مال اور عزت سے کھیلنا وتیرہ بنائے رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ تحقیر، تذلیل، فحش مذاق اور تکذیب کی جنگ بھی بھڑکائے رکھی۔ وہ اسلامی تعلیمات کو بگاڑ کر لوگوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا کرتے، جھوٹے دعوے کرتے، قرآن کے مقابلے کی کوشش کرتے اور قرآن کو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں بتاتے تھے۔ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ اس سودے بازی کی بھی کوشش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کر لیا کریں، دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی پوجا کیا کریں گے۔ وہ اس قسم کے اور بھی مضحکہ خیز مطالبے کرتے رہے۔

دوسری طرف وہ نبیٔ کریم ﷺ کو مختلف القابات سے پکارتے رہے۔ کبھی آپ کو مجنون کہتے، کبھی جادوگر، کبھی جھوٹا کہتے اور کبھی کاہن۔ لیکن رسالت مآب ﷺ پوری ثابت قدمی اور دلجمعی سے اپنے کام میں مصروف رہے، اس یقین و اعتماد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرے گا اور بالآخر اسے غالب کر دے گا۔[1]

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دست درازی بھی کی۔ دیکھیے! ابوجہل آپ کا

[1] السيرة النبوية لابن هشام:326/1، والرحيق المختوم:79.

چہرۂ انور خاک آلود کرنے کے لیے آپ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی گھناؤنی حرکت سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ خود ہی ذلیل وخوار ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ابوجہل اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ''کیا محمد تمھاری موجودگی میں یہاں نماز پڑھتا اور سجدے کرتا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''بالکل!'' وہ کہنے لگا: ''لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے یہ کام کرتے دیکھا تو میں اس کی گردن اپنے پاؤں سے مسل دوں گا یا اس کا چہرہ زمین پر لگا کر خاک آلود کر دوں گا۔'' پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس ناپاک ارادے سے آپ کی طرف بڑھا۔ مگر آپ کے قریب پہنچا تو اچانک گھبرا کر الٹے پاؤں پیچھے بھاگنے لگا۔ اس سے پوچھا گیا: ''تجھے کیا ہوا؟'' وہ بولا: ''اللہ کی قسم! میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق آ گئی تھی جس کا منظر بہت ہولناک تھا اور فرشتوں کے پر مجھ پر جھپٹ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ دَنَا مِنِّي لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا»

''اگر یہ مجھ تک پہنچ جاتا تو فرشتے اس کے پرزے پرزے کر دیتے۔''

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ ......﴾

''سچ مچ! انسان تو یقیناً آپے سے باہر ہو جاتا ہے......۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس طرح نبی کریم ﷺ کو اس جیسے شیطانوں سے محفوظ رکھا، البتہ آپ

1 العلق 6:96. صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب قوله: ﴿كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝﴾، حدیث: 2797.

اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر و رضا سے کام لیتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان و مال اور وقت کی قربانی دیتے رہے۔

کمینگی اور گراوٹ کی انتہا

حضرت محمد ﷺ کو پہنچائی جانے والی تکالیف میں سے ایک وہ واقعہ ہے جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی بھی وہاں بیٹھے تھے۔ وہیں ایک دن پہلے ایک اونٹنی ذبح کی گئی تھی۔ ابوجہل کہنے لگا: ''تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو بنو فلاں کی ذبح شدہ اونٹنی کی جیر (وہ جھلی جس میں بچہ ہوتا ہے) اٹھا لائے اور جب محمد سجدے میں جائے تو اس کی پشت پر رکھ دے۔ ایک انتہائی بدبخت شخص (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور گندگی والی جیر اٹھا لایا۔ جب نبیٔ کریم ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ جیر آپ کے کندھوں کے درمیان پشت پر رکھ دی، پھر وہ خوب ہنسنے لگے۔ اتنے ہنسے کہ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ میں ناتواں تھا، کھڑا دیکھ رہا تھا اور خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کاش! مجھ میں قوت ہوتی (یا میرا قبیلہ مضبوط ہوتا تو میں یہ گندگی ہٹا دیتا۔)

اس وحشیانہ حرکت پر رسول اللہ ﷺ سجدے ہی کی حالت میں رہے، سر نہ اٹھایا۔ ایک شخص آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور انھیں صورت حال بتائی۔ وہ اس وقت چھوٹی بچی تھیں۔ بھاگی بھاگی آئیں اور آپ کی پشت سے گندی جیر اتار پھینکی اور مشرکین کو برا بھلا کہنے لگیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے نماز مکمل فرمائی تو ہاتھ اٹھا دیے اور بددعا کے طور پر تین دفعہ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَلَمَّا سَمِعُوا صَوْتَهُ ذَهَبَ

عَنْهُمُ الضِّحْكُ، وَخَافُوا دَعْوَتَهُ، ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَّعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ، وَّعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ»

''اے اللہ! ان قریشیوں کو قابو کر۔'' (آپ جب دعا فرماتے تھے تو تین دفعہ فرماتے اور جب اللہ تعالیٰ سے مانگتے تو تین دفعہ مانگتے) جب انھوں نے آپ کے الفاظ سنے تو ان کی ہنسی رخصت ہوگئی اور ان پر آپ کی بددعا کا خوف طاری ہوگیا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو تباہ و برباد فرما۔''
(راوی کہتا ہے کہ آپ نے ایک ساتواں شخص بھی ذکر کیا تھا مگر میں یاد نہ رکھ سکا) قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا! میں نے ان تمام مذکورہ اشخاص کو میدان بدر میں مرا ہوا دیکھا۔ بعد ازاں ان لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔[1]

عقبہ بن ابی معیط کی خباثت

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قریش کی بدترین کارروائی صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''بتائیے مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدترین گستاخی کیا کی تھی؟'' وہ فرمانے لگے: ''ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے حجر (حطیم) میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أوجيفة……، حديث: 240، وصحيح مسلم، الجهادوالسير، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين، حديث: 1794.

بن ابی معیط آ نکلا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا کندھا پکڑا، پھر آپ کی گردن کے گرد کپڑا لپیٹ کر کپڑے کو بل دینے لگا۔ یوں اس بدبخت نے آپ کا گلا بہت بری طرح گھونٹا۔ اچانک وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے اس کے کندھے کو پکڑ کر اسے زبردست دھکا دیا اور فرمایا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ﴾

''تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح آیات و دلائل لے کر آیا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشرکین کا ظلم و ستم اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ ایک صحابی مجبور ہو کر کفار کے خلاف بددعا کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ نے بددعا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید پر پورا بھروسا تھا کہ انجام آخر کار متقین ہی کے حق میں ہوتا ہے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کفار کے ظلم و ستم کی شکایت کی کیونکہ اب صورت حال ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ آپ کعبے کے سائے تلے اپنی چادر مبارک کا سرہانا بنائے لیٹے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کی: (اے اللہ کے رسول!) کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا نہیں فرمائیں گے؟ ہمارے حق میں اور کفار و مشرکین کے خلاف دعا نہیں فرمائیں گے؟'' آپ نے فرمایا:

[1] المؤمن 40:28. صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب مالقي النبيﷺ وأصحابه من المشركين بمكة، حدیث: 3856، و كتاب التفسير، سورة المؤمن، حدیث: 4815. الفاظ دونوں حدیثوں کے مشترک ہیں۔

«قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ ، فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ ، فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ [مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَّحْمٍ وَّعَصَبٍ] فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ ، وَاللّٰهِ! لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ»

”تم سے پہلے ایسے حالات گزرے ہیں کہ ایک شخص کو لایا جاتا تھا۔ زمین میں گڑھا کھود کر اسے (آدھا) گاڑ دیا جاتا تھا، پھر ایک آرا اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے یا لوہے کی کنگھیوں سے اس کی ہڈیوں سے سارا گوشت اور پٹھے چھیل دیے جاتے تھے لیکن یہ چیز بھی اسے اس کے دین سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ اللہ کی قسم! یہ دین ضرور کامل ہوگا اور غالب آئے گا حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اکیلا سفر کرے گا مگر اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ خطرہ ہوگا کہ کہیں بھیڑیا کوئی بکری اٹھا کر نہ جائے۔ لیکن تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو (اور جلدی گھبرا جاتے ہو۔)“ [1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مشرکین کی ایذا رسانی بڑھتی ہی چلی گئی جبکہ ان کا کوئی جرم بھی نہ تھا۔ بس وہ کلمۃ اللہ کی بلندی کے لیے کوشاں تھے اور حق بات علانیہ کہتے تھے، ثابت قدم تھے، خالص توحید کی دعوت دیتے تھے

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3612، وكتاب الإكراه، باب من اختار الضرب و القتل والهوان على الكفر، حديث: 6943، بریکٹ والے الفاظ كتاب المناقب، حديث: 3612. کے ہیں۔

اور جاہلیت کی رسوم وخرافات اور بت پرستی چھوڑنے پر زور دیتے تھے۔

ابولہب کی بیوی

نبیٔ کریم ﷺ کو کفار کی طرف سے انتہائی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ ان لوگوں نے بطور تحقیر آپ کا نام بھی بدل دیا۔ یہ ان کے غیظ وغضب کی انتہا تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا نام بھی نہیں لینا چاہتے تھے جو مدح وتعریف کا مظہر تھا، یعنی وہ آپ کو آپ کے اسم گرامی (محمد) کے نام سے پکارنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے برعکس وہ آپ کو ''مذمم'' کہنے لگے جو آپ کے نامِ نامی سے بالکل الٹ مفہوم کا حامل تھا۔ جب انھیں آپ کے بارے میں بدزبانی کرنی ہوتی تو وہ کہتے: اللہ تعالیٰ ''مذمم'' کا برا کرے۔ یہ نہ تو آپ کا نام تھا اور نہ آپ اس سے مشہور تھے، لہٰذا جو وہ گالیاں بکتے تھے وہ آپ تک تو کیا پہنچتی تھیں اللہ نے آپ کا پاک نام بھی ان کی خباثت سے محفوظ رکھا۔

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ، وَّلَعْنَهُمْ؟ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا، وَّيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا، وَّأَنَا مُحَمَّدٌ»

''تمھیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی حکمت سے مجھے قریش کی گالی گلوچ اور لعن وطعن سے دور اور محفوظ رکھتا ہے۔ وہ کسی مذمم کو گالیاں دیتے ہیں یا لعن طعن کرتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔'' [1]

نبیٔ اکرم ﷺ کے پانچ مشہور نام ہیں، ان میں ''مذمم'' نہیں آتا۔ [2]

ابولہب کی بیوی ام جمیل کو پتہ چلا کہ میرے اور میرے خاوند کے بارے میں قرآن کی

1 صحيح البخاري، المناقب، باب ماجاء في أسماء رسول الله ﷺ، حديث: 3533.

2 صحيح البخاري، المناقب، باب ماجاء في أسماء رسول الله ﷺ، حديث: 3532.

سورۂ لہب اتری ہے۔ وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی۔ آپ اس وقت کعبہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں مٹھی بھر پتھر تھا۔ جب وہ قریب پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اسے صرف حضرت ابوبکر نظر آ رہے تھے، حالانکہ آپ بھی ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ وہ پوچھنے لگی: ''ابوبکر! تیرا ساتھی کہاں ہے؟'' مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ میری ہجو (مذمت) کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جاتا تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر دے مارتی۔ اسے معلوم ہونا چاہیے میں بھی شاعرہ ہوں، پھر اس نے یہ شعر کہا:

[مُذَمَّمًا عَصَيْنَا ، وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا ، وَدِينَهُ قَلَيْنَا]

''ہم مذمم کی بات نہیں مانتے۔ اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے دین سے نفرت اور بغض رکھتے ہیں۔''[1]

مشرکین رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایذا رسانی میں اسی طرح سرگرم رہے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی کافروں کے غیظ و غضب میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور وہ مسلمانوں سے زبان درازی کے علاوہ دست درازیاں بھی کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھی تو محسوس کیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے محفوظ ہوں لیکن میں مسلمانوں کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچا نہیں سکتا...... مسلمانوں میں سے بعض تو کفار کے ہاتھوں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور بہت سے ان کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے جبکہ بعض تو تشدد کی بنا پر نابینا ہو چکے تھے...... چنانچہ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ یہ ہجرت کرنے والے بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان کے قائد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

[1] دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام : 356/1 ، و تفسير ابن كثير: 498/14 .

تھے۔ یہ چل پڑے تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جونھی یہ لوگ ساحل سمندر پر پہنچے۔ دو بحری جہاز بالکل تیار کھڑے تھے۔ یہ بیٹھے اور جہاز حبشہ کو چل دیے۔ یہ رجب 5 نبوت کی بات ہے۔

قریش ان کے پیچھے ساحل سمندر تک بھاگے مگر وہ نکل چکے تھے۔ قریش ناکام و نامراد واپس آ گئے۔ بعد میں مہاجرین حبشہ کو اطلاع ملی کہ قریش نے نبی کریم ﷺ کی مخالفت چھوڑ دی ہے۔ یہ سن کر وہ واپس مکہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے کچھ فاصلے پر انھیں پتہ چلا کہ اطلاع غلط تھی۔ قریش تو پہلے سے بھی زیادہ دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، لہٰذا جو مہاجر مکہ میں داخل ہوئے کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کر کے داخل ہوئے۔ ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بعض مہاجر چھپ چھپا کر بھی داخل ہوئے۔ اس کے بعد قریش کے غیظ وغضب کی کوئی حد نہیں رہی اور ان کا ظلم وستم انتہا کو پہنچ گیا۔ مہاجر یا غیر مہاجر تمام مسلمان ان کے تشدد کا شکار ہوئے، اس لیے آپ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اس دفعہ مہاجرین کی تعداد تراسی تھی بشرطیکہ عمار بن یاسر بھی ان میں شامل ہوں۔ عورتیں انیس تھیں۔ یہ مسلمان حبشہ میں اصحمہ نجاشی کی حکومت کے تحت امن وسکون سے رہنے لگے۔ قریش کو پتہ چلا تو وہ انگاروں پر لوٹنے لگے۔ انھوں نے بہت سے تحائف دے کر ایک وفد حبشہ بھیجا تاکہ وہ مہاجرین کو حبشہ سے نکلوا کر دوبارہ مکہ لے آئے۔ لیکن نجاشی نے نہ صرف ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ان کے تحائف بھی مسترد کر دیے۔ یوں مسلمان ہنسی خوشی امن وامان سے وہاں رہنے لگے۔ وہ غزوۂ خیبر کے سال رسولِ اکرم ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے۔ [1]

[1] دیکھیے زاد المعاد: 23/3، والرحیق المختوم: 89، والسيرة النبوية لابن هشام: 322/1، والبداية والنهاية: 64/3، و تاريخ الإسلام للذهبي، قسم السيرة: 183.

شعب ابی طالب میں قید و بند کا مرحلہ

قریش دیکھ رہے تھے کہ اسلام روز بروز پھیل رہا ہے۔ لوگ کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں، خصوصاً حبشہ میں مسلمانوں کی آؤ بھگت اور قریشی وفد کی تذلیل ان کے لیے سوہانِ روح تھی۔ ان کا پارہ چڑھ گیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ جب تک محمد ہمارے حوالے نہ کر دیے جائیں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ ان سے کسی قسم کا لین دین نہ کیا جائے، رشتے ناتے قائم کیے جائیں نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھا جائے حتی کہ ان سے بات چیت بھی نہ کی جائے۔ انھوں نے یہ باہمی معاہدہ لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیا۔ ابولہب کے سوا تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب شیر و شکر ہو کر محفوظ ہو گئے، خواہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم، صرف ابولہب ہی اپنی قوم سے الگ ہو کر کفار کا دست و بازو بنا رہا۔

رسول اللہ ﷺ 7 نبوت محرم الحرام کے آغاز میں شعب ابی طالب میں قید ہوئے اور مسلسل تین سال تک محصور رہے۔ یہ انتہائی تنگی کا وقت تھا۔ کھانے پینے یا ضرورت کی کوئی چیز ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی حتی کہ بھوک کے مارے روتے ہوئے بچوں کی چیخیں گھاٹی سے باہر تک سنائی دیتی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے سے مطلع فرمایا کہ بائیکاٹ کی دستاویز کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ صرف اللہ ہی کا نام باقی ہے۔ آپ نے یہ بات اپنے چچا محترم کو بتائی۔ وہ قریش کے پاس گئے اور کہا: ''میرا بھتیجا یہ بات کہتا ہے، لہٰذا دستاویز کو دیکھا جائے اگر ہماری بات غلط ہو تو ہم محمد کو تمھارے سپرد کر دیں گے اور اگر یہ بات سچی ہو تو تم اپنے ظلم و ستم اور قطع رحمی سے باز آ جاؤ۔'' قریش کہنے لگے: ''ٹھیک ہے آپ نے انصاف کی بات کی ہے۔'' انھوں نے دستاویز اتاری اور اسے دیکھا تو آپ کی بات سو فیصد درست نکلی۔ اس سے ان کے کفر میں کمی نہیں آئی بلکہ

اضافہ ہی ہوا مگر بائیکاٹ ختم ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے محصورین گھاٹی سے نکل آئے۔ اس وقت تک آپ کی نبوت پر دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس واقعے کے چھ مہینے بعد جناب ابوطالب فوت ہو گئے اور ان کی وفات کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اس واقعے کے بارے میں مؤرخین کی رائے میں اختلاف ہے۔[1]

اگرچہ بائیکاٹ کی دستاویز ختم ہو چکی تھی مگر عین اس موقع پر یکے بعد دیگرے جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے باعث قریش کے مشتعل افراد اورزیادہ جری ہوگئے۔ اب انھوں نے آپ کے ساتھ علانیہ بدسلوکی شروع کر دی۔ اس پر آپ نہایت غمگین اور مایوس ہو گئے کہ یہ لوگ راہِ راست پر نہ آئیں گے، چنانچہ آپ نے طائف کا رخ کیا کہ شاید اہل طائف آپ کی دعوت قبول کر لیں یا آپ کو ٹھکانہ مہیا کر دیں یا قریش کے خلاف آپ کی مدد کریں۔ لیکن آپ کی یہ توقع نقش بر آب ثابت ہوئی۔ وہاں کسی نے آپ کی مدد تو درکنار آپ کو بیٹھنے کی بھی جگہ نہ دی بلکہ آپ کے ساتھ اس قدر بدسلوکی کی کہ ان کے آگے قریش کا ظلم وستم بھی ماند پڑ گیا۔[2]

اہلِ طائف کا سنگدلانہ سلوک

شوال 10 نبوت میں نبیٔ کریم ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ آپ کو امید تھی کہ شاید بنوثقیف آپ کی دعوت کی طرف توجہ کریں اور اسے قبول کر لیں گے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ راستے میں آپ جس قبیلے

[1] دیکھیے زاد المعاد: 30/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 351,350/1، والبداية والنهاية: 69/3، وتاريخ الإسلام للذهبي، قسم السيرة: 137,126، والرحيق المختوم: 112.

[2] زادالمعاد: 31/3، والرحيق المختوم: 113.

کے پاس سے بھی گزرتے اسے اسلام کی دعوت دیتے مگر کسی قبیلے نے دعوت قبول نہ کی۔

آپ طائف پہنچے۔ سب سے پہلے وہاں کے سرداروں سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت دی مگر ان سب نے نہایت ظالمانہ ردعمل ظاہر کیا۔ آپ طائف کے علاقے میں دس دن ٹھہرے۔ ہر سردار اور بڑے آدمی سے سب سے پہلے ملے اور اس سے گفتگو فرمائی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انھوں نے آپ کو طائف سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسی پر بس نہ کی، وہاں کے بچوں اور اوباشوں کو بھی آپ کے پیچھے لگا دیا۔ آپ طائف سے واپس آنے لگے تو یہ بچے اور اوباش لوگ اکٹھے ہو کر راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔

یہ ظالم اور وحشی لوگ عالم انسانیت کی اس سب سے بڑی شخصیت سے بدزبانی بھی کرتے تھے اور پتھر بھی برساتے تھے۔ انھوں نے ٹانگوں پر پتھر برسائے جس سے آپ کا جوتا مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔ حضرت زید خود پتھروں کے سامنے آ کر آپ کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتے رہے حتی کہ ان کے سر میں کئی زخم آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ انتہائی غم اور پریشانی کی حالت میں مکہ کی طرف چل پڑے۔ آپ کا دل شکستہ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ ان کے ساتھ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ بھی تھا۔ اس نے آپ سے اجازت طلب کی کہ مکہ کے اطراف کے دونوں پہاڑ اہل علاقہ پر دے مارے۔ (ان پہاڑوں کو اَلْأَخْشَبَيْن کہتے تھے۔)[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی تفصیل یوں بیان کرتی ہیں: ”میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ پر کوئی دن احد کے دن سے بھی زیادہ سنگین گزرا ہے؟“ آپ نے فرمایا:

«لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ [مَا لَقِيتُ] وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ، فَلَمْ

[1] زاد المعاد: 31/3، والرحيق المختوم: 121، البداية والنهاية: 133/3.

يُجِبْنِي إِلٰى مَا أَرَدْتُّ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلٰى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرَائِيلُ، فَنَادَانِي، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَث إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، قَالَ: فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَامُحَمَّدُ! إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبِّي إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ فَمَا شِئْتَ؟ إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ» فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَلْ أَرْجُو أَنْ يُّخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَّنْ يَّعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

”عائشہ! میں نے تمھاری قوم کے ہاتھوں بڑے مصائب جھیلے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ سخت تکلیف عقبہ کے دن پہنچی جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کُلال کو دعوت دی کہ وہ میرا ساتھ دے مگر اس نے میری بات نہ مانی۔ میں انتہائی غمگین بے سدھ حالت میں چل دیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں قرنِ ثعالب کے مقام تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کرتا آ رہا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو مجھے اس میں جبریل علیہ السلام نظر آئے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہنے لگے: ”اللہ عزوجل نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور ردعمل دیکھ لیا ہے اور آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے بھی مجھے

سلام کہا اور بولا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے اور مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں پہاڑوں پر مقرر فرشتہ ہوں۔ آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں یہ دونوں پہاڑ ان پر گرا کر سب کو ملیا میٹ کر دیتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''[1]

اس بے مثال جواب سے رسول اللہ ﷺ کی ممتاز و یگانہ شخصیت جھلکتی ہے اور آپ کے اس خلق عظیم کا اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص طور پر عطا فرمایا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی قوم پر کس قدر شفیق تھے اور آپ میں صبر و تحمل کا مادہ کس اعلیٰ پیمانے پر پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾

''پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے ہی کے لیے بھیجا ہے۔''[3]

آپ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود و سلام ہوں۔

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين……، حديث: 3231، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين، حديث: 1795، واللفظ له. بریکٹ والے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ [2] اٰل عمرٰن 159:3 . [3] الأنبيآء 107:21 .

رسول اللہ ﷺ مقامِ نخلہ میں چند دن ٹھہرے، پھر آپ نے مکہ واپسی کا عزم کر لیا کہ میں حسب سابق تبلیغ اسلام جاری رکھوں گا اور اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام پورے عزم و نشاط اور تندہی سے لوگوں تک پہنچاتا رہوں گا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما عرض کرنے لگے: ''اب آپ دوبارہ مکہ کیسے جا سکیں گے۔ مکہ والوں نے تو آپ کو نکال دیا تھا؟'' آپ نے فرمایا:

«يَا زَيْدُ! إِنَّ اللهَ جَاعِلٌ لِّمَا تَرٰى فَرَجًا وَّمَخْرَجًا، وَّإِنَّ اللهَ نَاصِرُ دِينِهٖ، وَمُظْهِرُ نَبِيِّهٖ»

''زید! اللہ تعالیٰ موجودہ اس مشکل حالت کو آسان فرمائے گا، اپنے دین کی مدد فرمائے گا اور اپنے نبی کو غلبہ عطا فرمائے گا۔''[1]

پھر آپ چل دیے مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے بنو خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ کے ایک سردار مطعم بن عدی کے پاس بھیجا کہ ''میں آپ کی پناہ میں مکہ داخل ہونا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''ضرور، پھر اس نے اپنے بیٹوں اور دیگر اہل خاندان کو بلایا اور کہا: ''اسلحہ پہن کر بیت اللہ کے چاروں کونوں پر کھڑے ہو جاؤ۔ میں محمد (ﷺ) کو پناہ دے چکا ہوں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ کی معیت میں مکہ داخل ہوئے۔ سیدھے مسجد حرام پہنچے۔ مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا: ''اے قریشیو سن لو! میں نے محمد کو پناہ دی ہے۔ خبردار! تم میں سے کوئی شخص اس سے بدزبانی نہ کرے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس پہنچے، اسے بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر چل دیے۔ اس دوران میں مطعم بن عدی اور اس کے اہل خانہ مسلح حالت میں آپ کے اردگرد موجود رہے حتی کہ آپ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

1 زاد المعاد: 33/3.

طائف کے سفر میں پیش آنے والے واقعات میں آپ کے طرزِ عمل سے آپ کے کئی گراں مایہ اوصاف اجاگر ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنی دعوت کے سلسلے میں آپ کس قدر پختہ عزم واقع ہوئے تھے۔ آپ ایک لمحے کے لیے بھی لوگوں کے قبول اسلام سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ اگر ایک میدان میں رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں تو آپ نے اپنی دعوت کے لیے فوراً نئے میدان کا انتخاب فرمالیا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حکمت و دانائی میں کامل تھے۔ جب آپ طائف پہنچے تو آپ نے تبلیغ کے لیے سرداران ثقیف کا انتخاب کیا۔ آپ جانتے تھے کہ اگر یہ سردار مان گئے تو طائف کے تمام قبیلے خود بخود مسلمان ہو جائیں گے۔

نبیٔ کریم ﷺ اپنی مسلمہ عظمت اور بلند مقامی کے باوجود دعوت کی راہ میں شدید مصائب جھیلتے رہے اور زخمی ہونے سے نہ بچ سکے حتیٰ کہ طائف میں آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین ہو گئے۔ آپ کی سیرت مقدسہ کا یہ عظیم الشان پہلو تمام داعیانِ اسلام کے لیے نہایت بلند پایہ نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہر قسم کا ظلم و ستم اور تشدد بخوشی برداشت کیا جائے۔

آپ کا اپنی قوم کے خلاف بددعا نہ کرنا اور پہاڑوں کے فرشتے کی پیشکش قبول نہ کرنا بھی داعیانِ اسلام کے لیے ایک عظیم مثال ہے کہ لوگوں کے دعوت قبول نہ کرنے پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور لوگوں کے قبولِ ہدایت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ نہیں تو ان کی نسل سے توحید پرست ضرور پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی عظیم حکمت ملاحظہ ہو کہ آپ مطعم بن عدی کی حمایت اور پناہ حاصل کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، لہٰذا ہر داعیٔ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاشرے میں ایسے لوگ تلاش کرے جو اسے دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھ سکیں تاکہ

وہ ڈٹ کر دعوت کا کام کر سکے۔

تجارتی منڈیوں اور اجتماعات حج میں دعوت وتبلیغ

نبیٔ کریم ﷺ نے طائف سے واپسی کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں دعوت کا کام جاری رکھا۔ آپ موسم حج میں لگنے والے تجارتی میلوں اور منڈیوں، مثلاً: عکاظ، مِجَنّہ اور ذوالمجاز وغیرہ میں تشریف لے جاتے کیونکہ ان منڈیوں میں تمام عربی قبائل تجارت کی غرض سے آتے تھے۔ تجارت کے علاوہ ان منڈیوں اور میلوں کا ایک مقصد اشعار سننا سنانا بھی تھا۔ آپ ان اجتماعات میں تشریف لے جاتے، قبائل سے اپنا تعارف کراتے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتے۔ ایام حج آئے تو آپ اپنے سابقہ معمول جو 4 نبوت سے چلا آ رہا تھا، اس کے مطابق تمام قبیلوں کے پاس گئے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

رسول اللہ ﷺ صرف قبائل ہی کو نہیں بلکہ افراد کو بھی دعوت دیتے تھے۔ آپ کا پیغام سب لوگوں کے لیے ہدایت اور فلاح کا پیغام تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے بنو دِیل کے ایک شخص ربیعہ بن عباد نے بتایا، وہ اس وقت کافر تھا، میں نے دورِ جاہلیت میں نبیٔ کریم ﷺ کو ذوالمجاز کے میلے میں دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُولُوا : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا»

لوگو! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔‘‘

لوگ آپ کے اردگرد اکٹھے تھے۔ آپ کے پیچھے ایک چمکتے چہرے والا بھینگا شخص تھا، اس نے بالوں کی دو بڑی بڑی لٹیں رکھی ہوئی تھیں، وہ کہتا پھرتا تھا: ’’یہ بے دین اور جھوٹا شخص

ہے۔‘‘ آپ جدھر بھی جاتے وہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا۔ میں نے پوچھا: ’’یہ کون ہے؟‘‘ تو لوگوں نے مجھے بتایا: ’’وہ جو آگے آگے جانے والے ہیں وہ تو مدعی رسالت ہیں اور یہ پیچھے پیچھے پھرنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔‘‘ [1]

اوس اور خزرج کے قبائل بھی حج کو جایا کرتے تھے جیسے دوسرے عرب جاتے تھے، البتہ یہودی حج کو نہیں جاتے تھے۔ جب اوس و خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف دیکھے اور آپ کی دعوت کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ تو وہی شخصیت ہیں جن کے آنے کی دھمکی ہمیں یہودی دیا کرتے ہیں۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم یہودیوں سے پہلے ہی ان کی بیعت کر لیں؟ لیکن اس سال انھوں نے بیعت نہیں کی بلکہ اسی طرح مدینہ واپس چلے گئے۔ [2]

11 نبوت کے ایام حج میں بھی آپ قبائل سے ملنے گئے۔ اسی دوران میں آپ کا گزر منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے قریب سے ہوا۔ وہاں آپ نے یثرب کے چھ نوجوان بیٹھے دیکھے تو آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔ وہ اپنے ساتھ دعوتِ اسلامی کا پیغام بھی لے گئے۔ اس طرح ایک سال کے دوران میں یثرب کی یہ حالت ہوگئی کہ ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہونے لگا۔ [3]

اگلے سال لوگ حج کو آئے تو ان میں یثرب کے حاجیوں میں سے بارہ افراد ایک

---

[1] مسند أحمد: 492/3 و 341/4، و سنده حسن، وصحيح ابن حبان (ابن بلبان): 518/14، حديث: 6562، والمستدرك للحاكم: 15/1، حديث: 39. [2] زاد المعاد: 44/3، والتاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 136/2، والرحيق المختوم: 129، والبداية والنهاية: 136/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 429/2. [3] الرحيق المختوم: 137، وزاد المعاد: 45/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 430/2، والبداية والنهاية: 146/3.

خاص مقصد کے تحت آئے۔ ان میں پانچ افراد تو وہ تھے جو پچھلے سال رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ بارہ افراد حسبِ وعدہ منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملے اور ان میں بقیہ 7 افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان بارہ افراد نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر ان کاموں کی بیعت بھی کی جن کا تذکرہ قرآنِ مجید میں عورتوں کی بیعت کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔[1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«تَعَالَوْا بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا ، وَّلَا تَسْرِقُوا ، وَلَا تَزْنُوا ، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ ، فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ ، وَّمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ»

''آؤ مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان طرازی نہیں کرو گے اور کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جو شخص اس عہد پر پورا اترے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ لیکن جس نے ان امور میں سے کوئی کام کر لیا اور اسے دنیا میں سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی، البتہ جس نے ان میں سے

[1] زاد المعاد:3/45 ، والرحيق المختوم: 137 ، والسيرة النبوية لابن هشام:2/439-442 .

کوئی کام کرلیا اور اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے سزا دے چاہے معاف فرما دے۔''

ہم سب نے ان باتوں پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔[1] (یہ 12 نبوت کا واقعہ ہے۔)

بیعت مکمل ہونے کے بعد حج سے واپسی کے وقت نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اسلامی احکام سکھائیں اور تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں کام بطریق احسن انجام دیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ 13 نبوت کے حج میں یثرب سے تہتر مرد اور دو عورتیں حج کرنے آئے اور یہ سب مسلمان تھے۔

یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو انھوں نے جمرۂ عقبہ کے پاس ہی آپ سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ آپ مقررہ وقت پر تشریف لائے اور ان سے بات چیت کی۔ یہ لوگ کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! ہم کن شرائط پر آپ کی بیعت کریں؟'' آپ نے فرمایا:

«تُبَايِعُونِي عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَنْ تَقُولُوا فِي اللهِ لَا تَخَافُونَ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَّعَلٰى أَنْ تَنْصُرُونِي فَتَمْنَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ وَلَكُمُ الْجَنَّةُ»

''تم مجھ سے بیعت کرو کہ تم ہر حال میں میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے، خواہ تم خوش ہو یا ناخوش، مال خرچ کرو گے، خواہ مالدار ہو یا تنگ دست، نیکی

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب وفود الأنصار إلى النبي ﷺ بمكة......، حديث: 3892 وكتاب الإيمان، باب: 11، حديث: 18.

کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو گے اور جب میں تمھارے پاس آؤں تو میری بھرپور مدد کرو گے اور جس طرح اپنی جان، اولاد اور ازواج کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرو گے۔ یاد رکھو اس کے بدلے تمھیں جنت ملے گی۔''[1]

وہ سب اٹھے اور انھوں نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

اس بیعت کی تکمیل کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے بارہ افراد کو سردار بنایا کہ یہ افراد اپنی قوم کے لیے داعیٔ اسلام ہوں گے۔ ان میں سے نو خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور تین اوس قبیلے کے تھے۔ بعد ازاں یہ سب لوگ یثرب واپس چلے گئے اور وہاں جا کر پورے شہر میں اسلام کی روشنی پھیلا دی۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ان لوگوں سے بہت کام لیا۔[2]

بیعت عقبہ ثانیہ مکمل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ ایک اسلامی وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ خبر مکہ میں ہر طرف پھیل گئی۔ تحقیقات کے بعد قریش کو یقین ہو گیا کہ یثرب والوں نے واقعی رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی ہے۔ اس واقعے کے بعد کفار نے مکہ کے مسلمانوں پر ظلم و ستم میں اضافہ کر دیا۔ معاملہ حد سے گزرنے لگا تو آپ نے مسلمانوں کو مدینہ (یثرب) ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر قریش آگ بگولہ ہو گئے اور 26 صفر 14 نبوت کو انھوں نے ایک جرگہ منعقد کیا جس میں نبیٔ کریم ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا حتمی پرگرام طے کر لیا گیا۔

[1] مسند أحمد: 322/3، والمستدرك للحاكم: 625/2، حديث: 4251، والسنن الكبرٰى للبيهقي، باب الإذن بالهجرة: 9/9. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 443/2، و البداية والنهاية: 159/3، والرحيق المختوم: 145.

اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو بذریعہ وحی کفار کے فیصلے سے مطلع کر دیا۔ وقت مقررہ پر آپ نے دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس رات تم میرے بستر پر سو جانا۔ مشرکین دروازے کے سوراخوں سے حضرت علی کو لیٹا دیکھ کر مطمئن رہے جبکہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت کے سفر پر چل دیے۔ [1]

یہ عظیم انقلابی واقعات رسول اللہ ﷺ کی حکمت کاملہ کا روشن ثبوت ہیں۔ ان سے آپ کے صبر، استقلال، تحمل اور بہادری کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ قریش سرکش ہو چکے ہیں اور انھوں نے دعوتِ اسلامیہ کو رد کر دیا ہے تو آپ نے ایسی جگہ کی تلاش شروع کر دی جسے دعوتِ اسلامیہ کا مرکز قرار دیا جائے، پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باقاعدہ بیعت لی اور نصرتِ اسلام کا پکا عہد لیا۔ یہ سارا عمل دو اجلاسوں، یعنی بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں طے ہوا۔ جب آپ کو دعوت کے مرکز کے لیے جگہ مل گئی اور مددگار بھی مہیا ہو گئے تب آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کا حکم دیا، پھر جب قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ نے ان کا منصوبہ فیل کرنے کے لیے اسباب اختیار فرمائے۔ اسے بزدلی کہا جا سکتا ہے نہ موت سے فرار بلکہ یہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اسباب اختیار کرنے کا حسین امتزاج ہے۔ اسی حکیمانہ سیاست کی وجہ سے آپ کی دعوت کامیاب ہوئی۔ ان تمام واقعات میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے رہنمائی کے بڑے بڑے سبق چمک رہے ہیں۔ داعیانِ اسلام کو بھی اسی طرح بھرپور توکل کے ساتھ اسباب بھی اختیار کرنے چاہییں کیونکہ نبیٔ کریم ﷺ تمام داعیان کے لیے نمونہ اور مقتدیٰ ہیں۔

[1] الرحيق المختوم: 154، والسيرة النبوية لابن هشام: 482/2، والبداية والنهاية: 175/3، و زاد المعاد: 50/3.

دفاع اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے زخم

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے جنگ احد کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ کو لگنے والے زخموں کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ فرمانے لگے: ''نبیٔ کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک شدید زخمی ہوا۔ آپ کا دانت شہید ہو گیا اور آہنی خود آپ کے سر پر پچک گیا۔ آپ کے سر اور چہرۂ مبارک سے خون بہ رہا تھا۔ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خون دھو رہی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو تھام رکھا تھا لیکن خون رکنے کی بجائے مسلسل بہ رہا تھا۔ آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا اجلا کر راکھ بنائی، پھر وہ راکھ زخموں پر چپکا دی جس سے خون رک گیا۔''[1]

آپ کو اتنی بڑی تکلیف پہنچی جس پر پہاڑ بھی لرزہ براندام تھے مگر اللہ کے نبی پھر بھی اپنی قوم کے خلاف بددعا نہیں کرتے بلکہ ان کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ لوگ جانتے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے اب بھی تصور کی آنکھ سے نظر آ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جنھیں ان کی قوم نے اتنا مارا کہ ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ وہ اپنے مبارک چہرے سے خون صاف کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ لوگ (نادان ہیں) حقیقت سے بے خبر ہیں۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب لبس البيضة، حديث: 2911، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث: 1790. [2] صحيح البخاري، الأنبياء، باب حدثنا أبو اليمان، حديث: 3477، و صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث: 1792.

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام جن کے سردار حضرت محمد ﷺ ہیں، حلم وحوصلہ، تحمل و برداشت، عفو و درگزر، اپنی قوم کے لیے شفقت و رحمت اور ان کے لیے ہدایت و مغفرت کی طلب میں انتہائی عالی مرتبہ ہیں۔ لوگ ان پر ظلم بھی کرتے تھے تب بھی وہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور عذر پیش کرتے رہتے تھے کہ اے اللہ! یہ جاہل ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوا هٰذَا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ» وَهُوَ حِينَئِذٍ يُشِيرُ إِلٰى رَبَاعِيَتِهِ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى رَجُلٍ يَّقْتُلُهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ»

''اُن لوگوں پر اللہ تعالیٰ سخت غضبناک ہے جنھوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اور اس وقت آپ اپنے ٹوٹے ہوئے دانت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے، پھر فرمایا: ''اس شخص پر بھی اللہ عزوجل بہت غضبناک ہے جسے اللہ تعالیٰ کا رسول جہاد کے دوران میں قتل کر دے۔'' [2]

نبیٔ کریم ﷺ دعوت و تبلیغ کی راہ میں کیسے کیسے دردناک مصائب برداشت کرتے رہے۔ آپ کے اس عمل میں داعیانِ اسلام کے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں انھیں کوئی جسمانی تکلیف پہنچے یا ان کی آزادی سلب کر لی جائے یا ان کے لیے سزائے موت تجویز کر دی جائے تب بھی وہ صبر و تحمل ہی کا مظاہرہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی کرب ناک تکالیف پہنچائی گئیں مگر آپ نے صبر و ثبات کا دامن نہیں چھوڑا۔ تمام انسانوں کے لیے آپ ہی اسوۂ حسنہ ہیں۔

[1] شرح النووي على مسلم: 12/148-150. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث:4073، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب اشتداد غضب الله......، حديث:1793.

باب :15

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور بہادری

یہ حقیقت ہے کہ جنگ کے میدان میں ثابت قدمی اور صبر ہی کا نام بہادری ہے۔ جنگ میں خوف کی پرچھائیوں سے بھی دور رہنا پڑتا ہے تاکہ کہیں بزدلی کا مظاہرہ نہ ہو۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے قاری کو پتہ چلے گا کہ نبیٔ کریم ﷺ اس وصف میں بھی سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طریقے سے جہاد کیا۔ دل سے بھی، زبان کے ساتھ بھی، تلوار کے ساتھ بھی اور دعوت کے ساتھ بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے چھپن لشکر بھیجے، ستائیس جنگوں میں بذاتِ خود قیادت فرمائی اور نو جنگوں میں براہِ راست لڑائی میں حصہ لیا۔[1] چند مثالیں یہ ہیں:

غزوۂ بدر کبریٰ میں آپ کی شجاعت

اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے انتہائی دانشمندانہ اقدامات میں سے ایک یہ ہے کہ جنگ کے آغاز سے پہلے آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ انصار لڑائی میں کس حد تک پرجوش ہیں کیونکہ بیعت کی شرائط کی رو سے انصار اس بات کے پابند تھے کہ مدینہ منورہ کے اندر آپ کی حفاظت اپنی جانوں، مالوں اور بیوی بچوں سے بھی بڑھ کر کریں گے لیکن مدینہ سے باہر اس کا بیعت میں کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس لیے آپ

[1] شرح النووي على مسلم: 114/12، غزوة حنين.

نے مناسب سمجھا کہ ان سے مشورہ کرلیا جائے۔ آپ نے سب کو اکٹھا کیا اور ان سے مشاورت کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت اچھی باتیں نہایت پرخلوص لہجے میں بیان فرما کر بیٹھ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انھوں نے بھی بہت اچھے الفاظ میں اپنی رائے ظاہر کی۔ آپ نے مزید رائے دینے کو کہا تو حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جانے کا حکم دیا ہے آپ وہاں تک چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمھارا رب جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں: آپ اور آپ کا رب چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے لڑیں گے۔'' پھر آپ نے مزید رائے طلب فرمائی۔ انصار سمجھ گئے کہ آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور عرض پرداز ہوئے: ''اللہ کے رسول! یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں (واقعتاً آپ کا مقصد یہی تھا) کیونکہ انصار نے یہ بیعت کی تھی کہ ہم مدینہ منورہ میں ہر کالے اور گورے سے آپ کی حفاظت کریں گے تو جب آپ نے مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا پروگرام بنایا تو انصار کی رائے جاننے کے لیے آپ نے مجلس مشاوت قائم کی، اس لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''شاید آپ کو خدشہ ہے کہ انصار صرف مدینہ منورہ کے اندر آپ کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں؟ میں سب انصار کی طرف سے بات کر رہا ہوں اور سب کی طرف سے جواب دے رہا ہوں۔ آپ جہاں جانا چاہتے ہیں تشریف لے چلیں جس سے چاہیں صلح کریں، جس سے چاہیں تعلقات منقطع کریں، ہم سے جتنا مال لینا چاہیں حکم فرمائیں اور جو چاہیں ہمیں دیں۔ آپ جو مال ہم

سے لیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑیں گے۔ آپ جو بھی حکم دیں گے ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ ''برک غماد'' تک جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! اگر آپ ہمیں سمندر پر لے جائیں اور سمندر میں پاؤں رکھیں تو اللہ کی قسم! ہم آپ کے ساتھ سمندر میں اتر پڑیں گے۔ ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ اگر آپ ہمیں کل دشمن سے مقابلے کا حکم دیں تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ ہم جنگ میں جم جانے والے اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں اور اگر جنگ ہوئی تو (ان شاء اللہ) آپ ہمارے ایسے کارنامے دیکھیں گے کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اللہ کی برکت کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف چلنے کا حکم دیجیے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس پرجوش تقریر سے رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور تمتمانے لگا اور آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

«سِيرُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّ اللهَ قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَلَكَأَنِّي الْآنَ أَنْظُرُ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ»

''چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قافلہ اور لشکر میں سے ایک پر فتح کی بشارت دی ہے۔ مجھے اب بھی تصور کی آنکھ سے دشمنوں کی ہلاکت گاہیں نظر آرہی ہیں۔''[1]

غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا وصف رب تعالیٰ پر کامل اعتماد ہے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 333/2، وفتح الباري: 282/7، وزاد المعاد: 173/3 . اس معنی کی احادیث صحیح بخاری ومسلم میں بھی ہیں، دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾، حديث: 3952، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة بدر، حديث: 1779 .

آپ کو یقین تھا کہ فتح تعداد یا اسلحہ کی کثرت پر موقوف نہیں بلکہ فتح کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اسباب بھی اختیار فرمائے مگر مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر رکھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو دیکھا۔ ان کی نفری ایک ہزار تھی جبکہ آپ کے ساتھی صرف تین سو انیس تھے۔ آپ فوراً قبلہ رخ ہو گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا دیے اور رب کریم کو عجز و نیاز کے ساتھ پکارنے لگے:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَّنِي ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! آج وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے مجھ سے کر رکھا ہے۔ اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت تو نے ہلاک کر دی تو اس زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔''

آپ اپنے ہاتھ اٹھائے قبلے کی طرف منہ کیے اسی طرح اپنے رب کو پکارتے رہے حتی کہ آپ کی چادر مبارک کندھوں سے گر پڑی۔ ابوبکر آئے، چادر اٹھا کر آپ کے کندھوں پر رکھی، پھر آپ کی کمر سے چمٹ گئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنے رب کریم کو بہت پکارا ہے۔ اب تو ہمیں بھی یقین آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار

فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔‘‘ [1]

واقعتاً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بطور معاون بھیجا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ اپنے چھپر سے یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾

’’عنقریب جماعتِ کفار کو شکست ہوگی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔‘‘ [3]

رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ میں براہِ راست خود دشمن کا مقابلہ کیا۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ مضبوط، قوی اور بہادر تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ چھپر میں بھی یہی دونوں شخصیات اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اور گریہ زاری کرتی رہیں، پھر باہر نکل کر لوگوں کو لڑنے کی ترغیب دی اور خود بھی براہِ راست کفار سے لڑے تاکہ دونوں بلند مقام حاصل ہوجائیں۔ [4]

نبیٔ کریم ﷺ سب سے زیادہ جری اور دلیر تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ بَدْرٍ وَّنَحْنُ نَلُوذُ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ أَقْرَبُنَا إِلَى الْعَدُوِّ، وَكَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ بَأْسًا»

’’مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ دشمن کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ ہم تو آپ کی اوٹ میں ہوکر لڑائی لڑتے تھے۔ اس دن آپ نے سب سے زیادہ لڑائی میں حصہ لیا۔‘‘ [5]

[1] الأنفال 9:8. [2] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، حديث:1763. [3] القمر 45:54. صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾، حديث:4875. [4] البداية والنهاية:278/3. [5] مسند أحمد:86/1، والمستدرك للحاكم:143/2.

حضرت علی ہی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ”جب جنگ شدید ہو جاتی اور لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی اوٹ میں پناہ لے کر اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی آپ سے بڑھ کر دشمن کے قریب نہ جاتا تھا۔“[1]

غزوۂ اُحد میں دلیری کا مظاہرہ

غزوۂ احد میں بھی آپ نے بہادری کا عظیم مظاہرہ کیا اور دشمن کی ایذا رسانی پر بے مثال صبر کیا۔ آپ نے زبردست جنگ کی۔ ابتدا میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا۔ دشمن میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے گئے حتی کہ اپنی عورتوں تک پہنچ گئے۔ جب مسلمانوں کے تیرانداز دستے نے دشمن کی شکست دیکھی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ مرکز (درہ، یعنی جبل عینین) کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے سمجھا اب دشمن کی واپسی کا امکان نہیں، اس لیے وہ مال غنیمت لوٹنے کے لیے چل پڑے اور پہاڑی درے کو کھلا چھوڑ دیا۔ مشرکین کے سوار دستے نے چکر لگا کر دیکھا کہ درہ تیراندازوں سے خالی ہو چکا ہے تو وہ تیزی سے پلٹ آئے اور مسلمانوں پر پچھلی جانب سے حملہ کر دیا۔ یوں مسلمان دونوں طرف سے دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ اب ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ ستر مسلمان شہید ہو گئے اور باقی صحابہ دائیں بائیں منتشر ہو گئے حتی کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے۔ انھوں نے آپ کا کام تمام کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔ آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ دایاں نچلا رَباعی دانت شہید ہو گیا، آہنی خود پچک کر سر میں گھس گیا۔ آس پاس موجود صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو بچانے کے لیے کفار سے زبردست لڑائی کی۔[2]

اس وقت آپ کے ارد گرد دو قریشی اور سات انصاری نوجوان تھے۔ جب دشمن بالکل

[1] المستدرك للحاكم: 143/2، حديث: 2633، و مسند أحمد: 156/1، والبداية والنهاية: 278/3. [2] زاد المعاد: 196/3، والرحيق المختوم: 258.

سر پر چڑھ آیا تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ يَّرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

''کون ان کو روک کر جنت حاصل کرے گا یا (فرمایا:) وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

ایک انصاری آگے بڑھا اور جان کی بازی لگا کر شہید ہو گیا۔ دشمن اور قریب آ گیا۔ آپ نے پھر فرمایا:

«مَنْ يَّرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ»

''کون ان کے آگے دیوار بن کر جنت حاصل کرے گا۔''

دوسرا انصاری آگے بڑھا جان توڑ کر لڑا، آخر وہ بھی شہید ہو گیا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قریشیوں سے فرمایا:

«مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا»

''ہم نے انصار کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔''[1]

مسلمان دوبارہ اکٹھے ہو گئے اور نبیٔ کریم ﷺ کو لے کر ایک گھاٹی کی طرف چل دیے۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے۔ جب وہ پہاڑ کی اوٹ حاصل کر چکے تو اُبَیّ بن خلف اپنے گھوڑے پر سوار آ نکلا اور کہنے لگا: ''کہاں ہے محمد؟ اگر وہ آج بھی بچ گیا تو میرے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی شخص اس کا مقابلہ کرے؟'' فرمایا: ''نہیں، اسے آنے دو۔'' جب وہ بالکل قریب آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ پکڑا اور ایک دفعہ جھرجھری سی لی تو لوگ یوں ادھر ادھر ہوئے جیسے اونٹ جھرجھری لیتا ہے تو اس کی پشت سے بال جھڑتے ہیں،

[1] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة أحد، حديث: 1789 .

پھر آپ نے ابی بن خلف کا رخ کیا۔ اس کی وسیع زرہ اور خود کے جوڑ والی جگہ سے گلے کی ہڈی کچھ کچھ نظر آ رہی تھی۔ آپ نے وہیں نیزہ مارا۔ ضرب کی شدت سے وہ گھوڑے کی پشت سے گر پڑا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا: ''مجھے محمد نے، اللہ کی قسم! قتل کر دیا'' حالانکہ اس کی گردن پر بظاہر معمولی سا زخم آیا تھا۔ اس کے ساتھی کہنے لگے: ''تم خواہ مخواہ بزدل ہو گئے ہو ورنہ زخم تو کوئی زیادہ کاری نہیں ہے۔'' وہ کہنے لگا: ''نہیں، اصل بات یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے ایک دفعہ مکہ میں مجھ سے کہا تھا کہ تو میرے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ اس لیے، اللہ کی قسم! میں ہر صورت میں مر کے رہوں گا۔ اگر محمد (ﷺ) مجھ پر تھوک بھی دیتے تب بھی میری ہلاکت یقینی بات تھی۔'' بالآخر ایسا ہی ہوا، اللہ کا دشمن واپس مکہ جاتے ہوئے سرف کے مقام پر واصلِ جہنم ہو گیا۔ [1]

غزوۂ حنین میں بے مثل بہادری

غزوۂ حنین شروع ہوا، مسلمانوں اور کافروں میں مڈھ بھیڑ ہوئی تو مسلمان بھاگ اٹھے۔ [2] رسول اللہ ﷺ تقریباً تنہا رہ گئے۔ اس کے باوجود آپ نے کافروں کی طرف اپنی خچر کو ایڑ لگا دی، پھر فرمایا:

«أَيْ عَبَّاسُ! نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ»

''عباس! کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کو آواز دو۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے بلند آواز سے پکارا:

[1] زاد المعاد: 199/3، والرحيق المختوم: 259، والبداية و النهاية: 34,33/4.

[2] اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 2 ہزار اہل مکہ کا لشکر تھا جبکہ 10 ہزار مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے تھے۔ ان سب نے مل کر حنین کا معرکہ لڑا۔ دیکھیے (زادالمعاد: 468/3)

’’کہاں ہیں کیکر کے نیچے بیٹھ کر بیعت کرنے والے؟‘‘ اللہ کی قسم! میری آواز سن کر مسلمان یوں پلٹے جس طرح گائے اپنے بچھڑے کی طرف بھاگتی ہے۔ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں: ’’لبیک، لبیک‘‘ اور پھر اصل جنگ شروع ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی خچر پر سوار تھے۔ حق و باطل کا معرکہ دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

«هٰذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ»

’’اب جنگ گرم ہوئی۔‘‘ [1]

اس موقع پر نبی کریم ﷺ کی ایسی بے مثل شجاعت سامنے آئی جو بڑے سے بڑے جرنیل سے بھی متوقع نہیں۔ [2]

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ’’ابو عمارہ! تم حنین کی جنگ میں بھاگ گئے تھے؟‘‘ وہ فرمانے لگے: ’’نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے۔ اصل بات یہ ہے۔ اس جنگ کے لیے کچھ پرجوش ناتجربہ کار نوجوان معمولی اسلحہ کے ساتھ چل پڑے جبکہ مقابلہ بڑی ماہر تیرانداز قوم بنوہوازن اور بنونصر سے تھا۔ ان کا ایک تیر بھی ضائع نہ جاتا تھا۔ دشمن نے یکبارگی تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ ایک نشانہ بھی خطا نہ گیا۔ یہ غیر محتاط اور غیر مسلح نوجوان بھاگ پڑے۔ ان کی بھگدڑ سے باقی لشکر میں بھی بدنظمی پیدا ہوگئی۔ دشمن نے رسول اللہ ﷺ کا رخ کر لیا۔ اس وقت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ کی خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور وہ آپ کو آگے جانے سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ خچر سے نیچے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا فرمائی اور پیدل ہی دشمن کی طرف بڑھنے لگے۔ آپ فرما رہے تھے:

[1] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة حنين، حديث: 1775. [2] الرحيق المختوم: 397.

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

اَللّٰهُمَّ! نَزِّلْ نَصْرَكَ

''میں ہوں ''وہ نبی'' اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا (اس کی نسل) سے ہوں۔ اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما۔'' [1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب جنگ زوروں پر ہوتی تھی تو ہم بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اوٹ حاصل کرتے تھے۔ ہم میں سے بڑا بہادر وہ ہوتا تھا جو آپ کے برابر کھڑا ہوتا تھا۔'' [2]

مسلم کی روایت میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''میں پیچھے کو بھاگتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ اپنی سفید خچر پر سوار تھے۔ آپ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَى ابْنُ الْأَكْوَعِ فَزَعًا»

''یقیناً ابن اکوع نے کوئی خطرناک صورت حال دیکھی ہے۔''

جب دشمن نے آپ کی خچر کو گھیر لیا تو آپ خچر سے نیچے اتر آئے، پھر آپ نے زمین سے مٹی کی مٹھی بھر کر دشمن کی طرف پھینک دی اور فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ»

''یہ چہرے بگڑ جائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سب کی آنکھوں میں مٹی بھر دی اور وہ سب شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے حاصل ہونے والا

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من صف أصحابه عند الهزيمة......، حديث: 2930، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1776، واللفظ له.

[2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: (79)-1776.

مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔[1]

اہل علم فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا میدانِ جنگ میں شدید لڑائی کے وقت خچر پر سوار ہونا انتہا درجے کی بہادری اور ثابت قدمی ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان آپ کو دیکھ کر مطمئن رہیں اور آپ کے ارد گرد اکٹھے ہو سکیں۔ یہ کام آپ نے قصداً کیا تھا ورنہ آپ کے پاس کئی گھوڑے بھی تھے جن کا تذکرہ دیگر احادیث میں آیا ہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی بے مثل بہادری ہی تھی کہ آپ دشمن کی طرف اپنی خچر کو ایڑ لگائے بھاگے جا رہے تھے جبکہ مسلمان پیچھے کو بھاگ چکے تھے اور آپ تقریباً اکیلے تھے۔ دشمن نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تھا، اس لیے آپ خچر سے بھی اتر پڑے گویا کہ آپ کو ان کی فکر ہی نہیں۔

واللہ! یہ ہے کامل شجاعت! کہا گیا ہے کہ آپ خچر سے اس لیے اترے تھے کہ پیدل لڑنے والے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان سے اظہار یک جہتی فرمائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہت سے دیگر مواقع پر بھی آپ کی بہادری کی بے مثل مثالیں بیان فرمائی ہیں۔[2]

حمایت صحابہ میں نبی ﷺ کی شجاعت

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''نبیٔ کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سخی اور بہادر تھے۔ ایک رات بڑا شور اٹھا، مدینے میں دشمن کے گھس آنے کی افواہ پھیل گئی۔ لوگ گھبرا کر شور کی طرف بھاگے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے پھیرا لگا کر ادھر سے واپس آ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

[1] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1777. [2] شرح النووي على مسلم: 120/12.

«لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا» وَهُوَ عَلٰى فَرَسٍ لِّأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ مَّا عَلَيْهِ سَرْجٌ، فِي عُنُقِهِ سَيْفٌ، فَقَالَ: «لَقَدْ وَجَدْتُّهُ بَحْرًا أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ»

''مت گھبراؤ، مت گھبراؤ، خطرے کی کوئی بات نہیں۔'' اور حالت یہ تھی کہ آپ اس وقت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے۔ گھوڑے پر زین بھی نہیں تھی اور آپ نے گلے میں تلوار لٹکا رکھی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تو اس گھوڑے کو سمندر جیسا تیز رفتار پایا ہے۔''[1]

ان مثالوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ بہادر ترین انسان تھے۔ آپ جیسا بہادر دنیا نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس حقیقت کی گواہی بڑے بڑے سورماؤں نے دی ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب میدان جنگ میں خون کے لوتھڑے اڑ رہے ہوتے تھے تو ہم آپ کی اوٹ میں ہو کر اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ ہم میں سے بڑا بہادر اسے سمجھا جاتا تھا جو آپ کے برابر کھڑا ہو کر لڑتا تھا۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان سابقہ روایت میں گزر چکا ہے کہ ''آپ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سخی اور بہادر تھے۔''

نبی ﷺ کی فراست اور دُور اندیشی

سابقہ مثالیں تو آپ کی شجاعتِ کردار و عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ باقی رہی آپ کی فکری صلاحیت اور دُور اندیشی تو اس سلسلے میں میں صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو ہزار

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، حديث: 6033، وصحيح مسلم، الفضائل، باب في شجاعة النبي ﷺ، حديث: 2307. [2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1776. حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان آپ غزوۂ بدر کے واقعے میں پڑھ چکے ہیں۔ دیکھیے مسند أحمد: 86/1.

دلائل سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس واقعے کا تعلق صلح حدیبیہ سے ہے۔ صلح کی دستاویز تیار کرتے وقت سہیل بن عمرو بات بات پر اڑ رہا تھا لیکن آپ نے کمال جرأت اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ناکام بنا دیا۔ اس نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ لکھنے پر اعتراض کیا کہ اس کے بجائے بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ لکھا جائے۔ اور پھر اس نے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ لکھنے پر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو ''رسول اللہ'' نہیں مانتے۔ اس کے بجائے اس نے محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا۔

سہیل نے صلح کے لیے یہ کڑی شرط لگا دی کہ آپ کے پاس جو بھی قریشی آئے، چاہے وہ مسلمان ہی ہو، آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا۔ مسلمان اس پر سخت غم و غصے کا اظہار کرنے لگے حتی کہ ان کا غصہ آخری حد کو چھونے لگا لیکن رسول اللہ ﷺ پرسکون رہے اور اس کی یہ شرط بھی تسلیم کر لی تاکہ صلح کا معاہدہ سبوتاژ نہ ہو۔ بالآخر صلح کی دستاویز تیار ہوگئی اور چند دن بعد ہی ثابت ہوگیا کہ یہ صلح تو دراصل ''فتح مبین'' تھی۔ [1]

اس واقعے سے آپ کے کردار و عمل کی بہادری ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کس قدر بالغ نظر، دور اندیش اور صحیح رائے رکھنے والے تھے۔ یہ بہت بڑی دانشمندی ہے کہ داعی بڑے مقاصد کے حصول کے لیے ایسی چیزوں سے دست بردار ہو جائے جنھیں چھوڑنے سے داعی کے اصل مقصد کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔

مذکورہ بالا واقعات سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ کی بہادری، ثابت قدمی اور دور اندیشی کے معاملات و واقعات تفصیل سے بیان کیے جائیں تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، لہٰذا ہر مسلمان، خصوصاً ہر داعیٔ اسلام کے لیے

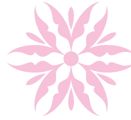
[1] دیکھیے صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد و المصالحة مع أهل الحرب و كتابة الشروط، حديث:2731، 2732، و مسند أحمد:87/1.

ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے تمام معاملات واحوال میں نمونہ بنائے۔صرف یہی طریقہ ہے جس سے کامیابی وکامرانی اور دنیا وآخرت کی سعادت حاصل ہوسکتی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[1]



[1] الأحزاب 21:33.

باب :16

اصلاح واتفاق کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکیمانہ طریقِ کار

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں مختلف عقیدہ رکھنے والے کئی قسم کے لوگ رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے مقاصد الگ الگ تھے۔ ان کی عیدیں الگ الگ ہوتی تھیں حتی کہ وہ عقیدے میں بھی متفرق تھے۔ یہ اختلافات کچھ قدیمی موروثی تھے اور کچھ جدید۔ مجموعی طور پر مدینہ منورہ میں تین گروہ تھے:

مسلمان: ان میں مہاجرین کے علاوہ اوس وخزرج کی اکثریت بھی شامل تھی۔

مشرکین: اوس وخزرج کے وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

یہودی: ان کے تین بڑے قبیلے تھے: (1) بنوقینقاع۔ یہ خزرج کے حلیف تھے (2) بنونضیر (3) اور بنوقریظہ۔ یہ دونوں قبیلے اوس کے حلیف تھے۔

اوس وخزرج میں دورِ قدیم سے اختلاف چلا آتا تھا اور ان میں کئی جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔ آخری جنگ بُعاث کی جنگ تھی۔ ان جنگوں کے اثرات ابھی تک دلوں میں جاگزیں تھے۔[1]

نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی حکمتِ کاملہ کے ساتھ ان مشکلات کو حل کرنے کا ذمہ اٹھایا۔

[1] دیکھیے البدایة والنهاية:3 / 213، والسيرة النبوية لابن هشام:2 / 556، وزادالمعاد: 3/62، والرحيق المختوم: 171، وصحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، حديث:482، وصحيح مسلم، المساجد، باب بناء مسجد النبي ﷺ، حديث:524.

اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے مندرجہ ذیل اقدامات فرمائے جن سے عمومی طور پر تمام مسلمانوں میں نظم وضبط اور محبت والفت کے جذبات پیدا ہوئے۔

مسجد کی تعمیر اور اس میں جمعہ وجماعت دلوں کے اتحاد کا اولین ذریعہ ہے

اصلاح بین المسلمین اور اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کرنے کے لیے آپ کا سب سے پہلا اقدام مسجد نبوی کی تعمیر تھا۔ تمام مسلمان مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے رسول اللہ ﷺ بطورِ قائد ورہنما اس کام میں بنفسِ نفیس شامل تھے۔ یہ باہمی تعاون کا اولین مظاہرہ تھا جس سے دلوں میں محبت والفت پیدا ہوئی اور مسلمانوں میں وحدتِ عمل کا جذبہ پیدا ہوا۔

نبیٔ کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں ہر قبیلے کے اجتماع کے مقامات الگ الگ تھے، جہاں وہ اکٹھے ہوتے، کہانیاں بیان کرتے، شعر سناتے اور راتیں جاگ کر گزارتے تھے مگر یہ الگ الگ قبائل کا معاملہ تھا۔ ان اجتماعات کے باوجود اختلاف وافتراق برقرار رہتا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے بعد مسلمانوں کو ایک مرکز میسر آ گیا جس میں وہ ہر وقت اکٹھے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے مسائل پوچھتے، آپ انھیں تعلیم دیتے اور ہدایت ورشد سے نوازتے تھے۔[1]

اس طرح تمام مجلسیں اور اجتماعات اکائی کا نشان بن گئے۔ تمام قبائل باہم گھل مل گئے۔ ان میں قرب پیدا ہو گیا اور اختلاف وافتراق وحدت میں تبدیل ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں متعدد جماعتیں نہ رہیں بلکہ صرف ایک جماعت بن گئی۔ سب سرداریاں ختم ہو گئیں، صرف ایک قائد باقی رہ گیا اور وہ تھے رسول اللہ ﷺ، آپ رب کریم سے احکام حاصل کرتے تھے، پھر اپنی امت کو سکھاتے تھے۔ اس طرح مسلمان ایک صف کی شکل اختیار کر گئے۔ تمام ذہن ایک ہو گئے۔ وحدت مضبوط ہو گئی، روحوں تک میں الفت و یگانگت پیدا

[1] دیکھیے فتح الباري:239/7.

ہوگئی اور جسم ایک دوسرے کے معاون بن گئے۔ [1]

مسجد صرف پانچ نمازوں ہی کی ادائیگی کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ تو ایک نہایت جامع اور کامل یونیورسٹی تھی جہاں مسلمان اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اگر کبھی ان میں کوئی تنازع پیدا ہوتا اور سابقہ جنگوں کے اثرات ظاہر ہوتے تو مسجد ان میں اتفاق اور الفت پیدا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں یہی مسجد ان کے باہمی معاملات کے انتظام، احکام کے نفاذ اور مجالسِ مشاورت کے انعقاد کا مرکز بھی تھی۔ اسی لیے آپ مدینہ منورہ میں جہاں بھی ٹھہرے سب سے پہلے آپ نے مسجد بنائی تاکہ مومنین وہاں جمع ہوسکیں۔ تشریف آوری کے وقت آپ قبا میں چند دن ٹھہرے تو آپ نے وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ قبا سے مدینہ آتے وقت راستے میں جمعہ کا وقت ہوا تو بنو سالم بن عوف میں جمعہ پڑھایا۔ یوں وہ جگہ بھی مستقل مسجد بن گئی۔ [2] جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مسجد کی تعمیر شروع کردی۔ [3]

یہودیوں کو دعوتِ اسلام

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اصلاحی کاموں میں سے دوسرا کام یہودیوں کے ساتھ تعلقات کا قیام اور انھیں دعوتِ اسلام دینا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ایک یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام کو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کی خبر پہنچی تو وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کی: ”میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جنھیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا:

[1] التاريخ الإسلامي: 162,161/2 ، والرحيق المختوم: 178 .

[2] آج کل یہ مسجد وادی ”رانوناء“ میں واقع ہے۔

[3] السيرة النبوية ، دروس و عبر ، ص: 74 ، وفقه السيرة ، ص: 189 .

① قیامت کی پہلی نشانی کون سی ہے؟

② جنت والے سب سے پہلے کون سا کھانا کھائیں گے؟

③ کیا وجہ ہے بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَبَّرَنِي بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ» قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ، وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الْوَلَدِ فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ الْمَرْأَةَ فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا» قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهْتٌ إِنْ عَلِمُوا بِإِسْلَامِي قَبْلَ أَنْ تَسْأَلَهُمْ بَهَتُونِي عِنْدَكَ، فَأَرْسَلَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ، فَأَقْبَلُوا فَدَخَلُوا عَلَيْهِ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ! وَيْلَكُمُ اتَّقُوا اللهَ، فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ حَقًّا، وَأَنِّي جِئْتُكُمْ بِحَقٍّ فَأَسْلِمُوا» قَالُوا: مَا نَعْلَمُهُ، قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ، قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ. قَالَ: «فَأَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ؟» قَالُوا: ذَاكَ سَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا، وَأَعْلَمُنَا وَابْنُ أَعْلَمِنَا، قَالَ: «أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟» قَالُوا: حَاشَا لِلّٰهِ مَا كَانَ لِيُسْلِمَ، قَالَ: «أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟» قَالُوا: حَاشَا لِلّٰهِ مَا كَانَ لِيُسْلِمَ، قَالَ «أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟» قَالُوا: حَاشَا لِلّٰهِ مَا كَانَ لِيُسْلِمَ،

قَالَ: «يَا ابْنَ سَلَامٍ! أُخْرُجْ عَلَيْهِمْ» فَخَرَجَ، فَقَالَ: يَامَعْشَرَ الْيَهُودِ! اِتَّقُوا اللهَ، فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَأَنَّهُ جَاءَ بِحَقٍّ، فَقَالُوا لَهُ: كَذَبْتَ، شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا، وَوَقَعُوا فِيهِ.

''یہ باتیں جبریل مجھے ابھی بتا کر گئے ہیں۔'' عبداللہ بن سلام کہنے لگے: یہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

② جنت والوں کا سب سے پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہوگا۔

③ باقی رہی بچے کی مشابہت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے جماع کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو مشابہت باپ کے ساتھ ہوجاتی ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوجاتا ہے۔''

یہ ارشادات سن کر عبداللہ بن سلام فوراً پکار اٹھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور) بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں'' پھر وہ کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! یہودی بہت بہتان طراز قوم ہے۔ اگر انھیں میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو وہ آپ کے سامنے مجھ پر بہتان باندھیں گے (اس لیے آپ انھیں بلا کر میرے بارے میں پوچھ لیں کہ میں کیسا ہوں؟'') آپ نے یہودیوں کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ نے فرمایا: ''یہودیو! ہلاک ہوجاؤ! اللہ سے ڈرو۔ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں اور دین حق لے کر آیا ہوں، لہٰذا مسلمان ہو

کہنے لگے: ''ہم تو نہیں جانتے۔'' آپ نے تین مرتبہ یہی بات دہرائی لیکن وہ نہ مانے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا بتاؤ! عبداللہ بن سلام تم میں کیا مرتبہ رکھتا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''وہ ہمارا سردار ہے، ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور بڑے عالم کا بیٹا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر؟'' وہ کہنے لگے: ''اللہ کی پناہ! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔'' آپ نے فرمایا: ''بالفرض اگر وہ اسلام قبول کر لے تو؟'' وہ کہنے لگے: ''ہرگز نہیں! وہ اسلام قبول نہیں کر سکتا۔'' آپ نے فرمایا: ''تم صرف یہ بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو؟'' وہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا۔'' آپ نے فرمایا: ''ابن سلام! ان کے سامنے آؤ۔'' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: ''یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! تم یقیناً جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور دین حق لے کر آئے ہیں۔'' وہ فوراً بولے: ''تم جھوٹ بولتے ہو، تم ہم میں سے بدترین شخص ہو اور تمھارا باپ بھی بدترین تھا۔'' یہودی انھیں برا بھلا کہنے لگے۔[1]

مدینہ تشریف آوری کے بعد یہودیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ پہلا تجربہ تھا۔[2]

آپ کی دانائی اور حکمت ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے یہودیوں سے استفسار تک عبداللہ بن سلام کو پردے ہی میں رکھا۔ جب آپ نے ان سے عبداللہ بن سلام کے بارے میں پوچھ لیا اور انھوں نے اس کی خوب تعریف کر دی تب آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو پردے سے باہر آنے کو کہا اور انھوں نے باہر آ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث:3329، وكتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة، حديث:3911، و باب:51، حديث:3938. [2] الرحيق المختوم:174.

کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہودی جان بوجھ کر آپ کی تصدیق چھپا رہے ہیں۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارا

جس طرح آپ نے مدینہ تشریف لاتے ہی مسجد بنوائی اور یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسی طرح آپ نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارا بھی قائم کر دیا۔ یہ واقعہ آپ کے کمالِ عقل، سیاسی پختگی اور نبوی حکمت و دانائی کا بہترین مظہر ہے۔

آپ نے یہ پُرحکمت کارنامہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں انجام دیا۔ اس میں نوے آدمی شریک تھے۔ نصف مہاجرین اور نصف انصار۔ آپ نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تاکہ وہ ایک دوسرے کے کامل ہمدرد اور خیر خواہ بنیں بلکہ وفات کی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنیں جس طرح رشتہ دار وارث ہوتے ہیں۔ یہ حکمِ وراثت جنگ بدر تک برقرار رہا حتی کہ یہ آیت اتری:

﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾

''اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''[1]

اس آیت کے مطابق وراثت رشتہ داری کے ساتھ مخصوص ہوگئی اور یہ امر مسلَّم ہو گیا کہ کسی کو بھائی بنا لینے سے وراثت جاری نہ ہوگی۔[2]

آپ کے اس حکیمانہ طریقِ کار سے جاہلیت کا ہر قسم کا تعصب ختم ہو گیا اور رنگ، خاندان اور نسلی امتیازات کی کوئی اہمیت نہ رہی اور بزرگی اور عظمت کا معیار تقویٰ اور اخلاق قرار پائے۔ اخوت و محبت بلکہ بھائی کو اپنی ذات سے مقدم رکھنے کے جذبات ہر طرف چھا گئے اور ایک نیا بے مثل معاشرہ جلوہ افروز ہو گیا۔ اس بھائی چارے سے اسلام

[1] الأنفال 8:75. [2] زاد المعاد: 63/3، و الرحیق المختوم: 176.

کے انسانی اور اخلاقی معیار کا پتہ چلتا ہے۔[1]

یہ بھائی چارا کوئی کاغذی معاہدہ نہیں تھا کہ صرف لکھ لیا گیا یا چند رسمی باتیں نہ تھیں جو زبان سے کی گئیں اور اڑن چھو ہو گئیں بلکہ یہ تو ایسی دستاویز تھی جو دلوں کے صفحات پر نقش ہو گئی تھی۔ یہ ایسی کارروائی تھی جو جان و مال تک رسائی رکھتی تھی۔ یہ بھائی چارا زبان کے ساتھ بھی تھا اور عمل کے ساتھ بھی، جان میں بھی تھا اور مال ومنال میں بھی، تنگی میں بھی واجب العمل تھا اور خوشحالی میں بھی۔[2]

اس کا بہترین مصداق وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ حضرت سعد حضرت عبدالرحمٰن سے کہنے لگے: ’’انصار بخوبی جانتے ہیں کہ میں انصار کے بہت زیادہ مال دار لوگوں میں شامل ہوں۔ میں اپنا مال آپ کے ساتھ برابر برابر تقسیم کر لیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ انھیں دیکھ لیجیے جو آپ کو زیادہ پسند ہو اسے میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت مکمل ہونے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔‘‘ حضرت عبدالرحمٰن کہنے لگے: ’’اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و مال میں برکت فرمائے۔ بس مجھے اتنا بتا دیجیے کہ تجارتی منڈی کدھر ہے؟‘‘ انھیں بنوقینقاع کی منڈی کا پتہ بتا دیا گیا۔ جب وہ شام کو واپس آئے تو اپنے ساتھ بہت سا پنیر اور گھی لیتے آئے، پھر ہر روز منڈی جاتے اور تجارت کرنے لگے حتی کہ ایک دن آئے تو ان کے جسم پر صُفرَہ (عورتوں کی خوشبو) کے نشانات تھے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے تعجب سے دریافت فرمایا: «مَهْيَمْ؟» ’’یہ کیا ہے؟‘‘ انھوں نے عرض کی: ’’میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔‘‘ آپ نے فرمایا: «مَا سُقْتَ إِلَيْهَا» ’’اسے مہر میں کیا دیا؟‘‘ عرض کی: ’’گٹھلی کے برابر سونا۔‘‘ فرمایا:

[1] الرحيق المختوم: 176. [2] التاريخ الإسلامي: 165/2، وفقه السيرة، ص: 192.

«أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» ’’(بہت خوب!) ولیمہ بھی کرنا اگرچہ ایک بکری ہی ذبح کرو۔‘‘[1]

یہ بھائی چارا آپ کی بے مثال حکمت و دانائی اور سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا جس کی برکت سے ایسی بہت سی وہ مشکلات ناپید ہوگئیں جن سے مسلمانوں کو سابقہ پڑ سکتا تھا۔

اعلیٰ حکیمانہ تربیت

نبیٔ کریم ﷺ پوری توجہ کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفوس میں مصروف رہتے تھے۔ آپ انھیں اعلیٰ اخلاق کی ترغیب دیتے اور آپس میں پیار و محبت، عز و شرف اور عبادت و طاعت کی تلقین فرماتے تھے۔[2]

آپ فرماتے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

’’اے لوگو! آپس میں سلام کو عام کرو، حاجت مندوں کو کھانا کھلاؤ، رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، اٹھ کر نماز پڑھو، تم خیر و عافیت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘[3]

یہ ارشاد بھی فرماتے تھے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

’’وہ شخص جنت میں نہیں جا سکے گا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين......، حديث: 3781,3780. [2] الرحيق المختوم: 178. [3] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب، حديث: [أفشو السلام......]، حديث: 2485، وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب إطعام الطعام، حديث: 3251.

بے خوف نہ ہو۔"[1]

نیز فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"[2]

آپ فرماتے تھے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"[3]

نیز آپ فرماتے تھے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایسے ہے جیسے ایک عمارت کے اجزاء جو ایک دوسرے کو قوت اور سہارا دیتے ہیں۔"

یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پیوست کر کے دکھایا۔[4]

مزید آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم إيذاء الجار، حديث: 46. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب أي الإسلام أفضل، حديث:11، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام......، حديث: 41، واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث:13، و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه......، حديث: 45. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد و غيره، حديث:481، و صحيح مسلم، البر و الصلة، باب تراحم المؤمنين و تعاطفهم و تعاضد هم، حديث: 2585.

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ! إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا» وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ: «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»

’’ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، بھاؤ بڑھانے کے لیے حیلے نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو، کسی کے سودے پر سودا نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے بے یارو مددگار بھی نہیں چھوڑتا اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔‘‘ پھر تین بار دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ کسی آدمی کے لیے اتنا گناہ ہی (جہنم میں جانے کے لیے) کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمانوں کے لیے قابل احترام ہے۔‘‘[1]

نیز آپ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَّلْتَقِيَانِ، فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»

’’کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع کلامی کرے۔ جب ایک دوسرے کو ملیں تو ایک ادھر منہ کر لے دوسرا ادھر،

[1] صحيح مسلم، البر و الصلة، باب تحريم ظلم المسلم، ......، حديث: 2564 .

ان دونوں میں سے بہتر اور اچھا شخص وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا»

''پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو معاف کر دیا جاتا ہے جو شرک نہ کرتا ہو مگر اس شخص کو معاف نہیں کیا جاتا جو اپنے کسی بھائی سے بغض اور دشمنی رکھتا ہو۔ فرشتوں سے کہا جاتا ہے: ان دونوں کو مہلت دے دو حتی کہ یہ صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دے دو یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دے دو حتی کہ یہ صلح کر لیں۔''[2]

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَّاثْنَيْنِ، فَيَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِكُلِّ امْرِئٍ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: ارْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، ارْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا»

''ہر جمعرات اور پیر کے دن (اللہ کے سامنے) اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

1 صحيح البخاري، الأدب، باب الهجر......، حديث:6077، و صحيح مسلم، البر و الصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام بلا عذر شرعي، حديث:2560، و اللفظ له.

2 صحيح مسلم، البر و الصلة، باب النهي عن الشحناء......، حديث:2565.

اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو معاف فرما دیتا ہے جو شرک نہ کرتا ہو، البتہ جس شخص کی اپنے مسلمان بھائی سے دشمنی اور ناراضی ہو، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آپس میں صلح کر لینے تک ان کا معاملہ مؤخر کر دو، آپس میں صلح کر لینے تک ان کا معاملہ مؤخر کر دو۔" [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» قِيلَ: يَارَسُولَ اللهِ! هٰذَا أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ ظَالِمًا؟ قَالَ: «تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ»

"اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" (لوگ چونک اٹھے) عرض کی: "اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد تو کریں گے مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟" فرمایا: "اسے ظلم سے روک دو۔ یہی اس کی مدد ہے۔" [2]

نیز فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ» قِيلَ: مَا هُنَّ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ»

"ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں:" عرض کی گئی: "اللہ کے رسول! وہ

[1] صحيح مسلم، البر والصلة......، باب النهي عن الشحناء......، حديث:(36)-2565.

[2] صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه......، حديث:6952، و صحيح مسلم، البر و الصلة......، باب انصر أخاك ظالمًا أو مظلومًا، حديث:2584، ومسند أحمد: 99/3، و اللفظ له.

کیا کیا ہیں؟'' فرمایا: ''جب تم کسی مسلمان سے ملو تو اسے سلام کہو، جب وہ تمھیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نصیحت طلب کرے تو اسے (خلوص کے ساتھ) نصیحت کرو۔ جب اسے چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو اس کا جواب دو، جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی مزاج پرسی کو جاؤ اور جب وہ مر جائے تو اس کی تدفین کے لیے جاؤ۔''[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَّنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِي، وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ، وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ - أَوْ قَالَ: فِي آنِيَةِ الْفِضَّةِ - وَعَنِ الْمَيَاثِرِ، وَالْقَسِيِّ، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ»

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا: ہمیں بیمار کی احوال پرسی، جنازہ کے ساتھ قبرستان جانے، چھینک والے کو دعا دینے، دعوت قبول کرنے، ہر شخص کو سلام کرنے، مظلوم کی مدد کرنے اور قسم کھانے والے کو سچا کرنے کا حکم دیا اور سونے کی انگوٹھی، (سونے) چاندی کے برتن میں پینے، ریشمی گدوں کے استعمال، ٹسر (کتان، یعنی اس) کا کپڑا پہننے اور

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث: 1239، و صحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم ردّ السلام، حديث: (5)-2162، واللفظ له . البتہ صحیح بخاری میں سِتٌّ کے بجائے خَمْسٌ ہے۔

ہر قسم کا ریشم پہننے سے منع فرمایا اگرچہ وہ موٹا ہو یا باریک۔“ [1]

مزید فرمایا:

«لَاتَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا ، وَلَاتُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا ، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»

”جب تک تم صاحب ایمان نہیں بنتے جنت میں نہیں جا سکتے اور جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے مومن نہیں بن سکتے، آؤ! میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے، آپس میں ہر ایک کو کثرت کے ساتھ سلام کہا کرو۔“ [2]

رسالت مآب ﷺ سے پوچھا گیا: ”اسلام کا کون سا کام سب سے افضل ہے؟“ فرمایا:

«تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ»

”کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔“ [3]

آپ فرمایا کرتے تھے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ،إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى»

”آپس میں محبت و پیار، شفقت و رحمت اور مہربانی کے لحاظ سے مومنوں کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ اگر اس کا کوئی عضو تکلیف میں ہو تو اس کی وجہ سے

[1] صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، حديث: 5635، وصحيح مسلم، اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب و الفضة على الرجال و النساء......، حديث:2066. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون......، حديث:54. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، حديث: 12، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام و أي أموره أفضل، حديث:39.

سارا جسم بے کلی اور بخار محسوس کرتا ہے۔''[1]

آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ لَّا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ»

''جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم و ترس نہیں ہوگا۔''[2]

اور فرمایا:

«مَنْ لَّا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ»

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ عزوجل بھی اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔''[3]

مزید فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ»

''مسلمان کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایات انصار نے براہِ راست سنیں یا ان کو مہاجرین کے واسطے سے معلوم ہوئیں جنھوں نے نبی ﷺ سے ہجرت سے پہلے سن رکھا تھا۔ بہرصورت ان کا مقصد تمام صحابہ کی تربیت تھا۔ قیامت تک جس شخص کو بھی یہ فرامین پہنچیں، وہ ان سے

---

1 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011، و صحيح مسلم، البر و الصلة، باب تراحم المؤمنين و تعاطفهم و تعاضد هم، حديث:2586، و اللفظ له. 2 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس و البهائم، حديث:6013، و صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان..........، حديث:2318. 3 صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط ....﴾ (بني إسرآء يل 17:110)، حديث7376، و صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان......، حديث:2319، و اللفظ له. 4 صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله ....، حديث:48، و صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: [سباب المسلم فسوق و قتاله كفر]، حديث: 64.

رہنمائی اور تربیت حاصل کرسکتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار فرامین ہیں جن کے ذریعے سے نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے شاگردوں کی تربیت فرمائی۔ آپ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دیا کرتے اور اس کے فضائل بیان کرتے تھے تاکہ دلوں میں نیکی کا شوق پیدا ہو۔ آپ مانگنے سے روکا کرتے اور صبر وقناعت کے فضائل بیان کرتے تھے۔ عبادات کی ترغیب دیا کرتے، ان کے فضائل اور اجر وثواب کا تذکرہ کیا کرتے تھے، نیز آسمان سے اترنے والی وحی سے لوگوں کا مضبوط تعلق قائم کرتے تھے۔ آپ انھیں قرآن مجید پڑھ کر سناتے اور وہ آپ کو سناتے تاکہ دعوت کے سلسلے میں امت کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو اور وہ کلامِ الٰہی میں غور وفکر کریں اور اس مقدس کتاب کو سمجھیں۔

اس طریقے سے نبیٔ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور ان کی بہترین تربیت فرمائی جس کے نتیجے میں وہ اعلیٰ انسانی اوصاف کی اعلیٰ مثال بن گئے۔

اس طریقِ تربیت سے رسول اللہ ﷺ ایک ایسا اعلیٰ اسلامی معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے کہ اس جیسا معاشرہ تاریخ نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے معاشرتی خرابیوں کا سب سے بہترین حل بتایا اور اس کا عملی نمونہ بھی دکھایا، جبکہ ماضی قریب میں جہالت، گمراہی اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لیکن اب ایسا معاشرہ وجود میں آ چکا تھا جو کمال انسانی کی اعلیٰ مثال تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے بعد اس کے دانا اور حکیم نبی کی تربیت اور کوششوں کا اثر تھا، اس لیے داعیانِ اسلام کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کا طریقِ کار اختیار کریں اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔[1]

[1] دیکھیے الرحیق المختوم:181 .

مہاجرین وانصار کا معاہدہ اور یہودیوں کی مصالحت

مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات قائم کرنے کے بعد آپ نے ایک معاہدہ تجویز کیا جس کی رو سے جاہلیت کے تصورات اور قبائلی تعصّبات ختم ہو گئے اور جاہلی رسم و رواج کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اس معاہدے میں آپ نے مہاجرین وانصار کے لیے ایک عہد تجویز کیا اور مدینہ میں موجود یہودیوں کے ساتھ مصالحت کا نظریہ پیش کیا۔ اصلاح اور تاسیس کے سلسلے میں یہ سب سے نمایاں کوشش تھی جو آپ نے فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین تعلقات کی ایک دستاویز لکھوائی جس میں یہودیوں سے مصالحت اور ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بھیجی گئی تھی۔ اس میں یہودیوں کو چند شرائط کا پابند اور ان کے حقوق کا اندراج کیا گیا تھا۔ [1]

یہ میثاق بہت باریک بینی، سیاسی بصیرت اور کمال حکمت کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ اس میں مدینہ کے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ربط قائم کیا گیا۔ اس طرح وہ متحد ہو کر ہر اس فتنے کا سدّباب کر سکتے تھے جو مدینہ والوں کے اجتماعی معاملات کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ پانچ اقدامات: مسجد کی تعمیر، یہودیوں کو دعوتِ اسلام، مسلمانوں میں مؤاخات، ان کی حکیمانہ تربیت اور میثاقِ مدینہ اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے کافی تھے جو مدینہ منورہ کے باسیوں میں پایا جاتا تھا، نیز یہ اقدامات ماضی کے تمام آثارِ قبیحہ کے خاتمے کی ضمانت تھے۔ ان سے مسلمانوں میں وحدت پیدا ہوئی اور مدینہ کا داخلی نظم و ضبط مضبوط ہو گیا اور پھر یہ نظام اور دعوتِ اسلام کا نور مدینہ منورہ سے نکل کر چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ [2]

[1] البداية و النهاية لابن كثير:223/3 ، و زاد المعاد:65/3 و السيرة النبوية لابن هشام: 501/2 . [2] الرحيق المختوم:170-172 ، 182,183 .

باب:17

رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت

قرآنِ مجید کی زبردست تاثیر کے بارے میں بہترین تبصرہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَّيْطِرُوْنَ ۝﴾

''کیا وہ لوگ کسی خالق کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہی (خود اپنے) خالق ہیں؟ کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (ہرگز نہیں!) بلکہ وہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں؟ یا وہ (ان کے) داروغے ہیں؟''[1]

تو میرا دل اچھل کر باہر آنے لگا۔ [یہ پہلا موقع تھا جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا۔]''[2]

ان کے اس بیان سے قرآن کریم کی تاثیر کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح احادیث رسول کی بھی

[1] الطور 52:35-37. [2] صحيح البخاري، التفسير، سورة ﴿وَالطُّوْرِ ۝﴾ (الطور 52:1)، باب:1، حديث:4854، و صحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الصبح، حديث:463 مختصرًا. بریکٹ والے الفاظ صحيح البخاري، المغازي، باب:12، حديث:4023 کے ہیں۔

تاثیر ہے کیونکہ وہ بھی بالواسطہ وحی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی تاثیر و بلاغت کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوسکتا ہے:

حضرت ضماد کا واقعہ

ضماد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے۔ وہ جنوں کا دم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ کے چند بے وقوفوں سے سنا کہ محمد ﷺ مجنون ہیں۔ وہ دل میں سوچنے لگے کہ اگر یہ شخص مجھے مل جائے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے میرے ہاتھوں شفا عطا فرما دے، پھر وہ آپ سے ملے اور کہنے لگے: ''جناب محمد! میں جنوں (ہوائی چیزوں) کا دم کیا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عموماً میرے ہاتھوں شفا دے دیا کرتا ہے۔ کیا آپ بھی دم کرانا پسند کریں گے؟'' رسول اللہ ﷺ یوں گویا ہوئے:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ!» قَالَ: فَقَالَ: أَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ، فَأَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. قَالَ: فَقَالَ: لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ، وَقَوْلَ السَّحَرَةِ، وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ، فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ وَلَقَدْ بَلَغْنَ نَاعُوسَ الْبَحْرِ، قَالَ: فَقَالَ: هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ، قَالَ: فَبَايَعَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «وَعَلٰى قَوْمِكَ» قَالَ: وَعَلٰى قَوْمِي.

''بلا شبہ ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا

نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا اور لاشریک ہے، نیز حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ أما بعد:''

ابھی آپ یہیں تک پہنچے تھے کہ ضماد کہنے لگے: ''جناب انھی کلمات کو ایک دفعہ پھر دہرا دیجیے۔'' آپ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرائے۔ ضماد کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں اس سے پہلے کاہنوں کا مسجع و مقفّی کلام بکثرت سن چکا ہوں، جادوگروں کی پیچدار باتیں بھی سنی ہیں اور شعراء کی رنگین باتیں بھی، لیکن بخدا! آپ کے کلام جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔ یہ تو بحر فصاحت کی تہ تک پہنچا ہوا ہے۔''[1] نیز عرض پرداز ہوئے: ''(اللہ کے رسول!) ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر اسلام (و ایمان) کی بیعت کرتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواہ تیری قوم تیری مخالفت کرے؟'' کہنے لگے: ''جی ہاں! چاہے میری قوم میری مخالفت ہی کرے۔''[2]

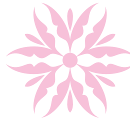
حضرت طفیل بن عمرو کا بیان

رسالت مآب ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے واقعے سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت طفیل مشہور شاعر تھے اور اپنی قوم کے سردار بھی تھے۔ ایک دفعہ مکہ آئے۔ قریش نے انھیں خبردار کیا کہ یہاں ایک شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے، اس سے قطعاً نہ ملنا، اس کا کلام جادو جیسا ہے، ایسا نہ ہو تمھارا اور تمھاری قوم کا حال بھی ہم جیسا ہو جائے۔ یہ شخص خاوند اور اس کی بیوی، باپ اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

[1] ناعوس البحر: مسند أحمد (1:302) میں قاموس البحر ہے۔ معنی ہیں: گہرا سمندر، نیز دیکھیے شرح النووي علی صحیح مسلم:6/224,225۔ [2] صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفیف الصلاة و الخطبة، حدیث:868۔

وہ اسی طرح انھیں ڈراتے رہے حتی کہ انھوں نے قسم اٹھالی کہ میں جب بھی مسجد حرام میں جاؤں گا، اپنے کان بند کر کے جاؤں گا، چنانچہ انھوں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، پھر انھیں اپنے آپ پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے: ''میں اچھا بھلا سردار ہوں، معتبر شخص ہوں، اچھے برے کلام کو خوب سمجھتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص کی باتیں سنوں گا اگر وہ صحیح ہوئیں تو قبول کرلوں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ یہ فیصلہ کر کے انھوں نے کانوں سے روئی نکال دی۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد ہی میں تھے۔ انھوں نے آپ کا کلام سنا تو چونک پڑے۔ انھیں فوراً معلوم ہو گیا کہ اس سے بہتر کلام تو میں نے کبھی سنا ہی نہیں۔ وہ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے گھر تک گئے اور گھر میں داخل ہو کر آپ کو پوری بات بتائی اور درخواست کی: ''اپنا دین پیش فرمایئے۔'' آپ نے اسلامی تعلیمات بیان فرمائیں تو وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ [1]

داعیانِ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور پھر حضرت محمد ﷺ کی احادیث کے ذریعے سے وعظ ونصیحت کیا کریں تاکہ ان کے دلوں پر صحیح اثر پڑے۔



[1] سير أعلام النبلاء للذهبي :345/1 .

باب:18

معجزات اور دلائلِ نبوت

اہل کتاب اور دیگر کفار کو دعوتِ اسلام دینے کے سلسلے میں اصل بات تو یہ ہے کہ ان سب کے سامنے حضرت محمد ﷺ کی عالمگیر رسالت کے قطعی دلائل بالکل واضح ہو چکے ہیں۔ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ نبی ٔ کریم ﷺ کی عالمگیر نبوت و رسالت پر قائم شدہ دلائل بے شمار ہیں اور دوسرے تمام انبیاء کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔

آپ کے معجزات کی دو قسمیں ہیں:

- کچھ تو وہ معجزات ہیں جو اس سے پہلے دوسرے انبیاء کے ہاتھوں صادر ہوئے اور سچی خبر سے معلوم ہوئے، مثلاً حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات۔
- کچھ معجزات ایسے ہیں جو ابھی تک باقی ہیں، مثلاً قرآن مجید، علم اور ایمان جو آپ کے ماننے والوں میں ہے تو یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اسی طرح آپ کی شریعت اور وہ معجزات جو وقتاً فوقتاً اب بھی صادر ہوتے رہتے ہیں جنھیں کرامات صالحین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کے دین کا حجت اور دلیل کے لحاظ سے غالب رہنا یا آپ کی وہ صفات جو پہلے انبیاء کی کتابوں یا دوسری کتب میں پائی جاتی ہیں۔

معجزات کی بحث بہت وسیع وطویل ہے، اسے مکمل طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں صرف آپ کی عالمگیر نبوت کو ثابت کرنے کے لیے چند گوشوں سے بحث کروں گا۔

① قرآنی معجزات ② معجزات محسوسہ

قرآنی معجزات

لغت میں معجزے سے مراد وہ چیز ہے جس سے مخالف عاجز آ جائے۔ عرف عام میں معجزہ[1] اس خلافِ عادت کام کو کہا جاتا ہے جسے انسان الگ الگ یا مل کر کرنے سے عاجز ہوں اور وہ کام ایسے شخص کے ہاتھوں صادر ہو جو نبوت کا دعویٰ رکھتا ہو، اور وہ اس کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہو، اور کفار نے اس کا مطالبہ کیا ہو۔

قرآنِ کریم، اللہ تعالیٰ کا حضرت محمد ﷺ پر نازل کردہ کلام ہے اور بجائے خود سب سے بڑا معجزہ ہے جو طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اولین و آخرین اس کے مقابلے سے عاجز تھے، ہیں اور ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

[1] معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ خلافِ عادت و عقل کام ہوتا ہے جو مدعیِ نبوت کے ہاتھوں اس کی نبوت کی دلیل کے طور پر صادر ہوتا ہے۔ باقی رہی کرامت تو وہ بھی خلافِ عادت و عقل ہی ہوتی ہے مگر صاحبِ کرامت مدعی نبوت نہیں ہوتا اور نہ وہ اسے بطور چیلنج پیش کرتا ہے۔ کرامت عموماً ایسے شخص کے ہاتھوں صادر ہوتی ہے جو ظاہراً صالح اور نیک ہو اس کا اعتقاد درست اور عمل صالح ہو۔ اگر کوئی خلاف عادت و عقل واقعہ کسی بے دین شخص سے صادر ہو تو اسے شیطانی تصرف کہا جائے گا۔ اور اگر ایسا واقعہ کسی مجہول الحال شخص کے ہاتھوں صادر ہو تو اس کی حالت کو کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھا جائے گا جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر تم کسی شخص کو پانی پر چلتا یا ہوا میں اڑتا دیکھو تو اس سے دھوکا نہ کھانا، بلکہ اس کے عمل کی کتاب و سنت کی روشنی میں تحقیق کرنا۔'' (شرح العقيدة الطحاوية، ص: 510، وسير أعلام النبلاء: 23/10)

''ہر نبی کو اس قدر معجزات دیے گئے جس قدر ان پر لوگ ایمان لائے۔ مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی، لہٰذا مجھے امید واثق ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے۔''[1]

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے اور آپ کو معجزات محسوسہ نہیں دیے گئے، بلکہ اس حدیث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ قرآن مجید جیسا فقید المثال معجزہ صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ کوئی اور نبی اس امتیاز میں شریک نہیں۔ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مخصوص معجزہ دیا گیا جس کو رونما کر کے اس کی قوم کو چیلنج کیا گیا۔

ہر نبی کا معجزہ اس کی قوم کی حالت کے مطابق ہوتا تھا، مثلاً: فرعون کی قوم میں جادو کا بہت رواج تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا والا معجزہ عطا کیا گیا جو کہ ظاہراً جادوگروں کے کرتب کے مانند ہے لیکن اسی عصا سے بن جانے والے سانپ نے ان جادوگروں کا سارا فن ہڑپ کر لیا۔ یہ بات جادوگر کے سانپ میں نہیں ہوتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب و حکمت کا بہت رواج تھا، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات دیے گئے جنھوں نے اطباء و حکماء کو مبہوت کر دیا، مثلاً: مردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور پھلبہری یا کوڑھ کے مریض کو تندرست کر دینا جبکہ اس دور کی طب زبردست ترقی کے باوجود اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکی اور نہ اب تک پہنچ سکی ہے۔

اسی طرح عرب فصاحت و بلاغت اور خطابت کا جادو جگانے میں ماہر تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا فرمایا۔[2]

﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي و أول ما نزل؟ حديث: 4981، و صحيح مسلم، الإيمان باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمدﷺ ......، حديث: 152 . [2] فتح الباري:7,6/9، و شرح النووي على مسلم:248/2 .

حَمِيدٍ ﴿﴾

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، (یہ) بڑی حکمت والی (اور) قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔''[1]

قرآن کریم کا معجزہ باقی تمام معجزات سے بہت ممتاز ہے کیونکہ دوسرے معجزات کے اثرات تو ناپید ہو گئے مگر قرآن مستقل حجت ہے جو چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود قائم ہے اور قائم رہے گا، جبکہ دوسرے انبیاء کے معجزات ان کی زندگی ہی میں ختم ہو گئے۔ اب ان کی خبر و حکایت کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں۔ رہا قرآن تو وہ بعینہ باقی ہے جیسے اسے آج بھی سننے والا گویا رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن رہا ہو۔ اسی بقا اور دوام کی وجہ سے آپ نے فرمایا:

«فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''مجھے امید واثق ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔''[2]

قرآن کریم واضح معجزہ ہے اور کئی لحاظ سے معجزہ ہے: اپنے الفاظ کے لحاظ سے، اپنے نظم و ترکیب کے لحاظ سے، لفظ کی معنوں پر دلالت کے لحاظ سے، اپنے معانی مقصودہ کے لحاظ سے، ان معانی کے لحاظ سے جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کے بارے میں بتایا گیا ہے یا فرشتوں کے بارے میں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی اس کے اعجاز کی بہت زیادہ وجوہ ہیں جنھیں اہل علم نے اپنے اپنے وہبی ذوق کی مناسبت سے بیان کیا ہے۔[3] میں بطورِ مثال صرف چار وجوہ مختصراً بیان کروں گا۔

[1] حٰمٓ السجدة 42:41 . [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي و أول ما نزل؟ حديث:4981، و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمدﷺ......، حديث:152، نیز دیکھیے البداية والنهاية: 72/6 . [3] الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: 79/4، والبداية والنهاية: 71/6 .

بیان و بلاغت کے لحاظ سے اعجاز

قرآنی اعجاز کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ انتہائی فصاحت و بلاغت پر مشتمل ہے اور اس کی عبارت کا مقابلہ ممکن ہی نہیں۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنوں کو اس کے مقابلے کا چیلنج دیا مگر وہ سب کے سب ناکام رہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○﴾

''کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن باہم مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی بھرپور مدد کریں۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ؕ﴾

''کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن) خود گھڑا ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، پھر (انھیں) چاہیے کہ اس (قرآن) جیسی ایک بات لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔''[2]

اس چیلنج کے جواب میں وہ لوگ بے بس ہو کر چپ ہو گئے۔ کسی نے حوصلہ ہی نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں رعایت دے دی اور صرف دس سورتیں بنا لانے کا چیلنج دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○﴾

''کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے:

1 بنيٓ إسرآء يل 88:17، ومناهل العرفان للزرقاني:2/227-308. 2 الطور 34,33:52.

پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جنھیں (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"[1]

وہ اس چیلنج کا بھی جواب نہ دے سکے تو اللہ تعالیٰ نے رسی مزید ڈھیلی کر دی۔ اور فرمایا:

﴿ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ ﴾

"کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: پھر تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (مدد کے لیے) اللہ کے سوا جنھیں بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"[2]

پھر ہجرت، یعنی مدینہ تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج پھر دہرایا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۪ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ○ ﴾

"اگر تم اس (قرآن) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم نے (یہ کام) نہیں کیا اور تم کر بھی نہیں سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (اور) وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"[3]

[1] هود 13:11 . [2] يونس 38:10 . [3] البقرة 24,23:2 .

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ اس سے پہلے اس چیلنج سے عہدہ برآ ہو سکے تھے اور نہ آیندہ ہو سکیں گے، چنانچہ یہ قیامت تک کے لیے چیلنج بن گیا کہ کوئی شخص قیامت تک اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے گا جیسا کہ اب تک کی تاریخ شاہد ہے۔

جب آپ مکہ میں رہتے تھے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ یہ اعلان کر دیجیے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾

''کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن باہم مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کی بھرپور مدد کریں۔''[1]

اس آیت میں اللہ نے یہ اعلان عام کیا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اس قرآنی اعجاز کی خبر دے دیں اور بتا دیں کہ یہ بات قطعی ہے کہ اگر وہ (سب لوگ) جمع بھی ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ یہ چیلنج تمام انسانیت بلکہ تمام جنوں کو بھی دیا گیا تو جس شخص نے بھی قرآن سنا اس نے یہ چیلنج بھی سن لیا اور ہر خاص و عام کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس کے باوجود کسی شخص نے اس کا مقابلہ نہیں کیا اور آج تک کوئی شخص اس کی ایک سورت کا بھی جواب نہیں لا سکا۔[2]

اس لحاظ سے قرآن ہزاروں معجزات کا مجموعہ ہے کیونکہ اس کی ایک سو چودہ سورتیں اور چھ ہزار دو سو سے زائد آیتیں ہیں۔ چیلنج کسی ایک سورت جیسی سورت بنا لانے کا تھا۔ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت، سورۂ کوثر ہے جس کی چھوٹی چھوٹی تین آیات ہیں۔ اگر قرآن مجید کو سورۂ کوثر کے برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو وہ ہزاروں حصے بن جائیں گے۔ ہر ہر حصہ ایک الگ چیلنج ہے، لہٰذا اکیلا قرآن مجید ہی تمام معجزات، چاہے

[1] بنيٓ إسرآء يل 88:17. [2] دیکھیے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: 4/71-77، والبداية والنهاية: 68/6.

حسی ہوں یا معنوی، سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور قرآن کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ اسے سمجھنے والے دل اور حاضر دماغی سے سنا جائے۔

غیبی خبریں بتانے کے لحاظ سے اعجاز

اعجاز قرآن کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید بہت سی ایسی غیبی خبروں پر مشتمل ہے جن کا نزولِ قرآن سے پہلے نبی کریم ﷺ کو بھی کوئی علم نہیں تھا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید اس اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جس کے لیے کوئی چیز مخفی نہیں۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''اور اسی (اللہ) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جسے وہ جانتا نہ ہو۔ اور کوئی تر چیز اور خشک چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب میں لکھی ہوئی نہ ہو۔''[1]

غیب کی خبروں کی اقسام

① ماضی کے غیب: یعنی نزول قرآن سے پہلے کے واقعات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے دل نشین انداز میں بذریعہ وحی بتائے۔

② حاضر کے غیب: یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے دور کی بہت سی خفیہ باتیں بتائیں، مثلاً: منافقین کی شرارتیں اور ان کے خفیہ منصوبے، بعض مسلمانوں سے

[1] الأنعام 59:6 .

ہونے والی غلطیاں جنھیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی کے پیش نظر شریعت کی تکمیل کے لیے آپ کو بتا دیں۔

③ مستقبل کے غیب: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی ایسی باتیں بھی بتائیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئی تھیں۔ بعد ازاں وہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن نے بتائی تھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ [1]

شریعت کے لحاظ سے اعجاز

قرآن مجید نے معاشرتی زندگی سے متعلق بے شمار ہدایات ارشاد فرمائیں جو ہر دور کے تمام لوگوں کی ضروریات پورا کرتی ہیں کیونکہ قرآن نازل فرمانے والا اللہ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ کون سی چیز انسانیت کے لیے مفید ہے اور کون سی مضر؟ کس سے اصلاح ہوگی کس سے فساد؟ لہٰذا جب انسانیت کا خالق کوئی ضابطہ اور قانون بنائے گا تو وہ حکمت اور تحقیق کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوگا۔

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○﴾

”بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہی باریک بین، باخبر ہے۔“ [2]

اس بات کی مزید وضاحت اس وقت ہوتی ہے جب ہم انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور قوانین پر غور وفکر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ انسانی مشکلات کو حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ مزید برآں وہ ہر دور کے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس لیے ان میں مسلسل کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ کا عمل جاری رہتا ہے جو قانون آج بنایا جاتا ہے وہ کل ناکارہ ہو جاتا ہے اور اسے کالعدم قرار دینا پڑتا ہے کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ وہ

[1] الداعي إلى الإسلام للأنباري، ص:424-428، و إظهار الحق: 65-107. [2] الملك 14:67.

انسانی فطرت کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتا، نہ اسے آیندہ آنے والے حالات کا کوئی علم ہوتا ہے، لہٰذا وہ ایسا قانون نہیں بنا سکتا جو ہر دور اور ہر علاقے کے تقاضے پورے کر سکے۔ یہ صرف نظریاتی بات نہیں بلکہ عملی طور پر آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ لوگ ایسا نظام بنانے سے عاجز آ چکے ہیں جو لوگوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکے جبکہ قرآن اللہ کا کلام ہے، ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ انسانوں کی تمام مصلحتوں کا ضامن ہے اور ان تمام باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو دنیوی اور اخروی معاملات میں مفید ہیں اور ان کی پیروی کی جائے تو دنیا میں بھی کامیابی ہوگی اور آخرت میں بھی سرفرازی نصیب ہوگی۔ [1]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾

''بلا شبہ یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' [2]

مختصر بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی لائی ہوئی شریعت تین مصالح پیش نظر رکھتی ہے:

① چھ چیزوں کو خراب ہونے سے بچایا جائے: دین، نفس، عقل، نسب، عزت اور مال۔

② فوائد و منفعت کا حصول: قرآن مجید نے تمام میدانوں میں حصول فوائد کے دروازے کھول دیے ہیں اور ہر وہ دروازہ بند کر دیا ہے جو نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔

③ اعلیٰ اخلاق اور بہترین عادات کا فروغ۔

اس طرح قرآن مجید نے ان تمام انسانی مشکلات و مسائل کو حل کر دیا جن سے

1 دیکھیے مناهل العرفان للزرقاني: 2/247، و معالم الدعوة للديلمي: 1/426.
2 بنيّ إسرآء يل: 9:17.

انسانیت عاجز آ چکی تھی۔ اور کسی بھی ایسے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جو دنیا یا آخرت میں انسان کی کامیابی سے تعلق رکھتا تھا۔ قرآن کریم نے نہایت معتدل قواعد ترتیب دے کر انسانیت کی رہنمائی کی ہے۔

علومِ جدیدہ کے اعتبار سے معجزہ

قرآن مجید نے بہت سی آنے والی چیزوں کی خبر دی جس کی تصدیق علوم جدیدہ نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝﴾

''جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق (دنیا) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے حتی کہ ان کے لیے واضح ہو جائے کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ بے شک آپ کا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟''[1]

رب کریم کا یہ وعدہ آج کے دور جدید میں پورا ہوا۔ لوگوں نے جدید ترین ذرائع اور وسائل سے کائنات کے راز معلوم کیے۔ طیارے، سیارے اور آبدوزیں بنائیں۔ یہ ذرائع انسان کو ابھی حاصل ہوئے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج سے چودہ سو چھبیس سال قبل نبیٔ کریم ﷺ کو ان باتوں کی خبر کس نے دی؟ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے عالی مرتبت رسول ہیں۔

یہ علمی اعجاز زمین و آسمان میں، سمندروں اور صحراؤں میں، انسانوں اور حیوانوں میں، نباتات اور درختوں میں حتی کہ کیڑوں مکوڑوں میں بھی ظاہر ہو چکا ہے۔[2]

[1] حٰمٓ السجدة 41: 53. [2] دیکھیے مناهل العرفان في علوم القرآن للزرقاني: 2/278-284، و كتاب الإيمان لعبد المجيد الزنداني، ص:55-59، وكتاب التوحيد

معجزات محسوسہ

نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے خلافِ عادت معجزات بے شمار ہیں۔ میں ان کو احاطۂ شمار میں نہیں لا سکتا، لہٰذا میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطورِ مثال ان کی نو اقسام بیان کرتا ہوں:[1]

سماوی معجزات

چاند دو ٹکڑے ہونا: یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آپ کی سچائی کی واضح دلیل ہے۔ ایک دن مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انھیں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ اہلِ مکہ نے دیکھا کہ چاند کا ایک ٹکڑا حرا پہاڑ کے دائیں طرف اور دوسرا ٹکڑا بائیں طرف نظر آ رہا ہے۔[2] اسی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○﴾

''قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ) جادو تو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ اور انھوں نے (اسے) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا ایک وقت

◂◂ للزنداني أيضًا:1/74-77.

1 امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے ایک ہزار معجزات جمع کیے ہیں۔'' دیکھیے الفرقان بين أولياء الرحمٰن و أولياء الشيطان لابن تيمية، ص: 1050 اور آپ ﷺ کے معجزات بارہ سو سے زائد ہیں ایک قول ہے کہ تین ہزار معجزات ہیں۔ دیکھیے فتح الباري:6/583,582. 2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب انشقاق القمر، حديث: 3868، و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب انشقاق القمر، حديث:2800-2803.

مقرر ہے۔'' [1]

معراج: اسراء و معراج والی رات رسول اللہ ﷺ آسمانوں سے آگے چلے گئے۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا ہے اور اس کی تفصیلات متواتر احادیث میں بھی آئی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝﴾

''پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔'' [2]

یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے کہ آپ کو پہلے رات کے تھوڑے سے وقت میں بیت المقدس تک کا طویل سفر کرایا گیا، پھر آسمانوں پر لے جایا گیا حتی کہ آسمانوں سے بھی اوپر ایک ایسے مقام تک لے جایا گیا جہاں قلموں کی سرسراہٹ صاف سنائی دیتی تھی، پھر آپ نے جنت دیکھی اور آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور صبح ہونے سے قبل آپ مکہ واپس تشریف لے آئے۔ قریش نے آپ کے اس دعوے کی تکذیب کی اور آپ سے علامات پوچھیں اور بطورِ ثبوت آپ سے بیت المقدس کی چند نشانیاں بھی پوچھیں، وہ جانتے تھے کہ اس سے پہلے آپ نے کبھی بیت المقدس نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر بیت المقدس آپ کے سامنے نمایاں کر دیا۔ آپ اسے دیکھتے جاتے تھے اور جو کچھ وہ پوچھتے تھے، بتاتے جاتے تھے۔ [3]

[1] القمر 54:1-3. [2] بنيٓ إسرآء يل 17:1. [3] ماخوذ از صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب حديث الإسراء، حديث: 3886، وصحيح مسلم، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث: 170.

اسی نوعیت کا ایک معجزہ یہ بھی کہ جب آپ نبی بنے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کے پہرے پر شہابِ ثاقب مقرر کر دیے۔

فضائی معجزات

❁ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادل آپ کی اطاعت کرتا تھا، آپ کی دعا سے بادل وجود میں آتا، بارش برساتا اور آپ ہی کی دعا سے چھٹ جاتا تھا۔ اس کا ذکر صحیح ترین معتبر احادیث میں آیا ہے۔[1]

❁ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب میں ہوا کے ذریعے سے آپ کی حیرت انگیز مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ﴾

''(اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو) جب تم پر (کفار کے) لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نہیں دیکھتے تھے۔''[2]

یہ ''الصبا'' نامی ہوا تھی جو مشرق کی طرف سے چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے لشکروں کے خلاف بھیجی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتُ بِالصَّبَا ، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ»

''میری مدد مشرقی ہوا ''الصبا'' کے ساتھ کی گئی اور عاد کو مغربی ہوا ''الدبور'' کے ساتھ تباہ و برباد کیا گیا۔''[3]

[1] ملاحظہ کیجیے صحیح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، حديث:933، و صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث:897. [2] الأحزاب 33:9. [3] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب قول النبي ﷺ: ◂◂

حیوانات (انسانوں، جنوں اور جانوروں) پر معجزاتی اثرات

(ا) انسانوں پر اثرات

① حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور دعا فرمائی۔ وہ ایسے تندرست ہو گئے کہ گویا کبھی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ [1]

② حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنڈلی پر صرف اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ اس طرح جڑ گئی جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ [2]

③ خیبر کی جنگ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر تلوار کا زخم لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین دفعہ پھونک ماری۔ اس کے بعد حضرت سلمہ کو کبھی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ [3]

(ب) جنوں اور شیطانوں پر اثرات

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ فرماتے:

«اُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ! أَنَا رَسُولُ اللهِ»

”نکل اللہ کے دشمن! میں اللہ کا رسول ہوں۔“

جن فوراً انسان سے نکل جاتا تھا۔ [4]

[نصرت بالصبا]، حديث: 1035، و صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب في ريح الصبا والدبور، حديث: 900.

[1] ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل من أسلم على يديه رجل، حديث: 3009، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2406.
[2] ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي رافع……، حديث: 4039. [3] ماخوذ از صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4206. [4] مسند أحمد: 171/4. یہ روایت ضعیف ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے سینے سے جن نکالا۔ آپ نے ان کے سینے پر تین دفعہ ہاتھ مارا، ان کے منہ میں لعاب ڈالا اور فرمایا: «اُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ !» ”اللہ کے دشمن! نکل جا۔“ یہ کام آپ نے تین دفعہ کیا، پھر جن کبھی عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب نہ آیا۔[1]

(ج) جانوروں پر اثرات

ایک دفعہ ایک اونٹ نے آ کر نبئ کریم ﷺ کو سجدہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے زیادہ مناسب ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ، وَأَكْرِمُوا أَخَاكُمْ، وَلَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَّأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»

”تم عبادت اپنے رب کریم کی کرو، اور اپنے بھائی کی، یعنی میری عزت کرو۔ اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“[2]

درختوں، پھلوں اور لکڑی پر معجزانہ اثرات

(ا) درختوں پر اثرات

① رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے کہ ایک اعرابی ملا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے پوچھا: آپ کی باتوں کی تصدیق و تائید کون کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: «هٰذِهِ السَّلَمَةُ»

1 ملاحظہ ہو سنن ابن ماجه، الطب، باب الفزع والأرق و ما يتعوذ منه، حديث: 3548 .

2 مسند أحمد: 76/6 .

’’یہ کیکر کا درخت۔‘‘ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کو بلایا اور درخت اس وقت وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین کو چیرتا ہوا آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے تین دفعہ اپنی رسالت کی گواہی لی۔ اس نے تین دفعہ گواہی دی، پھر وہ آپ کے حکم سے دوبارہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔[1]

② ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے۔ آپ کو دورانِ سفر میں قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن آپ کو وہاں پردے کے لیے کوئی چیز نہ ملی۔ آپ نے ایک درخت کی ٹہنی پکڑی اور فرمایا:

«اِنْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ»

’’اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری منشا کے مطابق چل۔‘‘

وہ آپ کے ساتھ اس طرح چل پڑا جیسے نکیل والا اونٹ چلتا ہے، پھر آپ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا، پھر آپ نے دونوں درختوں سے کہا: ’’مل جاؤ۔‘‘ وہ دونوں اس طرح مل گئے کہ مکمل پردہ ہو گیا۔ آپ نے قضائے حاجت کی، پھر وہ دونوں درخت آپ کے حکم سے واپس چلے گئے اور اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔[2]

(ب) پھلوں پر اثرات

ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: ’’مجھے کیسے یقین آئے گا کہ آپ نبی ہیں؟‘‘ آپ نے فرمایا:

«إِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟»

1 سنن الدارمي، المقدمة، باب ما أكرم الله به نبيه من إيمان الشجر به و البهائم و الجن:13/1، حديث:16 . 2 ماخوذ از صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل و قصة أبي اليسر، حديث:3012 .

فَدَعَاهُ رَسُولُ اللهِ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: «اِرْجِعْ» فَعَادَ، فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ.

''اگر میں اس کھجور کے خوشے کو درخت سے یہاں بلا لوں تو کیا تم میری رسالت کی گواہی دو گے؟'' وہ کہنے: جی ہاں! آپ نے خوشے کو بلایا تو وہ درخت سے اترنے لگا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے عین سامنے آ گرا۔ آپ نے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ۔'' وہ واپس اپنی جگہ پہنچ گیا اور اعرابی مسلمان ہو گیا۔[1]

(ج) لکڑی پر اثرات

نبیٔ کریم ﷺ مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بنایا گیا اور آپ اس منبر پر خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو وہ تنا بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگا (اور یوں لگتا تھا جیسے گائے ڈکار رہی ہو۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ سے جدائی کے غم میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نیچے اتر کر اسے قلادے میں لیا اور اس پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تو وہ آہستہ آہستہ چپ ہو گیا۔)[2]

پہاڑوں اور پتھروں پر معجزاتی اثرات

(ا) پہاڑوں پر اثر

نبیٔ کریم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ آپ نے اس پر اپنا پاؤں مبارک مارا اور فرمایا:

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب في حنين الجذع.........، حديث: 3628. [2] ماخوذ از صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3583-3585، بریکٹ والے الفاظ مسند أحمد: 109/2 کے ہیں۔

«اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّ عَلَيْكَ نَبِيٌّ ، وَّصِدِّيقٌ ، وَّشَهِيدَانِ»

”احد! پرسکون ہو جا، بے شک تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“[1]

(ب) پتھروں پر اثر

نبیٔ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ»

”میں مکہ مکرمہ میں اس پتھر کو بخوبی پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اسے پہچانتا ہوں۔“[2]

(ج) مٹی پر اثر

رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین میں جب جنگ بہت شدت اختیار کر چکی تھی، اپنی خچر سے نیچے اتر پڑے، زمین سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور دشمن کے چہروں کی طرف پھینک دی اور فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ»

”یہ چہرے بگڑ جائیں۔“

ان لوگوں میں کوئی شخص بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھیں اس مٹی سے بھر نہ گئی ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دی اور ان کی غنیمتیں مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں۔[3]

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص رضي الله عنه، حديث:3686. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ ......، حديث:2277. [3] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث:1777.

چشمے پھوٹنا اور کھانے، پانی اور پھلوں میں اضافہ

(ا) پانی کا پھوٹنا اور مشروب میں اضافہ

ایسے واقعات رسول اللہ ﷺ کی برکت سے بہت دفعہ ہوئے۔ ان میں سے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

① حدیبیہ کے موقع پر لوگوں کو سخت پیاس لگی (پانی ایک چھوٹے سے برتن میں تھا)...... آپ نے اس برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔ پانی آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے یوں نکل رہا تھا جیسے چشمے پھوٹ رہے ہوں۔ سب لوگوں نے پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''تم کتنے تھے؟'' وہ فرمانے لگے: ''اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا ویسے ہم پندرہ سو تھے۔''[1]

② نبیٔ کریم ﷺ تبوک میں پہنچے تو وہاں کے چشمے کے پانی کی دھار جوتے کے تسمے کے برابر تھی (بہت باریک تھی اور لوگ بہت زیادہ تھے۔) بڑی مشکل سے تھوڑا سا پانی جمع کر کے آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اس میں اپنے مبارک ہاتھ اور چہرۂ انور دھویا، پھر آپ نے وہ پانی چشمے میں ڈال دیا، پھر تو پانی کے سوتے پھوٹ پڑے۔[2] وہ چشمہ اب تک موجود اور بدستور جاری وساری ہے۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے جس میں دودھ کا ایک پیالہ تمام اصحاب صفہ سے ختم نہ ہو سکا، حالانکہ انھوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے

[1] ماخوذ از صحیح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث: 3576، و صحیح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبایعة الإمام الجیش عند إرادة القتال......، حدیث: 1856. [2] ملاحظہ کیجیے صحیح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حدیث: 706 بعد الحدیث: 2281.

اسے ختم کر دیا۔[1]

کھانے میں برکت

اس کی بھی صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

① ایک جنگ میں نبیٔ کریم ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ شامل تھے۔ بھوک کی وجہ سے سب مشقت میں تھے۔ آپ نے حکم دیا: ''جس کے پاس جو کچھ ہے وہ جمع کیا جائے۔'' ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور کھانے کی چیزیں جمع کی گئیں مگر وہ بہت کم تھیں۔ آپ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی تو کھانے میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ سب لوگوں نے کھایا اور اپنے تمام برتن بھی اس کھانے سے بھر لیے۔[2]

② غزوۂ خندق میں ایک وقت ایسا آیا کہ نبیٔ اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تین دن تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹی سی بکری ذبح کی اور ان کی زوجہ محترمہ نے ایک صاع (تقریباً دو کلوم گرام) جو پیس کر آٹا بنایا، پھر نبیٔ کریم ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے خندق کھودنے والے تمام صحابہ کو آواز دے دی کہ آؤ کھانا کھاؤ، پھر آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، گوندھے ہوئے آٹے میں لعاب مبارک ملا دیا اور برکت کی دعا کی۔ کچھ لعاب مبارک ہنڈیا میں ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ایک ہزار آدمی تھے، سب نے خوب کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر واپس گئے مگر پھر بھی ہماری ہنڈیا اسی طرح گوشت سے ابل رہی تھی جس طرح ابتدا میں تھی اور آٹا بھی

[1] ملاحظہ کیجیے صحیح البخاري، الرقاق، باب کیف کان عیش النبي ﷺ و أصحابه و تخلیهم عن الدنیا؟ حدیث:6452. [2] ماخوذ از صحیح البخاري، الجهاد و السیر، باب حمل الزاد في الغزو، حدیث:2982، و صحیح مسلم، اللقطة، باب استحباب خلط الأزواد إذا قلّت و المؤاساة فیها، حدیث:1729.

اس نوعیت کے واقعات بے شمار ہیں۔

پھلوں اور غلے میں اضافہ

① ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کھانا مانگا۔ آپ نے اسے نصف وسق جَو عطا کیے۔ وہ آدمی، اس کے گھر والے اور ان کے مہمان عرصۂ دراز تک وہی جَو کھاتے رہے مگر وہ ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخر اس شخص نے ان کو ناپ لیا (اور وہ ختم ہو گئے) تو وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا:

«لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَأَكَلْتُمْ مِّنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ»

''اگر تم ان کو نہ ناپتے تو انھیں ہمیشہ کھاتے رہتے اور وہ کبھی ختم نہ ہوتے۔''[1]

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے ذمے اتنا زیادہ قرض تھا کہ اس کے باغ کی پوری پیداوار سے بھی کئی سال تک قرض ادا نہ ہوسکتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور کھلیان کے ارد گرد چکر لگایا، پھر جابر سے فرمایا: ''اسے ماپ کر دیتے جاؤ۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ ماپتے جاتے تھے اور دیتے جاتے تھے حتی کہ ان کا سارا قرض ادا ہو گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''تمام قرض بے باق کر دینے کے باوجود میری کھجوریں سب کی سب بچ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میری کھجوروں کے ذخیرے سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔''[2]

◄◄ الخندق……، حديث:4101، و صحيح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك……، حديث:2039.

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب معجزات النبي ﷺ، حديث:2281. [2] ماخوذ از صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3580.

فرشتوں کے ذریعے سے اللہ کی نصرت

اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر فرشتوں کے ذریعے سے نبیٔ کریم ﷺ اور آپ کے دین کی مدد فرمائی، مثلاً:

① ہجرت کے موقع پر: جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ﴾

"پھر اللہ نے اس (نبیٔ کریم) پر سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا۔ اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔"[1]

② بدر کے میدان میں: جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○﴾

"(یاد کرو) جب تم اپنے رب (کریم) سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔"[2]

③ اُحد کے میدان میں: غزوۂ احد میں حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام نبیٔ کریم ﷺ کے دائیں بائیں لڑتے رہے (تبھی تو آپ کفار کے نرغے میں بھی محفوظ رہے۔)[3]

④ غزوۂ خندق میں: جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

[1] التوبة 40:9. [2] الأنفال 9:8. [3] ماخوذ از صحیح البخاري، المغازي، باب: ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ ......﴾ (آل عمرٰن 122:3)، حدیث:4054، و صحیح مسلم، الفضائل، باب إکرامه ﷺ بقتال الملائکة معه، حدیث:2306.

﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط﴾

”(اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو) جب تم پر (کفار کے) لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر سخت آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں۔“ [1]

⑤ غزوۂ بنی قریظہ میں: نبیٔ کریم ﷺ نے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد اسلحہ اتارا اور غسل کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور عرض کی: ”آپ نے اسلحہ اتار دیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے تو نہیں اتارا۔ آیئے چلتے ہیں۔“ آپ نے دریافت فرمایا: ”کدھر؟“ تو حضرت جبریل نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ لشکر سمیت وہاں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی۔ [2]

⑥ غزوۂ حنین میں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

”اور اللہ نے ایسے لشکر اتارے جو تم نے نہیں دیکھے اور جن لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب میں مبتلا کیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔“ [3]

اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خصوصی حفاظت

خصوصی تحفظ کے معجزات حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مشرکین اور استہزاء کا نشانہ بنانے والوں سے محفوظ رکھا۔

[1] الأحزاب 9:33. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب و مخرجه......، حديث: 4117، و صحيح مسلم، الجهاد، باب جواز قتال من نقض العهد ......، حديث: 1769. [3] التوبة 26:9.

وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ○﴾

''چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ علانیہ بیان فرما دیں اور مشرکین کی کوئی پروا نہ کریں۔ بلاشبہ ہم ان استہزاء کرنے والوں سے آپ کو بچائیں گے۔'' [1]

② اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل کتاب سے محفوظ رکھا۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○﴾

''پھر اگر وہ (اہل کتاب) اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں گے۔اور اگر وہ (ایمان سے) منہ موڑیں تو (جان لو) وہ لوگ صرف ضد اور مخالفت کا شکار ہیں۔سو ان کے مقابلے میں تمھارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

③ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب دشمنوں سے محفوظ رکھا۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾

''اے رسول! آپ ہر وہ چیز لوگوں تک پہنچا دیجیے جو آپ کی طرف آپ کے رب کریم کی جانب سے نازل کی گئی۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔'' [3]

اس آیت میں عموم ہے کہ اللہ تعالیٰ نبیٔ کریم ﷺ کی تمام لوگوں سے حفاظت کرے گا، چنانچہ یہ تینوں آیات بعینہٖ سچی ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دشمنوں سے عجیب وغریب خلافِ عادت طریقوں سے بچایا اور آپ کی مدد کی، حالانکہ آپ کے

[1] الحجر 95,94:15 . [2] البقرة 137:2 . [3] المآئدة 67:5 .

دشمن بے شمار تھے اور وہ اپنے اپنے مقام پر بڑے طاقتور اور غالب بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے بدلہ لیا جس نے آپ ﷺ سے دشمنی کی، مثلاً ایک عیسائی مسلمان ہو گیا۔ اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران حفظ کیں۔ وہ نبیٔ کریم ﷺ کے حکم سے (وحی کی) کتابت بھی کرتا تھا، پھر وہ (مرتد ہو گیا اور) دوبارہ عیسائی بن گیا اور کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) کو پتہ ہی نہیں چلتا، میں جو چاہتا تھا لکھ دیتا تھا۔'' کچھ عرصے بعد اللہ نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کر دیا لیکن صبح ہوئی تو دیکھا کہ اس کی لاش باہر پڑی ہے۔ اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ یہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی حرکت ہے کہ یہ ان سے بھاگ کر آیا ہے، چنانچہ انھوں نے اسے دوبارہ گہرا دفن کیا لیکن اگلے دن پھر اس کی لاش باہر نکلی پڑی تھی۔ اس کے ساتھیوں نے پھر یہی خیال ظاہر کیا کہ یہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی شرارت ہے کہ انھوں نے اس کی قبر کشائی کر کے اسے نکالا ہے، چنانچہ انھوں نے تیسری بار پھر اسے بہت ہی گہرا دفن کیا لیکن صبح پھر اس کی لاش زمین نے باہر نکال پھینکی۔ تب اس کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کی کارروائی نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جھوٹ کی سزا ہے)، لہٰذا انھوں نے اسے اسی طرح پڑا رہنے دیا۔[1]

دعاؤں کی قبولیت

آپ کی دعاؤں کی قبولیت تو اظہر من الشّمس ہے۔ ہزاروں لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا اور وہ اس کثرت سے ہیں کہ یہ صفحات ان کے تفصیلی تذکرے کی گنجائش نہیں رکھتے۔ بطورِ مثال چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دعا دی تھی:

[1] ماخوذ از صحیح البخاري المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث: 3617، و صحیح مسلم، کتاب و باب صفات المنافقین و أحکامهم، حدیث:2781 .

«اَللّٰهُمَّ! أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ»

”اے اللہ! اس کو بہت زیادہ مال و اولاد دے اور جو کچھ اسے دیا ہے اس میں برکت فرما۔“ [1]

ایک روایت میں یوں ہے:

«اَللّٰهُمَّ! أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَأَطِلْ حَيَاتَهُ وَاغْفِرْ لَهُ»

”اے اللہ! اس کو بہت زیادہ مال و اولاد دے اور اس کی زندگی طویل کر اور اسے معاف فرما دے۔“ [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم! مجھے بہت زیادہ مال ملا۔ میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تک سو نفر سے زیادہ ہے۔ [3] مجھے میری بیٹی اُمَینہ نے بتایا کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری نسل سے ایک سو بیس افراد سے زیادہ فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں۔“ [4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو دفعہ پھل دیتا تھا۔ اس باغ میں ایک پودا تھا جس سے کستوری جیسی خوشبو آتی تھی۔ [5]

② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی جو فوراً قبول ہوئی اور ابو ہریرہ کے گھر پہنچنے سے قبل ہی وہ مسلمان ہو گئیں۔ ان کا قصہ بہت عجیب ہے۔ [6]

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب قول الله تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ ....، حديث: 6334، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أنس بن مالك رضي الله عنه، حديث: 2481. [2] شرح صحيح الأدب المفرد للبخاري: 2/310، حديث:653، و سير أعلام النبلاء:3/399. [3] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أنس بن مالك رضي الله عنه، حديث: (143)-2481. [4] صحيح البخاري، الصوم، باب من زار قوما فلم يفطر عندهم، حديث:1982. [5] جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب لأنس بن مالك رضي الله عنه، حديث:3833. [6] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب ◄◄

③ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ کو دعا دی:

«اَللّٰھُمَّ! بَارِكْ لَهُ فِي صَفْقَةِ يَمِينِهِ»

''اے اللہ! اس کے سودے میں برکت فرما۔''

تو ان کی تجارت کی کیفیت یہ ہوگئی کہ وہ کوفہ کی منڈی میں آتے تو بسا اوقات گھر جانے سے پہلے پہلے چالیس ہزار درہم منافع ہو جاتا۔ [1]

(اسی طرح ان کے بارے میں یہ بھی آتا ہے:) اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع ہو جاتا تھا۔ [2]

④ آپ نے ابوجہل، امیہ، عقبہ اور عتبہ جیسے دشمنوں کو بددعا دی تو وہ بھی قبول ہوئی۔ [3]

⑤ جنگ بدر اور حنین میں آپ کی دعا قبول ہوئی۔ سراقہ بن مالک کے خلاف آپ کی بددعا فوراً قبول ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ [4]

حقیقت یہ ہے کہ ہر انصاف پسند اور عقل مند یہ واضح دلائل دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ»

من فضائل أبي هريرة رضي الله عنه، حديث:2491.

[1] ماخوذ از مسند أحمد:4/376. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب:28، حديث:3642. [3] ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أوجيفة لم تفسد عليه صلاته، حديث:240، و صحيح مسلم، الجهاد، باب ما لقي النبي ﷺ من أذى المشركين و المنافقين، حديث:1794. [4] ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة، حديث:3906، و صحيح مسلم، الجهاد، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، و إباحة الغنائم، حديث:1763، و باب غزوة حنين، حديث:1775.

باب :19

محمد ﷺ کی رسالت تمام جن وانس کے لیے

سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ جو کچھ نبئ کریم ﷺ لائے ہیں اس پر پختہ ایمان رکھا جائے اور یہ عقیدہ نہایت محکم ہونا چاہیے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبر ہیں، چاہے وہ انسان ہوں یا جن، عربی ہوں یا عجمی، اہل کتاب ہوں یا مجوسی، سردار ہوں یا رعایا...... اور یہ بات بھی نقش کالحجر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ وہ یہ کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ظاہرًا اور باطنًا سچی پیروی کی جائے۔ بالفرض اگر حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء بھی آپ ﷺ کے دور میں آ جاتے تو ان کے لیے بھی آپ ہی کی پیروی واجب ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

”اور (یاد کرو!) جب اللہ نے تمام انبیاء سے پختہ عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب وحکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس وہ (عظیم)رسول آ جائے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر

میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں، پھر اس کے بعد جو بھی اعراض کرے تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں۔'' [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس سے یہ عہد ضرور لیا کہ اگر تیری زندگی میں محمد آ جائیں تو تجھے ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنی ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے پختہ عہد لے کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔'' [2]

اسی لیے ایک حدیث مبارکہ میں آپ کا ارشاد ہے:

«لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَّا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَّتَّبِعَنِي»

''اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تم میں موجود ہوتے تو انھیں بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔'' [3]

جو شخص نبی کریم ﷺ کی عالمگیر رسالت کو تسلیم نہیں کرتا، اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں:

① یا تو وہ شخص آپ کو اللہ کا رسول مانتا ہوگا مگر اس کے نزدیک آپ کی رسالت صرف عربوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔

② یا وہ سرے سے آپ کی رسالت ہی کا منکر ہوگا۔

پہلی قسم کے شخص پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال کو تسلیم کرے کیونکہ ان ارشادات میں آپ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کی صراحت موجود ہے، نیز یہ کہ پہلی

[1] آل عمرٰن 82,81:3 . [2] دیکھیے الفرقان بين أولياء الرحمن و أولياء الشيطان لابن تيمية، ص: 77، 191-200، و فتاوٰی ابن تیمیة: 19/9-65، و الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: 1/31-176، و تفسير ابن كثير: 2/59 . [3] مسند أحمد: 3/338 .

تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ میں ساری انسانیت کی طرف رسول ہوں، تبھی تو آپ نے تمام علاقوں کی طرف قاصد بھیجے۔ اور کسریٰ، قیصر، نجاشی اور دوسرے بادشاہوں کی طرف خطوط ارسال فرما کر انھیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ (یہ سب لوگ عجمی تھے عربی نہیں تھے۔) مزید یہ کہ آپ نے ان تمام لوگوں سے لڑائیاں لڑیں جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا، چاہے وہ مشرک تھے یا اہل کتاب۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا اور ان پر جزیہ عائد کیا کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ کوئی شخص رسول پر ایمان تو لائے مگر اس کی تمام باتوں کی تصدیق نہ کرے تو یہ تناقض اور ضد ہے۔

دوسری قسم کا شخص جو سرے سے حضرت محمد ﷺ کو رسول ہی تسلیم نہیں کرتا تو یہ اس کی ضد ہے کیونکہ آپ کی رسالت پر قطعی دلائل قائم ہو چکے ہیں۔ قرآن ہمیشہ سے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کرتا آ رہا ہے کہ اگر تمھیں شک ہے تو مقابلہ کرو، لہٰذا آپ کی رسالت کا انکار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو وہ آپ کے قرآنی معجزات کا مقابلہ کرے یا پھر آپ کی رسالت کو تسلیم کرے۔ اگر وہ آپ کو رسول مان لے تو اسے آپ ﷺ کے تمام فرامین کو تسلیم کرنا ہوگا اور اگر کوئی ضد اور مخالفت کرتے ہوئے قرآن کے مقابلے پر اتر آئے تو وہ لازماً ذلیل ہوگا اور مقابلہ نہ کر سکے گا کیونکہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ مقابلے سے عاجز آ چکے ہیں جو اصل عرب تھے۔ پس دوسرے لوگ تو ان سے بھی بڑھ کر قاصر و عاجز ہوں گے کیونکہ قرآن قیامت تک کے لیے قائم اور جاری رہنے والا معجزہ ہے۔[1]

[1] الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: 1/144و166، و مناهج الجدل في القرآن الكريم، ص: 303.

لہٰذا سب لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں، اس پر عمل کریں اور اسی سے فیصلے صادر کرائیں۔

قرآن حکیم میں صراحت ہے کہ حضرت محمد ﷺ سب لوگوں کی طرف اللہ کے رسول اور آخری نبی کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○﴾

’’کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ اور تم اس (نبی) کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔‘‘[1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ِۨ ○ ﴾

’’بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تا کہ وہ سب جہان والوں کے لیے ڈرانے والا (آگاہ کرنے والا) بن جائے۔‘‘[2]

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو انذار و تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾

[1] الأعراف 158:7 . [2] الفرقان 1:25 .

’’اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعے سے تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو ڈراؤں (خبردار کروں۔)‘‘[1]

یہ الفاظ اس مفہوم میں واضح ہیں کہ آپ کی رسالت ہر اس شخص کے لیے عام ہے جسے قرآن پہنچ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ آپ کی رسالت اہل کتاب کے لیے بھی عام ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾

’’اور (اے نبی!) آپ ان اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں: کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر اعراض کریں تو آپ (کو گھبرانے کی ضرورت نہیں آپ) کے ذمے تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘[2]

نیز فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾

’’محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔‘‘[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

’’اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔‘‘[4]

مزید فرمایا:

1 الأنعام 19:6. 2 ال عمرٰن 20:3. 3 الأحزاب 40:33. 4 الأنبيآء 107:21.

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝﴾

”اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (خبردار کرنے والا) ہی بنا کر بھیجا ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“[1]

رسول اکرم ﷺ نے بھی لوگوں کو یہی تبلیغ فرمائی کہ میں آخری نبی ہوں اور میری رسالت سب کے لیے عام ہے۔آپ نے فرمایا:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي . . . . . وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً» .

”مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں...... (ان میں سے ایک خصوصیت آپ نے یہ بیان فرمائی:) پہلے نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔“[2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟» قَالَ: «فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ»

”میری اور مجھ سے پہلے دوسرے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی نے

[1] سبا 28:34 . [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبيﷺ : [جعلت لي الأرض مسجدًا و طهورًا]، حديث:438، و صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث:521 .

بہت خوبصورت اورنہایت دیدہ زیب گھر بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ ارد گرد گھوم گھوم کر گھر کو دیکھتے تھے، اس کی خوبصورتی پرخوش ہوتے تھے اور کہتے تھے: اوہو! یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ آپ نے فرمایا:

''میں ہی وہ اینٹ ہوں (اور میرے ذریعے سے نبیوں کی اس عمارت کو مکمل کر دیا گیا) میں آخری نبی ہوں۔''[1]

تمام انسانوں اور جنوں کے لیے، ہر آنے والے دور اور ہر مقام میں، قیامت تک کے لیے آپ کی آخری عالمگیر رسالت اس امر کی متقاضی ہے کہ اب نبوت ختم ہو چکی ہے، وحی بند ہو چکی ہے اور شریعت و اطاعت کا مرکز صرف قرآنِ مجید اور سنت محمد یہ ہی ہے۔ اس امر کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ کی عالیگر رسالت کو تسلیم کیا جائے اور آپ کی شریعت کی پیروی کی جائے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»

''قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اب اس امت میں جو بھی یہودی یا عیسائی میری نبوت کے بارے میں سن لے، پھر میری رسالت اور شریعت پر ایمان لائے بغیر مرجائے، وہ جہنم میں جائے گا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مندرجہ بالا دلائل سے حجت قائم ہو گئی اور آپ کی رسالت کی عالمگیری تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہر زمان و مکان میں قیامت تک

---

[1] صحیح البخاري، المناقب، باب خاتم النبیینﷺ، حدیث:3535، و صحیح مسلم، الفضائل، باب ذکر کونهﷺ خاتم النبیین، حدیث:(22)-2286. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب و جوب الإیمان برسالة نبینامحمدﷺ ......، حدیث: 154.

کے لیے ثابت ہوگئی:

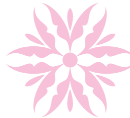
﴿قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ عَمِىَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ﴾

''تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں آ چکی ہیں، چنانچہ جس نے بصیرت سے کام لیا تو اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے اور جو اندھا بنا رہا، اس کا وبال اسی پر ہے اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

''اور کہہ دیجیے: حق تمھارے رب کی طرف سے (آچکا) ہے، پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے......''[2]



[1] الأنعام 104:6 . [2] الكهف 29:18 .

باب :20

یہود و نصاریٰ کے انصاف پسند علماء کا اعترافِ رسالت

انصاف پسند یہودی علماء کا اعتراف

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب کو دین اسلام کی دعوت پیش کرتے وقت سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ انھیں ان انصاف پسند اہل کتاب علماء کی گواہی سے آگاہ کیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی، پھر انھوں نے حق قبول کیا، پھر اسے بیان بھی کیا اور کچھ نہیں چھپایا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مانند ہے:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ج﴾

''اور اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک شخص نے گواہی دی۔''[1]

میں مثال کے طور پر ان چند علماء کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں یہودی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ ہمارے علماء تھے، چنانچہ انھی لوگوں نے اسلام کے حق ہونے کا اقرار کیا۔

1 عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اگر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی یہودی مسلمان نہ ہوتا تو روئے زمین کے ہر یہودی کے مقابلے میں وہ اکیلے ہی کافی تھے کیونکہ خود یہودیوں کے بقول وہ ان کے سردار، ان کے سردار کے بیٹے، ان میں سے

[1] یوسف 26:12 .

بڑے عالم اور بڑے عالم کے بیٹے، ان میں سے بہترین اور بہترین شخص کے بیٹے تھے۔ پھر جب بے شمار علماء اہل کتاب اور راہبوں نے اسلام قبول کیا ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

اس عظیم شخص کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی تفصیل انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں۔ یہ باتیں نبی کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا:

- قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟
- جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟
- کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَبَّرَنِي بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ» قَالَ ابْنُ سَلَامٍ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ، وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الْوَلَدِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ الْمَرْأَةَ فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا». قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ.

''مجھے ابھی حضرت جبریل علیہ السلام یہی باتیں بتا کر گئے ہیں۔'' عبداللہ بن سلام کہنے لگے: یہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] دیکھیے هداية الحيارى في أجوبة اليهود و النصارىٰ لابن القيم: 525,514 .

- ”سنو! قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی۔
- جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہوگا۔
- بچے کی مشابہت کا معاملہ یہ ہے کہ جماع کے وقت مرد کا پانی، عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے، اگر عورت کا پانی غالب آجائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔“

عبداللہ بن سلام بے ساختہ بول اٹھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور) آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! یہودی بڑے بہتان طراز لوگ ہیں اگر انھیں میرے اسلام لانے کا پتہ چل گیا تو وہ آپ کے سامنے مجھ پر جھوٹے بہتان باندھیں گے۔[1] (اس لیے آپ انھیں بلا لیجیے اور میرے بارے میں ان کی رائے دریافت فرمایئے۔)[2] آپ نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ! وَيْلَكُمُ اتَّقُوا اللهَ، فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ حَقًّا، وَأَنِّي جِئْتُكُمْ بِحَقٍّ فَأَسْلِمُوا»

”اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! تم بخوبی جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں، اس لیے مسلمان ہو جاؤ۔“

وہ کہنے لگے: ”ہم تو نہیں جانتے۔“ آپ کا ان سے تین مرتبہ یہی مکالمہ ہوا لیکن وہ نہ مانے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث:3329.
2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب:51، حديث:3938.

«فَأَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ»

''عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''وہ ہمارا سردار ہے ہمارے سردار کا بیٹا ہے، ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے۔ [1]

وہ ہم میں سے بہترین ہے اور بہترین شخص کا بیٹا ہے۔ وہ ہم میں سب سے افضل ہے اور افضل شخص کا بیٹا ہے۔ [2] آپ نے فرمایا:

«أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟»

''اچھا، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر؟''

وہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ اسے اس غلطی سے بچائے۔ وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا:

«أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟»

''بالفرض وہ مسلمان ہو جائے تو؟''

وہ کہنے لگے: ہرگز نہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا:

«أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ؟»

''بتاؤ، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر (تمھارا ردعمل کیا ہوگا)؟''

وہ کہنے لگے: ہرگز نہیں۔ اللہ بچائے وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ سَلَامٍ اخْرُجْ عَلَيْهِمْ»

''عبداللہ بن سلام! باہر نکلو۔'' [3]

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة، حديث: 3911. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته، حديث: 3329، و مناقب الأنصار، باب: 51، حديث: 3938. [3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه......، حديث: 3911.

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے نکل کر سامنے آئے اور بلند آواز سے کہا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔''[1]

پھر بولے: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! تم بخوبی جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں۔ وہ کہنے لگے: ''تو جھوٹ بولتا ہے۔''[2]

تو ہم میں سب سے زیادہ برا آدمی ہے اور سب سے برے کا بیٹا ہے۔ یہودی اسے بہت برا بھلا کہنے لگے، (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔)[3]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ ہر طرف سے آپ کی طرف اُمڈے آرہے تھے۔ مدینہ میں شور مچ گیا: اللہ کے رسول آ گئے، اللہ کے رسول آ گئے۔ میں بھی آپ کو دیکھنے گیا۔ میں نے غور سے آپ کا مبارک چہرہ دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ منور چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو میں نے آپ کو فرماتے سنی، وہ یہ تھی:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته، حديث:3329. 2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبيﷺ و أصحابه إلى المدينة، حديث: 3911.
3 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته، حديث:3329، وكتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبيﷺ......، حديث:3911، وباب:51، حديث: 3938.
بریکٹ والے الفاظ حدیث:3911 کے ہیں۔

”اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رشتے جوڑو، رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو اٹھ کر نفل نماز پڑھا کرو، تم جنت میں بخیر وخوبی پہنچ جاؤ گے۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے بھی اس عالم ربانی (عبداللہ بن سلام) کی قرآن میں تعریف فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چلتے پھرتے کسی زندہ شخص کے بارے میں فرمایا ہو کہ وہ جنتی ہے سوائے عبداللہ بن سلام کے۔ انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَآءِيلَ عَلَىٰ مِثۡلِهِۦ﴾

”اور بنی اسرائیل کے ایک معتبر گواہ نے بھی اس جیسی (کتاب اترنے) کی گواہی دی ہے۔“[2]

2 یہودی عالم زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ

زید بن سعنہ فرماتے ہیں: میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر تمام علاماتِ نبوت دیکھ لی تھیں۔ صرف دو باقی تھیں جن کا مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آپ کا تحمل غصے پر غالب ہوگا۔ دوم یہ کہ ان سے جس قدر بھی جہالت کا سلوک کیا جائے، ان کے حلم و درگزر میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ آج میں یہ دونوں علامات دیکھ چکا ہوں، اس لیے جناب عمر! میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو برضا ورغبت اپنا رب، اسلام کو دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کرتا ہوں اور میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا نصف

1 جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث:أفشوا السلام......، حديث:2485، و سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب إطعام الطعام، حديث:3251، و اللفظ له. 2 الأحقاف 10:46. صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب عبدالله بن سلام رضي الله عنه، حديث: 3812، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبد الله بن سلام رضي الله عنه، حديث:2483.

مال امت محمدیہ کے لیے وقف ہے۔ یہ عالم بہت زیادہ مالدار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”پوری امت کے بجائے بعض افراد امت کے لیے وقف کرو کیونکہ پوری امت تو بہت زیادہ ہے، اس کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔“ یہودی عالم کہنے لگا: ٹھیک ہے بعض افراد امت کے لیے وقف ہے، پھر حضرت زید بن سعنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت زید کہنے لگے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔“

وہ آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور آپ سے بیعت بھی کی بلکہ بہت سی جنگوں اور اہم مقامات پر حاضر ہوتے رہے۔ آخر غزوۂ تبوک سے مدینہ کی طرف واپسی پر شہید ہوئے۔ [1]

3 موت کے وقت مسلمان ہونے والا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں ایک یہودی شخص کے پاس سے گزرے تو وہ تورات کھولے پڑھ رہا تھا۔ اس کا مقصد اپنے آپ کو تسلی دینا تھا کیونکہ اس کا انتہائی خوبصورت نوجوان بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

«أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ، هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ هٰذَا صِفَتِي

[1] ماخوذ از صحيح ابن حبان: 1/521-524، حديث:288 مطولاً، و المعجم الكبير للطبراني: 5/222، حديث: 5147، و المستدرك للحاكم: 2/32، حديث:2237 مختصراً.

وَمَخْرَجِي»

"میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، جس نے تورات نازل فرمائی ہے، کیا تم اس کتاب میں میری صفات اور میری نبوت کی خبر پاتے ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کا بیٹا کہنے لگا: "اللہ کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے! ہم آپ کی صفات اور نبوت کا تذکرہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔" (پھر وہ فوت ہوگیا تو) رسول کریم ﷺ نے (ابوبکر و عمر سے) فرمایا:

«أَقِيمُوا الْيَهُودِيَّ عَنْ أَخِيكُمْ»

"اس یہودی کو اپنے مسلمان بھائی کی میت سے دور کر دو۔"

پھر آپ نے اسے خود کفن پہنایا، حنوط لگایا اور اس کا جنازہ پڑھایا۔[1]

یہودی علماء کے اعتراف کی یہ تین مثالیں ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول ہیں اور آپ کی صفات تورات میں موجود ہیں۔ اور یہودی آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾

"اور کہہ دیجیے: یہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔"[2]

موت کے وقت مسلمان ہونے والے یہودیوں میں سے ایک وہ ہے جس کا تذکرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ مزاج پرسی کے لیے اس کے پاس

[1] مسند أحمد: 411/5 . [2] الكهف 29:18 .

تشریف لے گئے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمانے لگے:

«أَسْلِمْ» فَنَظَرَ إِلٰى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ: أَطِعْ أَبَاالْقَاسِمِ، فَأَسْلَمَ.

''تو مسلمان ہو جا!'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی پاس بیٹھا تھا۔ باپ کہنے لگا: ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ بچہ کہنے لگا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

یہ سنتے ہی نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ»

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے آگ سے بچالیا۔''[1]

انصاف پسند عیسائی علماء کا اعتراف

عیسائی حضرات کو دعوتِ اسلام دینے کے سلسلے میں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ ان کے سامنے ان انصاف پسند عیسائی علماء کے اعترافات پیش کیے جائیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق دی، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے:

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات......، حديث: 1356، بریکٹ والے الفاظ السنن الكبرٰى للنسائي، السير، باب عرض الإسلام على المشرك، حديث: 8588 کے ہیں۔

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ج﴾

''اور عورت کے اہل خانہ میں سے ایک شاہد نے گواہی دی۔''[1]

1 شاہِ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ[2]

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو سورۂ مریم کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ رو پڑے۔ اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھی گیلی ہوگئی۔ پادریوں نے قرآن سنا تو وہ بھی رونے لگے۔ نجاشی نے وفد سے پوچھا: ''تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' حضرت جعفر کہنے لگے: ''آپ وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی روح اور اس کا حکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کنواری مریم سے پیدا کیا۔ کوئی مرد ان کے قریب تک نہ گیا۔'' نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اسے بلند کر کے کہنے لگے:

«يَامَعْشَرَ الْقِسِّيسِينَ وَالرُّهْبَانِ! مَا يَزِيدُ عَلٰى مَا تَقُولُونَ فِي ابْنِ مَرْيَمَ مَا تَزِنُ هٰذِهِ، وَقَالَ لِلْوَفْدِ: مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِّنْ عِنْدِهِ، فَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ، وَأَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسٰى، وَلَوْلَا مَا أَنَا فِيهِ مِنَ الْمُلْكِ لَأَتَيْتُهُ حَتّٰى أُقَبِّلَ نَعْلَهُ»

1 یوسف 26:12 .

2 حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ تھا، یہ مسلمان ہوگئے تھے۔ آپ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے ہجرت نہیں کی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ وہ ایک لحاظ سے صحابی ہیں اور ایک لحاظ سے تابعی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہوئے۔ آپ نے ان کا جنازہ غائبانہ پڑھا صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ کسی اور کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ دیکھیے (سير أعلام النبلاء:1/428-443)

”اے میرے پادریو اور راہبو! یہ نبی بھی بعینہ وہی کہتے ہیں جو تم حضرت عیسیٰ کے بارے میں کہتے ہو۔ اس تنکے جتنی بھی کمی بیشی نہیں۔“ پھر وہ وفد سے کہنے لگے: ”میں تم سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور اس ذاتِ اقدس (ﷺ) کو بھی جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور وہی شخصیت ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اگر میں حکومت کے بکھیڑوں میں نہ پھنسا ہوتا تو میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے مبارک جوتوں کو بوسے دیتا۔“[1]

2 حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے۔[2] انھوں نے بہت سے عیسائی علماء کے ساتھ عرصہ دراز گزارا۔ آخر وہ عموریہ کے سب سے بڑے عالم کے پاس رہنے لگے۔ جب اس عالم پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس نے حضرت سلمان کو وصیت کی: ”نبی آخر الزمان کے حرم مکہ میں مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ وہ وہاں سے ہجرت کر کے ایک ایسے شہر میں آئیں گے جو دو پتھریلے میدانوں کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر کی زمین شوریلی سی ہوگی مگر کھجور کے درخت کثرت سے ہوں گے۔ اس نبی میں بہت سی علامات نبوت ہوں گی جو مخفی نہ ہوں گی: ان کے کندھوں کے درمیان ”ختم نبوت“ ہوگی۔ وہ ہدیہ کھائیں گے، صدقہ نہیں کھائیں گے۔ اگر تم اس علاقے تک پہنچ سکو تو یہ تمھاری خوش نصیبی ہوگی کیونکہ ان کی بعثت کا وقت آ چکا ہے۔“

1 سير أعلام النبلاء:438/1 .

2 سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قصے اور ان کے قبول اسلام کے واقعے کے لیے دیکھیے سير أعلام النبلاء: 556-505/1 .

حضرت سلمان (بڑا طویل اور پر صعوبت) سفر طے کر کے یثرب پہنچ گئے اور انھوں نے آپ کی ذاتِ مقدس میں وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں جو استاذ گرامی نے بیان کی تھیں، پس وہ مسلمان ہو گئے۔[1] رضي اللّٰه عنه وأرضاه.

3 روم کا بادشاہ ہرقل

ہرقل کا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے طویل مکالمہ ہوا جو ان لفظوں پر ختم ہوا: ''...... میں نے تم سے پوچھا تھا: کیا وہ بدعہدی کرتے ہیں؟'' تم نے کہا تھا: ''نہیں'' یاد رکھ! رسول ایسے ہی ہوتے ہیں وہ بدعہدی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا: وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟'' تم نے کہا تھا: ''وہ حکم دیتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ وہ بتوں کی عبادت سے روکتے ہیں۔ نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔'' سن لو! اگر تمھاری یہ باتیں سچی ہیں تو وہ لازماً اس زمین کا حکمران بنے گا جہاں اب میرے پاؤں ہیں۔ مجھے یہ تو علم تھا کہ وہ نبی آنے والا ہے مگر یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا، چنانچہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں آپ تک پہنچ سکوں گا تو میں آپ سے ملنے کے لیے ہر قسم کی مشقت اٹھاتا۔ اور اگر میں آپ کے پاس ہوتا تو آپ کے پاؤں دھوتا۔''[2]

پھر ہرقل نے رومی درباریوں سے کہا: ''اے رومیو! کیا تم کامیابی اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اور کیا تم چاہتے ہو کہ تمھاری حکومت قائم رہے تو اس نبیٔ کریم ﷺ کی بیعت کرلو۔''[3]

---

1 دیکھیے سیر أعلام النبلاء:1/510,509. 2 دیکھیے صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللّٰه ﷺ ......، حديث:7، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل......، حديث: 1773. 3 دیکھیے صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث:7.

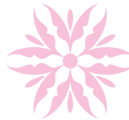
لیکن ان زریں خیالات کے باوجود اس نے حکومت چھوڑنا گوارا نہ کی اور مسلمان نہیں ہوا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اہل کتاب میں سے معتبر اور انصاف پسند اہل علم نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ گواہی دی اور یہ کہا کہ آپ سچے رسول ہیں، لہٰذا اب اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اس کے انکار سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ [1]

عیسائی علماء کثیر تعداد میں مسلمان ہوئے ہیں اور انھوں نے علانیہ گواہی دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝﴾

”یہ اس لیے کہ بے شک ان (اہل کتاب) میں کچھ پڑھے ہوئے عبادت کرنے والے، کچھ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے۔“ [2]

لہٰذا سب عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے حق پرست علماء کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اسلام قبول کریں اور رب العالمین کے اطاعت گزار بندے بن جائیں۔



1 دیکھیے هداية الحيارى لابن القيم، ص:525. 2 المآئدة82:5.

باب:21

رسول اللہ ﷺ کے آخری اعمالِ حسنہ

رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیک کام شروع کر لیتے تو پابندی سے جاری رکھتے۔ اسی لیے فرمایا:

«إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَادَامَ وَإِنْ قَلَّ»

''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ وہ اعمال ہیں جن پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ تھوڑے ہی ہوں۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ ہر رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ ہر سال آپ سے رمضان المبارک میں پورے قرآن کا ایک دور کیا جاتا تھا مگر جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ سے دو دفعہ دور کیا گیا۔''[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنی وفات سے پہلے اکثر یہ دعا پڑھا

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب الجلوس على الحصير ونحوه، حديث:5861، و صحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبيﷺفي غير رمضان..........، حديث: 782 قبل الحديث: 1157 . [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كان جبريل يعرض القرآن على النبيﷺ ، حديث: 4998، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة بنت النبيﷺ، حديث: 2450، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الاعتكاف، حديث: 1769 . واللفظ له .

کرتے تھے:

«سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ» قَالَتْ: قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ! مَا هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَهَا تَقُولُهَا؟ قَالَ: «جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾»

''(اے اللہ!) تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! میں یہ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ نے اب یہ کلمات پڑھنے شروع کیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے میری امت کی ایک نشانی مقرر کی گئی تھی کہ جب وہ نشانی میں دیکھوں تو یہ کلمات پڑھنا شروع کر دوں۔ (جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے......)'' [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سورت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ یہ سورت (النصر) رسول اللہ ﷺ کی وفات کی اطلاع کے طور پر نازل کی گئی۔ حضرت عمر فرمانے لگے: واقعتاً میرا خیال بھی یہی ہے۔ [2]

ایک قول کے مطابق یہ سورت: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ یوم نحر منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ ایک دوسرے قول کے مطابق یہ سورت اسی سال ایام تشریق میں نازل ہوئی۔ [3]

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع و السجود؟ حديث: (218)-484.
[2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث 4430. [3] فتح الباري: 130/8، 734.

طبرانی میں ہے: ''جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے آخرت کی زبردست تیاری شروع کر دی۔''[1]

اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں اکثر فرمایا کرتے تھے:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِي»

''اے اللہ! ہمارے رب! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے۔ اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔''

اس طرح آپ اس سورت پر عمل کرتے تھے۔[2]

اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سورت کے آخر میں آپ کو جو تسبیح و استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اس کے مطابق آپ عمل کرتے تھے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے بخشش مانگیں، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[3]

اس باب سے چند فوائد و اسباق حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

① نیک کام پر پابندی بہت افضل چیز ہے۔ تھوڑا عمل جو جاری رہے اس کثیر عمل سے بہتر ہے جو منقطع ہو جائے کیونکہ قلیل عمل صالح کے جاری رہنے سے اللہ کی اطاعت، ذکر، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان، صحیح نیت، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ جیسے عظیم فضائل حاصل ہوتے رہیں گے۔ تھوڑا لیکن جاری رہنے والا عمل ہی پھل دیتا ہے

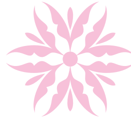
[1] المعجم الكبير للطبراني:11/329,328، حديث:11903، وفتح الباري: 8/130.

[2] صحيح البخاري، الأذان، باب الدعاء في الركوع، حديث:794، و صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع و السجود؟ حديث:484. [3] شرح النووي:4/268.

کیونکہ وہ اس کثیر عمل سے کئی گناہ بہتر ہے جو چھوڑ دیا جائے۔ [1]

② جو شخص عبادت میں اپنی طاقت سے بڑھ کر مشقت اٹھاتا ہے، اس کے بارے میں ہر وقت یہ خطرہ موجود رہتا ہے مبادا وہ اکتا کر عبادت ہی چھوڑ دے۔ [2]

③ مسلمان کی عمر جوں جوں بڑھتی جائے اسے اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق نیک اعمال میں مزید محنت کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات بہترین حالت پر ہو کیونکہ اعمال کا اعتبار خاتمے پر موقوف ہے۔ نیک اعمال وہی بہتر ہیں جن پر انسان کا خاتمہ ہو۔ [3]



[1] فتح الباري: 103/1، و شرح النووي: 102/6. [2] فتح الباري: 215/4. [3] فتح الباري: 285/4.

باب :22

امت کے لیے الوداعی وصیتیں

اعلانِ حج

جب آپ لوگوں تک مکمل طور پر دینِ حق پہنچا چکے، اللہ کی امانت ادا کر چکے، امت کی خیر خواہی مکمل کر چکے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں پورا پورا جہاد کر چکے تو آپ نے اعلانِ عام فرمایا کہ میں اس سال (10 ھ) حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس وقت تک آپ مدینہ منورہ میں دعوت و جہاد اور تعلیم و تربیت سے بھرپور نو سال بسر کر چکے تھے۔ اس اعلان عظیم کا مقصد لوگوں تک فریضۂ حج کی تبلیغ تھا تاکہ لوگ خود آ کر آپ سے مناسک حج سیکھیں، آپ کے اقوال و افعال کا خود مشاہدہ کریں اور پھر تمام حاضرین غائبین (بعد میں آنے والوں) تک آپ کا پیغام پہنچائیں تاکہ دعوتِ اسلام پھیل جائے اور اللہ کا پیغام دور اور نزدیک ہر جگہ پہنچ جائے۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کو نو سال گزر چکے تھے۔ آپ حج کرنے نہیں گئے تھے۔ 10 ھ میں آپ کی طرف سے اعلانِ عام کر دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کے نتیجے میں لوگوں کی کثیر تعداد مدینہ منورہ پہنچ گئی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں فریضۂ حج انجام دے اور

[1] شرح النووي: 238/8.

آپ کے اعمال کی پیروی کرے......‘‘ اسی حدیث کے آخر میں ہے: ’’جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیداء (ایک ٹیلہ) پر چڑھی تو میں نے آپ کے آگے، پیچھے اور دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی لوگ ہی لوگ دیکھے۔ کوئی سوار تھا اور کوئی پیدل۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور آپ پر برابر وحی اترتی جاتی تھی اور آپ وحی کا صحیح مطلب بھی جانتے تھے، لہٰذا آپ نے جو عمل کیا ہم نے بھی وہی عمل کیا...... حتی کہ جب آپ عرفہ پہنچے تو وادیٔ نمرہ میں آپ کے لیے ایک خیمہ لگایا گیا۔ آپ اس میں تشریف فرما ہوئے۔‘‘

عرفات میں الوداعی وصیتیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’جب (یومِ عرفہ کا) سورج ڈھل گیا۔ آپ نے قصواء اونٹنی کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس پر پالان کسا گیا۔ آپ سوار ہو کر وادیٔ نمرہ کے نشیب میں پہنچے اور لوگوں سے خطاب فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَّدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَّإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَّرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَّأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ

فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟» قَالُوا : نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ : «اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ»

''اے لوگو! تمھارے خون اور مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح تمھارے اس دن اس مہینے اور اس شہر کی حرمت قائم ہے۔ خبر دار! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ختم کر دی گئی۔ دورِ جاہلیت میں ہونے والے تمام خون ختم کر دیے گئے۔ سب سے پہلا خون جو میں ختم کرتا ہوں وہ ہمارے خاندان کے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، وہ بنو سعد میں ایامِ رضاعت گزار رہا تھا کہ اسے بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ دورِ جاہلیت کا تمام سود معاف اور ختم کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا سود جو میں معاف کرتا ہوں میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ وہ سب کا سب معاف اور ختم ہے۔[1] عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے ان کو اللہ کا عہد دے کر حاصل کیا ہے اور تم نے اللہ کے کلمے ہی کی بدولت ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔[2] ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے

[1] اس کا مفہوم یہ ہے کہ رأس المال سے زائد لینا منع اور حرام ہے جبکہ رأس المال تو اصل مالک کا ہے جیسا کہ نص قرآن سے یہ ثابت ہے۔ [2] یہاں ''اللہ کے کلمہ'' سے اللہ کا فرمان: ﴿فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة 229:2) مراد ہے۔ بعض کے نزدیک ''کلمہ: لا إله إلا الله'' مراد ہے۔ ایک قول نکاح کے وقت ایجاب و قبول کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے اللہ کا فرمان: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النسآء 3:4) امام نووی رحمہ اللہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اس میں

دیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔[1] اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں ایسی مار لگا سکتے ہو جس سے نشان نہ پڑے اور نہ ہڈی ٹوٹے۔ اور تم پر انھیں حق یہ ہے کہ انھیں مناسب طریقے سے کھانا اور لباس مہیا کرو۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔[2] وہ چیز اللہ کی کتاب ہے۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا کہو گے؟''

سب سامعین نے عرض کی: ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے دین پہنچا دیا، امانت ادا کر دی اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے، پھر آپ نے اپنی تشہد والی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اور اس کے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''[3]

ایجاب وقبول بھی آ جاتے ہیں۔ (دیکھیے شرح النووي علی صحیح مسلم: 252/8)

[1] اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مرد یا عورتیں جنھیں تم اپنے گھر میں داخل کرنا پسند نہیں کرتے، انھیں تمھاری رضامندی کے بغیر گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔ اس سے مراد زنا وغیرہ نہیں کیونکہ وہ تو ہر حال میں حرام ہے، خاوند اسے ناپسند کرے یا نہ کرے۔ اس میں تو شرعی حد قائم ہے۔ (دیکھیے شرح النووي: 253/8)

[2] [قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ......] کے معنی ہیں: ''میں تمھارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے اپنے عقیدے اور عمل میں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی خطا نہ کھاؤ گے۔ اور وہ اللہ کی کتاب ہے جس کے قریب باطل پھٹک بھی نہیں سکتا۔ اس خطاب میں آپ نے اگرچہ سنت کا ذکر نہیں کیا، صرف قرآن کا ذکر کیا ہے جبکہ دین میں اصل الاصول قرآن ہی ہے۔ اور قرآن ہی نے سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ ...... فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ﴾ (النسآء 59:4) نیز اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ...... فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر 7:59) (دیکھیے فتح الملك المعبود: 20/2)۔ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کتاب اللہ اور سنت نبویہ پر عمل کی حدیث منقول ہے۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترغیب والترهیب: 125,124/1، حدیث: 40)

[3] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حدیث: 1218 مطولاً.

سامعین اتنی تعداد میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انھیں کوئی شمار نہیں کر سکتا تھا۔[1]

عرفہ میں جمعۃ المبارک کے دن نبیٔ کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔''[2]

اس امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دین مکمل کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو اس کے علاوہ نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے نہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی بنایا اور آپ کو سب انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیا۔ اب وہی چیز حلال رہے گی جسے آپ نے حلال قرار دیا اور وہ چیز قیامت تک حرام رہے گی جسے آپ نے حرام قرار دے دیا۔ وہی دین معتبر ہے جسے آپ نے مشروع اور جاری کیا۔ جو چیز آپ نے بتا دی وہی حق اور سچ ہے، نہ اس میں جھوٹ کا امکان ہے نہ غلطی کا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ﴾

''اور آپ کے رب کی بات صدق و عدل میں مکمل ہے۔''[3]

یعنی قرآنی خبریں بالکل سچی ہیں اور قرآنی اوامر و نواہی بالکل مناسب اور معتدل ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا تو امت مسلمہ پر اللہ کی نعمت پوری ہو گئی۔[4]

1 ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ 30 ہزار تھی۔ دیکھیے (فتح الملك المعبود: 105/2)

2 المآئدة 3:5 . صحيح البخاري، الإيمان، باب زيادة الإيمان و نقصانه، حديث: 45، وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث: 3017 . 3 الأنعام 115:6 .

4 تفسير ابن كثير: 465/2 .

ذکر کیا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا: ''آپ کیوں روتے ہیں؟'' وہ فرمانے لگے: ''رونے کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہمارا دین بڑھ رہا تھا۔ اب جبکہ یہ مکمل ہوگیا ہے تو کسی بھی چیز کی تکمیل کے بعد نقصان ہی کا خطرہ ہوتا ہے۔'' [1]

گویا انھیں یہ محسوس ہوگیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔

جمرات کے پاس الوداعی وصیتیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم نحر کو اونٹنی پر سوار رمی کرتے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے:

«لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ»

''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ میں اس حج کے بعد کوئی اور حج کر سکوں گا۔'' [2]

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ میں نے آپ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے اور اس سے واپس آتے دیکھا۔ آپ اپنی سواری پر تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت بلال اور اسامہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا:

«إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُّجَدَّعٌ أَسْوَدُ، يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ تَعَالٰى، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا»

1 دیکھیے تفسیر ابن کثیر: 466/2 . یہ روایت ضعیف ہے۔
2 صحیح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة......، حدیث: 1297 .

''اگر تم پر کوئی کالے رنگ کا، ناک کان کٹا غلام امیر بنا دیا جائے، تو اس کے احکام بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ کتاب اللہ کے مطابق تمھاری قیادت کرے۔''[1]

نحر کے دن کی الوداعی وصیتیں

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے اس کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ آپ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» ''جانتے ہو آج کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی صحیح جانتے ہیں۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ ہم نے سمجھا کہ آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا: «أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ؟» ''کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں؟'' ہم نے کہا: ''کیوں نہیں اللہ کے رسول!'' فرمایا: «فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے۔ ہم سمجھے کہ آپ اس ماہ کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا: «أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ؟» ''کیا یہ ذی الحجہ نہیں؟'' ہم نے کہا: ''کیوں نہیں، اللہ کے رسول!'' آپ نے فرمایا: «فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے پھر عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا، ہم یہ سمجھتے رہے کہ آپ اس شہر کا کوئی اور نام تجویز کرنے لگے ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا: «أَلَيْسَتِ الْبَلْدَةُ الْحَرَامُ؟» ''کیا یہ حرمت والا شہر (مکہ) نہیں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة......، حديث: 1298 .

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا ، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ ، فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا أَوْ ضُلَّالًا لَا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ» ثُمَّ انْكَفَأَ إِلٰى كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا .

''تو سن لو! تمھارے خون، تمھارے مال، تمھاری عزتیں اور تمھارے جسم ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم اس دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت کا خیال رکھتے ہو۔ یاد رکھو! تم اپنے رب کریم سے ملو گے، وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، لہٰذا میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ خبردار! تم میں سے ہر موجود شخص میری یہ باتیں غیر موجود (بعد میں آنے والے) لوگوں تک پہنچا دے۔ کبھی کبھی جسے بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھدار ہوتا ہے۔ سنو! کیا میں نے تم تک پورا دین پہنچا دیا؟'' پھر آپ اپنے دو خوبصورت چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ذبح کیا۔ [1]

[1] صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ : [رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ]، حديث: 67، 105، 1741، 4406، 5550، 7078، 7447، و صحيح مسلم، القسامة و المحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء......، حديث: 1679. [ثم انكفأ إلى كبشين أملحين فذبحهما] ''پھر آپ اپنے دو خوبصورت چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ذبح کیا۔'' یہ الفاظ حدیث کے راوی عبد اللہ بن عون کا وہم ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے شرح النووي: 246,245/11. نیز یہ الفاظ صحیح بخاری کے نہیں ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے، وہاں آپ نے دو چتکبرے مینڈھے ذبح کیے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ آپ کی امت کے لیے وصیت ہے کہ ”ہر موجود شخص غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے۔“[1]

ان تینوں سوالوں میں سے ہر سوال کے بعد آپ کا توقف فرمانا اس لیے تھا تاکہ حاضرین پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور انھیں پتہ چل جائے کہ آیندہ ہونے والی بات بہت اہم ہے۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم نحر کو جمرات کے درمیان ٹھہرے اور آپ نے فرمایا:

«هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ» وَطَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ : «اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ»

”یہ حج اکبر کا دن ہے۔“ پھر آپ فرمانے لگے: ”اے اللہ! گواہ رہنا۔“

اور آپ نے لوگوں کو رخصت کیا، اسی لیے لوگ اسے حجۃ الوداع کہنے لگے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے منیٰ میں تمام حاجیوں کے کان خوب کھول دیے۔ ان سب نے یوم نحر والا خطبہ صاف صاف سنا۔ یہ بھی آپ کا معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوتِ سماعت میں اتنی برکت پیدا کر دی کہ دور تک جہاں جہاں لوگ ٹھہرے ہوئے تھے انھوں نے بھی آپ کے ارشادات اسی طرح سنے جس طرح قریب موجود لوگوں نے سنے۔[4]

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور ہماری قوتِ سماعت اس قدر تیز ہو گئی کہ ہم اپنے اپنے خیموں میں آپ کے ارشادات سن رہے تھے۔“[5]

[1] ماخوذ از صحیح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: 1739. [2] فتح الباري: 159/1. [3] صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: 1742. [4] دیکھیے عون المعبود: 303/5. [5] سنن أبي داود، المناسك، باب ما يذكر الإمام في

ایامِ تشریق کے دوران میں وصیت

رسول اللہ ﷺ نے 12 ذی الحجہ کے دن بھی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس دن کو مکہ والے یوم الرؤوس کہتے تھے کیونکہ اس دن وہ قربانیوں کی سریاں کھاتے تھے۔ حضرت ابونجیح بکر قبیلے کے دو صحابہ سے بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ایامِ تشریق کے دوران میں (12 ذی الحجہ کو) خطاب فرماتے سنا۔ ہم آپ کی سواری کے پاس تھے یہ تقریباً وہی خطبہ تھا جو آپ نے اس سے پہلے یومِ نحر کو منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔[1]

حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے ایک ایسے صحابی نے بیان کیا، جنھوں نے ایامِ تشریق کے دوران کا خطبہ سنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَّإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَّلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى، أَبَلَّغْتُ؟» قَالُوا: بَلَّغَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قَالُوا: يَوْمٌ حَرَامٌ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» قَالُوا: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» قَالُوا: بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ: «فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ بَيْنَكُمْ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، (وَأَعْرَاضَكُمْ) كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَبَلَّغْتُ؟» قَالُوا: بَلَّغَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: «لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

’’اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے۔ تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ یاد رکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی کالے پر یا کسی کالے کو کسی

خطبته بمنى، حديث: 1957.

[1] دیکھیے عون المعبود: 301/5، وفتح الباري: 574/3.

سرخ پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟‘‘ لوگوں نے عرض کی: یقیناً پہنچا دیا، پھر آپ نے فرمایا: ’’یہ کون سا دن ہے؟‘‘ لوگوں نے کہا: حرمت والا دن ہے، پھر آپ نے فرمایا: ’’یہ کون سا مہینہ ہے؟‘‘ لوگوں نے کہا: حرمت والا مہینہ ہے، پھر آپ نے پوچھا: ’’یہ کون سا شہر ہے؟‘‘ لوگوں نے کہا: حرمت وعزت والا شہر (مکہ)۔ آپ نے فرمایا: ’’سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح قابل احترام قرار دی ہیں جس طرح اس دن کا احترام اس مہینے اور اس شہر میں۔ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟‘‘ لوگوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے ادائے امانت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ’’ہر موجود شخص ہر غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے۔‘‘ [1]

حجۃ الوداع کے موقع پر مقدس مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے کئی خطبات ہیں، مثلاً:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ بِأَنْ يُّعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ وَلٰكِنْ رَّضِيَ أَنْ يُّطَاعَ فِيمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِمَّا تُحَاقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَاحْذَرُوا يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا، كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ»

’’شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اب تمھارے اس علاقے میں اس کی عبادت ہو سکے لیکن اب وہ اس پر راضی ہے کہ دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں، جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو، اس کی اطاعت کی جائے، لہٰذا شیطان سے بچ کر

[1] مسند أحمد: 411/5 .

رہو۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: (1) اللہ کی کتاب (2) اور اس کے نبی کی سنت۔'' [1]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں اپنی جدعاء اونٹنی پر دورانِ خطبہ یہ ارشاد فرماتے سنا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَطِيعُوا رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ، وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ»

''اے لوگو! اپنے رب کی اطاعت کرو۔ پانچوں نمازیں پڑھو۔ اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو۔ ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' [2]

اس باب کے تحت مذکورہ احادیث سے چند احکام، فوائد اور اسباق حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ حج کے نتیجے میں جو لوگ مدینہ حاضر ہوئے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ میں بہت زیادہ لوگ پہنچ گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں حج ادا کرے۔''

② یومِ عرفہ میں زوالِ شمس کے بعد ہر حاجی کا (وادیٔ نمرہ) سے عرفات میں چلے جانا مستحب ہے۔

[1] المستدرك للحاكم: 93/1، حديث: 318، نیز دیکھیے صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان، حديث: 2812، و سنن ابن ماجه، المناسك، باب الخطبة يوم النحر، حديث: 3055، و مسند أحمد: 313/3، والمعجم الكبير للطبراني: 32,31/17، حديث: 58. [2] المستدرك للحاكم: 473/1، حديث: 1741.

③ عرفات میں امامِ حج کا لوگوں سے خطاب مستحب ہے۔ امام صاحب کو چاہیے کہ لوگوں کی ضرورت کے مطابق انھیں مسائل بتائیں، خصوصًا توحید اور اصول دین کی تعلیم دیں۔ شرک، بدعت اور معاصی سے ڈرائیں اور لوگوں کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین کریں۔ ثابت ہوا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تین خطبے ارشاد فرمائے: ''عرفہ کے دن، یومِ نحر اور 12 ذی الحجہ کو۔'' امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ 7 ذی الحجہ کو بھی امام خطبہ دے اور لوگوں کو اپنے خطبے میں اگلے خطبے تک کے ضروری احکام سے آگاہ کرے۔

④ خون، مال، عزت اور جسم انتہائی قابل احترام ہیں۔

⑤ کلام میں ضرب الامثال استعمال کی جا سکتی ہیں اور ملتے جلتے الفاظ بھی بولے جا سکتے ہیں جیسے: «كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا ، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا»

⑥ جاہلیت کے تمام کام باطل ہیں، خصوصاً سود حرام ہے اور جاہلیت کے مقتولوں کا کوئی قصاص نہیں۔

⑦ امام اور ہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اور پھر اپنے گھر والوں سے احکام کی پابندی کرنے کی ابتدا کرے۔ اس طرح اس کی بات زیادہ قبول ہوگی اور نومسلم اس سے مطمئن اور خوش ہوں گے۔

⑧ جو سود رسول اللہ ﷺ نے معاف کیا تھا وہ اصل مال سے زائد تھا، لہٰذا اصل مال مالک کو ملے گا۔

⑨ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔ اس مفہوم کی بہت سی احادیث آئی ہیں جن میں سے اکثر علامہ نووی رحمہ اللہ نے ریاض الصالحین میں جمع کی ہیں۔

(10) بیوی کا نان ونفقہ اور لباس خاوند پر واجب ہے۔ اگر بیوی قابل تعزیر کام کا ارتکاب کرے تو شرعی حدود و قیود کے مطابق اسے سزا دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس سزا سے کوئی خرابی لازم نہ آئے۔

(11) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی وصیت کی جائے۔

(12) آپ کا فرمان:

«لِتَأْخُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ»

''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو کیونکہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی حج نہ کر سکوں۔''

یہ امر کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہیں: خُذُوا مَنَا سِكَكُمْ صحیح مسلم کے سوا دیگر کتب میں یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جو افعال و اعمال وغیرہ مجھ سے حج میں صادر ہوئے ہیں، وہ سب حج کے کام ہیں اور یہی تمھارے لیے حج کی عبادات ہیں، انھیں مجھ سے سیکھ لو، قبول کر لو، یاد کر لو اور ان پر عمل کرو اور دیگر لوگوں کو بھی ان کی تعلیم دو۔ یہ حدیث حج کی عبادات کے سلسلے میں بہت اہم ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»

''تم نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''[1]

(13) رسول اللہ ﷺ کے ارشاد:

«لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ»

''شاید میں اس حج کے بعد کوئی اور حج نہ کر سکوں۔''

[1] صحيح البخاري الأذان، باب الأذان للمسافرين……، حديث:631 .

میں آپ کی وفات کے قریب ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے، گویا کہ آپ انھیں الوداع کہہ رہے ہیں۔ اسی بنا پر اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، مزید برآں اس سے حصولِ علم اور فرصت سے فائدہ اٹھانے کی تلقین مقصود ہے۔

14 علم کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ مبلّغ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ خود بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہو بلکہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں آنے والوں میں سے کوئی شخص بیان کرنے والے شخص سے زیادہ سمجھدار ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خطیب کو بلند جگہ پر کھڑے ہو کر خطاب کرنا چاہیے تاکہ وہ لوگوں کو اچھی طرح نظر آتا رہے اور انھیں اس کی آواز خوب سنائی دے۔

15 پہلے سامعین سے سوال کرنا، پھر کچھ سکوت کے بعد خود ہی جواب دینا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات نہایت اہم اور قابل توجہ ہے۔ اس طرح بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

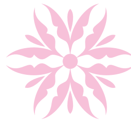
16 حاکم کی اطاعت ضروری ہے بشرطیکہ وہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت کرے۔ اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہو تو اسے نصیحت کی جائے اور حکیمانہ طریقے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جائے۔

17 اللہ تعالیٰ کی اطاعت، نماز، زکاۃ اور روزوں کی پابندی کا حکم کرتے رہنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تقویٰ کے علاوہ کسی اور امتیاز کی وجہ سے کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

18 لوگوں کا اپنے اپنے خیموں میں بیٹھے بیٹھے یومِ نحر کا خطبہ صاف سننا آپ کا ظاہر و باہر معجزہ ہے۔

19 قربانی، صحیح قول کے مطابق حاجی اور غیر حاجی سب کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے۔ حرم کو

لے جائے جانے والے جانور اس کے علاوہ ہیں۔ قربانی الگ سنت ہے کیونکہ نبیٔ کریم ﷺ نے منیٰ کے خطبے کے بعد دو چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان اونٹوں کے علاوہ تھے جو آپ حرم لے کر گئے تھے۔ ان میں سے کچھ آپ نے خود نحر (ذبح) کیے تھے اور کچھ میں حضرت علی کو شریک کر کے انھیں نحر (ذبح) کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]



[1] مذکورہ بالا مسئلے میں دو مینڈھے ذبح کرنے کا جو ذکر ہے، اول تو یہ راوی کا وہم ہے جیسے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ (شرح النووي: 245/11) دوسرا یہ کہ مینڈھے ذبح کرنے کا ذکر مدینے کا ہے، جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی ﷺ نے...... مدینہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر دو خوبصورت، چتکبرے، سینگوں والے مینڈھے ذبح کیے۔'' (دیکھیے صحیح البخاري، حدیث:1551، 1712-1714، و سنن النسائي، حدیث: 4390-4394) ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حج کے موقع پر آپ نے قربانی نہیں کی بلکہ یہ مدینہ ہی میں قربانی کا ذکر ہے، البتہ قربانی کے سنتِ مؤکدہ ہونے کے پیش نظر کوئی حاجی چاہے تو ھدی (حج کی قربانی) کے علاوہ اُضحیہ (عام قربانی) بھی کر سکتا ہے۔

باب:23

زندہ اور فوت شدہ لوگوں کو الوداع

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''زندگی کے آخری ایام میں آپ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی میری باری والی رات ہوتی، آپ رات کے آخری حصے میں مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد [1] کی طرف نکل جاتے اور فرماتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ! وَأَتَاكُمْ مَّا تُوعَدُونَ، غَدًا مُّؤَجَّلُونَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»

''اس جگہ بسنے والے مومن لوگو السلام علیکم! تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ چکا۔ ہمارے پاس بھی آنے والا ہے۔ ان شاء اللہ ہم بھی تمھارے پاس آنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع الغرقد والوں کو معاف کر دے۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي . . . فَقَالَ : إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ

---

[1] بقیع اہل مدینہ کا مدفن (قبرستان) ہے۔ اس کو بقیع الغرقد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس زمین میں غرقد (ایک کانٹے دار پودا) نامی پودے بکثرت پائے جاتے تھے۔ (شرح النووي علی مسلم: 41/7) ایک حدیث میں اسے شجر یہود بھی کہا گیا ہے۔ دیکھیے (صحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر......، حديث : 2922. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 974.

فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ» قَالَتْ : قُلْتُ : كَيْفَ أَقُولُ لَهُمْ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ : «قُولِي : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ! وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ»

''جبریل میرے پاس آئے......اور کہنے لگے: آپ کا رب کریم آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ قبرستان بقیع کے مدفون لوگوں کے پاس جائیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔'' حضرت عائشہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں قبرستان جاؤں تو کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہو: اے اس جگہ کے مدفون مسلمانو اور مومنو! تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ان لوگوں پر بھی رحم فرمائے جو پہلے فوت ہو چکے اور ان پر بھی جو پیچھے رہ گئے۔ ہم ـــ ان شاء اللہ ـــ تمھارے پاس آنے والے ہیں۔''[1]

حضرت امام اُبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ آپ کی آخری عمر کی بات ہے۔[2]

ویسے اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے تاہم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دراصل فوت شدگان کو الوداع کہنے گئے تھے جس طرح آپ شہدائے احد کے پاس بھی گئے تھے۔ اسی لیے آپ رات کے وقت جاتے اور بقیع میں کافی دیر تک کھڑے ہو کر دعا فرماتے رہتے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«. . . . ثُمَّ انْطَلَقْتُ عَلٰى إِثْرِهِ، حَتّٰى جَاءَ الْبَقِيعَ فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ انْحَرَفَ»

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور......، حديث:(103)-974 .
[2] دیکھیے شرح الأبي على صحيح مسلم:388/3، و فتح الباري:349/7 .

”...... پھر میں آپ کے پیچھے پیچھے گئی۔ آپ بقیع میں پہنچ گئے۔ اور بہت دیر کھڑے رہے، پھر آپ نے تین بار ہاتھ اٹھا کر دعا کی، پھر واپس تشریف لائے......۔“ [1]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء پر ایسے دعا مانگی جیسے میت کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ [2] یہ ان کی شہادت کے آٹھویں سال کی بات ہے۔ آپ نے ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جیسے آپ زندہ اور فوت شدہ سب لوگوں کو الوداع کہہ رہے ہیں، پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

«إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ لَّكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَإِنِّي وَاللهِ! لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِي الْآنَ مِنْ مَّقَامِي هٰذَا، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ - أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ - وَإِنِّي وَاللهِ! مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا [وَتَقْتَتِلُوا، فَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ]»

”میں تم سے پہلے تمھارا پیش رو بن کے جا رہا ہوں۔ میں تمھارے بارے میں گواہی دوں گا اور حوض پر تم سے ملاقات ہوگی۔ واللہ! میں اب بھی یہاں کھڑا اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں یا زمین کی چابیاں دے دی گئی

1 صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور، حديث:(103)-974 .

2 صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکے کے شہداء پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور مذکورہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے، جس طرح بقیع الغرقد والوں کے لیے الوداعی طور پر بخشش کی دعا کی، ایسے ہی شہدائے احد کے لیے بھی دعا کی۔ دیکھیے فتح الباري: 349/7،210/3، اور علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اپنی تعلیق (فتح الباری: 611/6) میں اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے [1] بلکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لینے لگو گے (اور ایک دوسرے کو قتل کرو گے نتیجتاً تم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔)''

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ میری نگاہ کا آخری نظارہ تھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیٹھے دیکھا۔'' [2]

ان روایات سے زندہ لوگوں کو الوداع کہنے کا صاف پتہ چلتا ہے کیونکہ احادیث میں صراحت ہے کہ یہ آپ کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے۔ جہاں تک فوت شدہ لوگوں کو الوداع کہنے کا تعلق ہے تو وہ اس طرح ہے کہ آپ اہل بقیع اور احد میں مدفون لوگوں کے لیے خصوصی طور پر دعاء و استغفار کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے بعد آپ ان کی زیارت کو نہ جا سکے۔ [3]

اس باب سے یہ احکام و فوائد معلوم ہوتے ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی فلاح کے بے حد آرزومند تھے، نیز اہل ایمان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے زبردست خیر خواہ تھے۔ اسی لیے آپ آٹھ سال بعد شہدائے احد کے لیے خصوصی طور پر دعا کرنے تشریف لے گئے اور اہل

---

[1] اس کا مفہوم یہ ہے کہ من حيث القوم پوری امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی بلکہ اگر کچھ لوگ شرک میں مبتلا ہوں گے تو ایک گروہ ضرور توحید پر قائم رہے گا اور اس کی طرف دعوت دے گا۔ اگرچہ امت کے بعض لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ دیکھیے فتح الباري: 211/3.

[2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حديث: 1344، 3596، 4042، 4085، 6426، 6590، وصحيح مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلی اللہ علیہ وسلم، حديث: 2296 . یہ الفاظ مذکورہ تمام احادیث کے ہیں، البتہ بریکٹ والے الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ [3] دیکھیے فتح الباري: 349/7 .

بقیع کے لیے وہاں جا کر دعائیں کرتے رہے۔ آپ نے زندہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کی، ہر خیر کی طرف ان کی رہنمائی کی، ہر شر سے ان کو ڈرایا اور بچانے کی کوشش کی۔

② دنیا کی رنگینی اور زیب و زینت عام ہو جائے تو گمراہی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، لہٰذا اس کے برے انجام سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس پر مطمئن ہو کر دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور دنیا کے حصول میں مقابلہ بازی سے اجتناب کرنا چاہیے بلکہ دنیا کے مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنا چاہیے۔ [1]



[1] دیکھیے فتح الباري: 245/11.

باب :24

مرض الوفات کی ابتدا اور ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم

رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ ہی میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لے آئے اور محرم اور صفر کے ایام میں مدینہ منورہ ہی میں تشریف فرما رہے۔ صفر کے آخر میں آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تیاری شروع کر دی۔ لوگ تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ پر مرض الوفات کے آثار ظاہر ہوئے۔ ابھی صفر کے چند دن باقی تھے۔ مرض کی ابتدا 22 صفر کو بعض کے نزدیک 29 صفر کو اور بعض حضرات کے نزدیک یکم ربیع الاول کو ہوئی۔ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے کہ آپ ان دنوں میں شہدائے احد کے لیے دعاء واستغفار کی غرض سے گئے۔ بقیع میں بھی گئے اور ان کے لیے الوداعی دعائیں فرمائیں۔

ایک دفعہ بقیع سے واپسی پر آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سر درد کی شکایت ہے۔ وہ بے کل ہو کر کہہ رہی تھیں: ''ہائے میرا سر!'' آپ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا وَاللهِ! يَا عَائِشَةُ! وَارَأْسَاهُ» قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: ثُمَّ قَالَ: «وَمَا ضَرَّكِ لَوْ مِتِّ قَبْلِي فَقُمْتُ عَلَيْكِ [فَغَسَّلْتُكِ] وَكَفَّنْتُكِ، وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ، وَدَفَنْتُكِ»

''عائشہ! تیرے سر کو کچھ نہیں ہوگا، میرے سر کی فکر کر۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے مزید فرمایا: ''بالفرض تو مجھ سے پہلے مر بھی گئی تو تجھے کیا نقصان ہے؟ میں تیرا سارا کام سرانجام دوں گا۔ [تجھے غسل دوں گا] کفناؤں گا، جنازہ

پڑھوں گا اور دفن کروں گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خفگی سے کہنے لگیں: اللہ کی قسم! مجھے یوں لگتا ہے کہ اگر ایسا ہو گیا تو آپ مجھے دفن کرنے کے بعد واپس آ کر اپنی کسی نہ کسی بیوی کے ساتھ میرے گھر میں شب بسری کریں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔

اسی طرح آہستہ آہستہ آپ کی تکلیف بڑھتی گئی، آپ اسی حالت میں اپنی بیویوں کے گھروں میں جاتے رہے حتی کہ آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا۔ اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کو بلایا اور ان سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ میں بیماری کے دن عائشہ کے گھر گزارنا چاہتا ہوں۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی۔[1]

رسول اللہ ﷺ پر بیماری کی شدت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔ آپ نے تمام بیویوں سے حضرت عائشہ کے گھر بیماری کے ایام گزارنے کی اجازت مانگی۔[2] چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب اللہ کے رسول ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت طلب کی کہ بیماری کے دن میرے گھر میں بسر کریں۔ سب نے اجازت دے دی۔ ایک دن آپ نماز کے لیے اس حالت میں گئے کہ دو آدمیوں نے آپ کو سہارا دے رکھا تھا، پھر بھی آپ کے مبارک پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے اور آپ پاؤں اٹھا کر رکھنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ ایک طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، دوسری طرف کوئی اور شخص۔"[3]

---

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل الرجل امرأته......، حديث:1465، و مسند أحمد:228/6، والسيرة النبوية لابن هشام:292/4، واللفظ له. [2] دیکھیے صحیح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث:(91)-418، وفتح الباري:129/8.

[3] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حدیث ◀◀

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: جب آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ میرے گھر میں منتقل ہو گئے۔ ایک دن آپ نے فرمایا:

«هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَّمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ»، فَأَجْلَسْنَاهُ فِي مِخْضَبٍ لِّحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا بِيَدِهِ أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ فَصَلّٰى بِهِمْ وَخَطَبَهُمْ»

''مجھ پر سات (کنووں کے پانی کے سات) مشکیزوں کا پانی بہایا جائے، ان مشکیزوں کا منہ کھولا نہ گیا ہو (اس پانی کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو) شاید میں لوگوں سے خطاب کر سکوں۔'' ہم نے آپ کو ایک ٹب میں بٹھا دیا جو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا، پھر ہم ان مشکیزوں کا پانی آپ پر بہانے لگے حتی کہ آپ نے اشارہ فرمانا شروع کر دیا کہ بس کرو بہت ہو چکا، پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ لوگوں کو نماز پڑھائی اور ان سے خطاب بھی فرمایا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک اور روایت یوں ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی (حتی کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد) آپ نے پوچھا:

«أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا: لَا، يَارَسُولَ اللهِ! وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ، فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ ﷺ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟»

◀◀ کے آخر میں بیان ہے۔

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، حديث:4442، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث: 418.

قُلْنَا : لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ : «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ : فَفَعَلْنَا فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ ، فَقَالَ : «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا : لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ! فَقَالَ : «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» [فَفَعَلْنَا] فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ ، فَقَالَ : «أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا : لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ!

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔'' ہم نے پانی ڈالا۔ آپ نے غسل کیا، پھر (نماز کو جانے کے لیے) اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے تو دریافت فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''نہیں! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اے اللہ کی رسول!'' فرمایا: ''میرے لیے پھر ٹب میں پانی ڈالو۔'' [ہم نے حکم کی تعمیل کی۔] آپ نے ٹب میں بیٹھ کر غسل کیا، پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد حوش و حواس بحال ہوئے تو دریافت فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''نہیں! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اے اللہ کے رسول!'' فرمایا: ''اچھا میرے لیے ٹب میں پانی ڈالو۔'' [ہم نے تعمیل کی۔] آپ نے پھر بیٹھ کر غسل کیا لیکن جب اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، خاصی دیر بعد ہوش میں آئے تو دریافت فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے عرض کی: ''نہیں! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اے اللہ کے رسول!''

لوگ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لیے آپ کے منتظر تھے۔ آپ نے حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ انھیں قاصد نے پیغام پہنچایا کہ اللہ کے رسول آپ کو نماز پڑھانے کا کہہ رہے ہیں تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: عمر! تم لوگوں کو نماز پڑھا دو۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر بہت نرم دل تھے بات بات پر آنسو بہنے لگتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (نہیں!) آپ ہی اس منصب کے حقدار ہیں۔'' چنانچہ ان دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے، پھر ایک دن آپ نے اپنی طبیعت کو ہلکا محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے تشریف لے چلے۔ یہ ظہر کی نماز کی بات ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ نے سہارا دینے والوں سے فرمایا:

«أَجْلِسَانِي إِلٰى جَنْبِهِ»

''مجھے ابوبکر کے برابر پہلو میں بٹھا دیں۔''

انھوں نے آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ حضرت ابوبکر کھڑے کھڑے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے جبکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔''[1]

یہ روایت صراحتاً بتا رہی ہے کہ یہ ظہر کی نماز کا واقعہ ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، حديث: 687، و صحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام، ......، حديث: 418 . [2] بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی۔ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے قراءت شروع کی جہاں تک ابوبکر پہنچ چکے تھے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ لیکن اس سے استدلال قوی نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ نے وہ آیت سن لی ہو جہاں وہ پہنچ چکے تھے۔ ◄◄

آپ کی خواہش تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی امام بنیں، اس لیے بار بار یہی حکم ارشاد فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بیمار ہو گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے لیے بلانے آئے۔ آپ نے فرمایا:

«مُرُوا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»

''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

میں نے کہا: ''اللہ کے رسول! ابوبکر بہت نرم دل شخص ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے ان کی آواز ہی نہیں نکلے گی، لہٰذا اگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں؟'' آپ نے فرمایا:

«مُرُوا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»

''(نہیں) ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

◀◀ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو سری نماز میں کوئی کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیا کرتے تھے۔ اگر یہ استدلال مان بھی لیا جائے تب بھی ضروری نہیں کہ یہ صبح ہی کی نماز ہو بلکہ یہ مغرب کی نماز بھی ہوسکتی ہے کیونکہ صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴾ پڑھتے سنا۔ اس کے بعد آپ نے وفات تک ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 763) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے نسائی میں روایت دیکھی ہے کہ یہ نماز جس کا اُم فضل نے ذکر کیا ہے، آپ نے گھر میں پڑھائی تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں مسجد کے اندر آ کر صرف ایک نماز پڑھی تھی۔ جس میں آپ بیٹھے تھے اور ابوبکر پہلے امام تھے، پھر وہ مقتدی بن گئے اور لوگوں کو آپ کی تکبیر سنانے لگے۔'' (دیکھیے فتح الباري: 175/2)۔ حضرت الحافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اس روایت (سنن ابن ماجہ) میں قراءت، صلاۃ (نماز) کے معنی میں ہے، یعنی آپ نے نئے سرے سے نماز شروع نہیں کروائی۔ یہ توجیہ بہت مناسب ہے۔ (مترجم)

میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم بھی رسول اللہ سے کہو کہ ابوبکر بہت نرم دل ہیں۔ وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو ان کی آواز سنائی نہ دے سکے گی، لہٰذا اگر آپ حضرت عمر کو حکم فرمائیں؟'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غصے سے) فرمایا:

«إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»

''تم تو یوسف کو پھسلانے والی عورتوں کی طرح (مجھے صحیح بات سے ہٹانے کی کوشش کر رہی) ہو۔ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

حفصہ مجھ سے کہنے لگیں: عائشہ! تم سے مجھے کبھی خیر حاصل نہ ہوگی۔ خیر! لوگوں نے حضرت ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لیے کہا اور وہ نماز پڑھانے لگے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے ابھی نماز شروع ہی کرائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبیعت اچھی معلوم ہونے لگی۔ آپ دو آدمیوں کے سہارے اٹھے اور مسجد چل دیے۔ لیکن آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے۔ آپ مسجد میں پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ فرمایا: «قُمْ مَكَانَكَ» ''اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تکرار کی وجہ خود بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام......، حديث:731، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث: 418، بریکٹ والے الفاظ صحيح البخاري، الأذان، باب أهل العلم و الفضل أحق بالإمامة، حديث:679 کے ہیں۔

«لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ، وَمَا حَمَلَنِي عَلٰى كَثْرَةِ مُرَاجَعَتِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي قَلْبِي أَنْ يُّحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهُ رَجُلًا قَامَ مَقَامَهُ أَبَدًا وَّلَا كُنْتُ أَرٰى أَنَّهُ لَنْ يَّقُومَ أَحَدٌ مَّقَامَهُ إِلَّا تَشَاءَمَ النَّاسُ بِهِ، فَأَرَدْتُّ أَنْ يَّعْدِلَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَبِي بَكْرٍ»

''اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میری بار بار تکرار کی وجہ دراصل میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام بنے گا لوگ اس سے محبت نہیں کریں گے بلکہ اسے منحوس سمجھیں گے (کیونکہ اس کے دور میں رسول اللہ ﷺ کے دور جیسی برکت نہیں رہے گی) اس لیے میں چاہتی تھی کہ آپ اپنی نیابت حضرت ابوبکر کے بجائے کسی اور کے سپرد کریں۔''[1]

حضرت عائشہ کا یہ منشا سمجھ میں آجانے کی وجہ ہی سے آپ نے انھیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا تھا:

«إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ»

''تم تو یوسف علیہ السلام کو پھسلانے والی عورتوں کی طرح (مجھے بھی صحیح بات سے پھسلانے کی کوشش کر رہی) ہو۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے مقرر کرنا دین اسلام کا مشہور اور مُسلّم واقعہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے اور سب سے بڑے قاری بھی کیونکہ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4445، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام……، حديث: 418. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام……، حديث: 713، و صحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام……، حديث: 418 مطولاً.

فرمانِ رسول ہے:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ»

''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں قرآن سب سے زیادہ جانتا ہو...... ۔''[1]

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں امامت سے متعلقہ تمام وہ صفات موجود تھیں (جو اس حدیث میں آئی ہیں۔)''[2]

اس باب سے حاصل ہونے والے احکام، اسباق اور فوائد بہت ہیں، مثلاً:

① شہدائے احد اور بقیع والوں کی قبروں کی زیارت اور ان کے لیے دعا مستحب ہے بشرطیکہ خاص اس مقصد کے لیے دور دراز کا سفر اور بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

② مرد اپنی بیوی اور عورت اپنے خاوند کی وفات پر غسل دے سکتے اور کفن دفن کر سکتے ہیں۔

③ اگر متعدد بیویوں کے خاوند کے لیے بیماری کے دنوں میں ہر بیوی کے گھر جانا مشکل ہو تو وہ کسی ایک بیوی کے گھر ایام مرض گزارنے کے لیے دیگر بیویوں سے اجازت طلب کرے۔ ان کی طرف سے اجازت نہ ملے تو وہ ان کے درمیان قرعہ ڈال لے۔

④ انبیائے کرام علیہم السلام پر بیماری یا بے ہوشی طاری ہوسکتی ہے لیکن جنون طاری نہیں ہوتا کیونکہ یہ نقص اور عیب ہے۔ انبیائے کرام کی بیماری کی حکمت ان کے درجات کی بلندی

---

[1] ماخوذ از صحیح مسلم، المساجد، باب من أحق با لإمامة؟ حدیث: 673 . [2] امام بیہقی نے دلائل النبوة (192/7) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے: ''آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں پڑھی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی اس وقت آپ نے اپنے جسدِ اطہر پر صرف ایک چادر لپیٹ رکھی تھی۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البداية والنهاية: 234/5 میں فرمایا ہے: ''یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔'' لیکن علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سوا کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ میں کہتا ہوں کہ جو نماز آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھی تھی اس میں آپ خود امام تھے جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے۔

اور ثواب کی بہتات ہے۔ اس سے بیمار لوگوں کو حوصلہ اور تسلی ہو گی اور لوگ ان کی عبادت سے بچ جائیں گے کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ انبیاء اس قدر عظیم معجزات کے حامل ہونے کے باوجود خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی ومنشا پر راضی ہیں، لہٰذا ان کی عبادت کیونکر کی جاسکتی ہے؟

5. بے ہوشی طاری ہونے پر غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ غسل سے چستی پیدا ہوتی ہے اور جسم کی حرارت کم ہو جاتی ہے۔

6. اگر امام کو کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ انتظار بہت زیادہ ہو جائے تو حاضرین میں سے زیادہ عالم شخص جماعت کرائے۔

7. حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ نیز اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی خلیفہ کے انتخاب کے وقت یہی کہا تھا: ''ہم اپنی دنیا کے لیے بھی اسی شخصیت کو پسند کرتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین، یعنی امامتِ نماز کے لیے پسند فرمایا۔''

8. جب امام کو کوئی رکاوٹ یا مصروفیت پیش آ جائے جس کی بنا پر وہ مسجد میں آنے سے معذور ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کسی افضل اور عالم شخص کو امامت کے لیے مقرر کر دے۔

9. حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی صاحب فضیلت شخص تھے، تبھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں امامت کے لیے کہا تھا۔

10. اگر کسی شخص کے تکبر وغرور میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے منہ پر بھی اس کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ آپ ہی امامت کے حقدار ہیں۔

11. جب عہدے اور ذمہ داری قبول کرنے کے اہل دیگر افراد ہوں تو صاحب فضیلت لوگوں کو چاہیے کہ وہ عہدوں اور ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

(12) اگر کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا جائے تو وہ کسی دوسرے معتبر اور ثقہ شخص کو امامت کے لیے کہہ سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تھا: ''آپ نماز پڑھائیں۔''

(13) نماز انتہائی اہم عبادت ہے جس کے بارے میں سوال ہوگا۔

(14) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود ازواجِ مطہرات میں سے افضل تھیں۔ اس وقت ازواجِ مطہرات نو تھیں۔

(15) حاکم اور صاحبِ اختیار کو مناسب انداز میں مشورہ دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور یہ مشورہ بھی اچھے انداز اور حکمت کے ساتھ دیا جائے۔

(16) کسی ضرورت یا فائدے کے لیے امام کے ساتھ کوئی شخص کھڑا ہو سکتا ہے، مثلاً: مقتدیوں کو تکبیر سنانے کے لیے جبکہ مجمع بہت بڑا ہو اور لوگوں کو امام کی آواز سنائی نہ دیتی ہو یا جگہ کی تنگی ہو یا عورت عورتوں کی جماعت کرا رہی ہو یا مقتدی ایک ہو۔

(17) اگر لوگوں کو امام کی آواز سنائی نہ دیتی ہو تو کوئی مکبر بلند آواز سے لوگوں تک تکبیر پہنچا سکتا ہے۔

(18) اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت میں حاضری کے لیے انتہائی کوشش ہونی چاہیے الا یہ کہ حاضری ممکن ہی نہ ہو۔

(19) زیادہ علم و فضل والا شخص ایک عام عالم فاضل شخص کی نسبت امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

(20) امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو لوگ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو لوگ بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

(21) اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نماز میں رونا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ رونا تکلفاً نہ ہو، بلا اختیار رونا آ جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ یہ مستحسن بات ہے۔[1]

[1] فتح الباري: 153/2، و شرح النووي: 137/4.

باب: 25

رسول اللہ ﷺ کا آخری عظیم الشان خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ (بلکہ چار) دن پہلے جمعرات کے دن خصوصی خطاب فرمایا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ پر خصوصی فضیلت بیان فرمائی۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے انھیں صحابہ کی امامت کے لیے نامزد بھی کر چکے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا یہ خطبہ اس تحریر کے قائم مقام ہو جو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں لکھوانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے خطبے سے پہلے غسل فرمایا۔ سات کے عدد کو بابرکت سمجھتے ہوئے سات مشکیزوں سے آپ پر پانی بہایا گیا جن کو کسی نے نہیں کھولا تھا۔ ایسا شفا کے نقطہ نظر سے کیا گیا جیسا کہ احادیث میں ذکر ہے۔[1] خیر! آپ غسل کرنے کے بعد مسجد میں تشریف لائے، لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر ان سے خطاب فرمایا۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے پانچ دن پہلے فرماتے سنا:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَّكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَّاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا! وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَّسَاجِدَ، أَلَا! فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ

[1] دیکھیے البداية والنهاية: 201/5.

مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

''میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس سے اعلانِ براءت کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل [1] بنا رکھا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا۔ اگر امت میں سے میرا کوئی خلیل ہوتا تو وہ ابوبکر ہوتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء وصلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تمھیں (سختی سے) اس سے روکتا ہوں۔'' [2]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

«إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ أَنْ يُّؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ»

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے، چاہے تو اسے دنیا کی زیب و زینت عطا کی جائے اور چاہے تو وہ اپنے اللہ کے پاس چلا جائے۔ اس بندے نے اللہ کے پاس جانا پسند کر لیا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے: ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں تعجب ہوا۔ لوگ کہنے لگے: ان بزرگوار کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک

---

[1] ''خُلَّت'' دراصل ایسی محبت اور دوستی کو کہتے ہیں جو دل کی گہرائیوں تک ہو اور یہ خالص محبت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اس لحاظ سے ''خلیل'' کے معنی ہوں گے ''سچا محبّ'' آپ کی محبت چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تھی، اس میں کسی کی شراکت نہیں تھی، اسی لیے آپ نے یہ فرمایا: ''میرا خلیل اللہ ہے۔'' (النهاية في غريب الحديث:72/2)

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي، باب قول النبي ﷺ:[لو كنت متخذا خليلا]، حديث:3656، وكتاب الصلاة، باب الصلاة في البيعة، حديث: 434-436، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، حديث:532، واللفظ له.

آدمی کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت میں اختیار دیا تو اس نے آخرت کو ترجیح دی ہے اور یہ بزرگ رو رہے ہیں اور اپنے والدین کو آپ پر فدا کر رہے ہیں؟!

اصل بات یہ تھی کہ حضرت ابوبکر سمجھ گئے تھے کہ یہ بندہ آپ خود ہیں مگر ہم نہ سمجھ سکے، وہ ہم میں سے بہت سمجھدار تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! لَا تَبْكِ، إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُوبَكْرٍ، وَّلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِّنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَّلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ».

''ابوبکر! مت رو۔'' (پھر فرمانے لگے:) ''میرا ساتھ دینے اور مجھ پر مال خرچ کرنے میں ابوبکر کا احسان سب سے زیادہ ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلامی پیار محبت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کسی کا دروازہ کھلا نہ رہنے دیا جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔''[1]

ارشاد بالا سے یہ احکام وفوائد اور اسباق حاصل ہوتے ہیں:

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا باقی تمام دروازے بند کرنے کے نبوی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی خلیفہ ہوں گے۔

② یہ روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر واضح دلیل ہے، نیز یہ کہ وہ صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے کیونکہ جو شخص زیادہ سمجھدار ہو اسے بڑا عالم کہا جا سکتا ہے۔ مزید

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، حديث: 466، 3904، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث:2382.

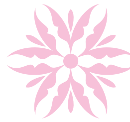
برآں ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

③ اس حدیث میں یہ تلقین وترغیب بھی پائی جاتی ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے اور دنیا میں رہنے کی خواہش بھی آخرت میں درجات ہی کی بلندی کی خاطر ہونی چاہیے کیونکہ دنیا میں رہنے سے نیکیاں بڑھ سکتی ہیں۔

④ احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کی فضیلت و نیکی اور خوبی کی تشہیر اور اس کی تعریف کرنی چاہیے کیونکہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا۔

⑤ قبروں پر مسجدیں بنانا یا مسجدوں میں قبریں بنانا منع ہے۔ اسی طرح مسجدوں میں تصویریں بنانا اور رکھنا بھی منع ہے جو شخص اس میں سے کوئی کام کرے وہ ملعون ہے اور مخلوق میں سے بدترین شخص ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔[1]

⑥ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے والدین اور اولاد حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت رکھتے تھے، اسی لیے وہ آپ پر اپنے آپ کو اور اپنے والدین کو فدا کرتے تھے۔



[1] دیکھیے فتح الباري:1/559، 7/14-16، و شرح النووي: 5/16 .

باب: 26

مرض کی شدت اور آخری وصیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو جاتے تھے تو معوذات (قرآن مجید کی آخری تین سورتیں) پڑھ کر اپنے جسم پر پھونکا کرتے تھے۔ جب آپ کا مرضِ وفات شدت اختیار کر گیا تو میں یہی سورتیں پڑھ کر آپ کے جسد اطہر پر پھونکا کرتی تھی مگر آپ کے جسم پر آپ ہی کا ہاتھ پھیرا کرتی تھی کیونکہ وہ متبرک تھا۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''آپ یہ سورتیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکا کرتے تھے، پھر دست مبارک چہرۂ انور پر پھیر لیتے تھے۔''[1]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار پڑ جاتا تو آپ اسے معوذات (آخری تینوں ''قل'') پڑھ کر دم کرتے تھے۔ جب آپ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو میں یہی سورتیں پڑھ کر پھونکتی مگر آپ ہی کا دستِ مبارک تھام کر آپ کے جسدِ اطہر پر پھیرتی

[1] صحيح البخاري، الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات، حديث: 5735، و باب المرأة ترقي الرجل، حديث:5751. آپ یہی عمل سوتے وقت بھی دہرایا کرتے تھے۔ تین سورتیں: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکتے اور ہاتھوں کو چہرۂ مبارک اور جسم کے جس حصے تک بھی ہاتھ پہنچ سکتے تھے پھیرتے تھے۔ آپ یہ عمل تین دفعہ دہراتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث:5748)

جاتی تھی کیونکہ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ کی نسبت انتہائی بابرکت تھا۔‘‘ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں: ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات آپ کے اردگرد جمع تھیں اور کوئی بھی ان میں واپس نہیں گئی تھی۔ اتنے میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔ ان کی چال بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال جیسی تھی۔ آپ نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِابْنَتِي» ’’میری بیٹی کو خوش آمدید۔‘‘ پھر آپ نے انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا، پھر آپ نے ان سے سرگوشی میں کوئی بات ارشاد فرمائی جسے سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، پھر آپ نے ان سے کوئی اور خفیہ بات کی جس سے وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے پوچھا: ’’کیا بات ہے کیوں روئی ہو؟‘‘ وہ بولیں: ’’میں (اپنے پدر عالی قدر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کر سکتی۔‘‘ میں نے ان سے کہا: ’’میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کوئی بیک وقت خوشی اور غمی کے اس قدر قریب ہو جس قدر تم ہو۔ یہ کتنے بڑے اور کس قدر منفرد اعزاز کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھوڑ کر صرف تمھی سے خصوصی بات کی ہے مگر تم پھر بھی روتی ہو؟‘‘ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہنے لگیں: ’’کچھ بھی ہو، میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔‘‘

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں نے فاطمہ سے کہا: ’’میں تمھیں اس حق کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں جو مجھے تم پر حاصل ہے کہ ضرور بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا تھا؟‘‘ وہ کہنے لگیں: ’’ہاں! اب بتا سکتی ہوں۔ آپ نے پہلی مرتبہ چپکے سے فرمایا تھا:

«أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَّرَّةً وَّإِنَّهُ قَدْ عَارَضَهُ بِهِ فِي الْعَامِ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أُرَانِي إِلَّا قَدْ حَضَرَ أَجَلِي فَاتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي، فَإِنَّهُ نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ» قَالَتْ: فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ، فَلَمَّا

[1] صحيح مسلم، السلام، باب رقية المريض، حديث: 2192.

رَأٰى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: «[يَا فَاطِمَةُ! أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟]»

جبریل علیہ السلام میرے ساتھ ہر سال قرآن کا دور ایک دفعہ کیا کرتے تھے مگر اس سال انھوں نے دو دفعہ دور کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب میری موت کا وقت آ پہنچا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے بہترین پیش رو ثابت ہوں گا۔'' یہ سن کر مجھے رونا آ گیا جو آپ نے بھی دیکھا تھا اور جب آپ نے میرا غم اور پریشانی محسوس کی تو میرے کان میں فرمایا: ''فاطمہ! تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں یا اس امت کی مومن عورتوں کی سردار ہو گی؟''[1]

ایک روایت میں ہے:

«فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ مَنْ يَتْبَعُهُ مِنْ أَهْلِهِ فَضَحِكْتُ»

''آپ نے مجھے بتایا کہ میرے اہل خانہ میں سے تم سب سے پہلے میرے پیچھے آؤ گی تو میں خوش ہو گئی اور ہنسنے لگی۔''[2]

معلوم ہوا ان کی ہنسی اور خوشی کا سبب یہ تھا کہ وہ مومن عورتوں کی سردار ہوں گی اور وہ گھر والوں میں سب سے پہلے آپ سے جا ملیں گی۔ اور ان کے رونے کا سبب آپ کی وفات کی اطلاع تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کی ہنسی کے سبب میں دو باتیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ وہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور دوسری یہ کہ

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب من ناجى بين يدي الناس......، حديث:6286,6285، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها، حديث: (99)-2450 بریکٹ والے الفاظ صحیح مسلم، حدیث:(98)-2450 کے ہیں۔ [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها......، حديث:2450.

آپ کے اہل خانہ میں سب سے پہلے وفات پا جائیں گی۔" اہل علم کا اتفاق ہے کہ اہل بیت میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ»

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو جتنی شدید تکلیف میں مبتلا دیکھا ہے کسی اور کو نہیں دیکھا۔" [2] (آپ کو انتہائی تیز بخار ہوتا تھا، عام لوگ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو بخار تھا۔ میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو عرض کی: "اللہ کے رسول! آپ کو تو بڑا سخت بخار ہے۔" آپ نے فرمایا:

«أَجَلْ! إِنِّي أُوْعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلاَنِ مِنْكُمْ» . . . فَقُلْتُ: ذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَجَلْ» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «[ذٰلِكَ كَذٰلِكَ] مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّصِيبُهُ أَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ [شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا] إِلَّا حَطَّ اللهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا»

"ہاں ہاں! مجھے دو آدمیوں کے برابر تپ چڑھتا ہے۔" ...... میں نے عرض کی: یہ اس لیے کہ آپ کو ثواب بھی دگنا ملے گا۔ فرمایا: "[ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے۔] کسی مسلمان کو کوئی بھی تکلیف بیماری وغیرہ پہنچے، [چاہے کانٹا ہی چبھے] اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو ایسے معاف کر دیتا ہے جس طرح درخت کے

[1] دیکھیے فتح الباري: 136/8 . [2] صحيح البخاري، المرض، باب شدة المرض، حديث: 5646، و صحيح مسلم، البر و الصلة، باب ثواب المؤمن......، حديث: 2570 .

پتے گرتے ہیں۔'' [1]

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنی چادر چہرۂ انور پر ڈال لیتے، جب گھبراہٹ ہوتی تو اسے چہرے سے ہٹا دیتے، اسی اضطراب میں آپ یہ بھی فرما رہے تھے:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

''یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

آپ کے اس ارشاد گرامی کا مقصد اپنی امت کو اس کام سے روکنا اور خبردار کرنا تھا۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران میں آپ کے سامنے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ اس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب ان میں کوئی نیک شخص فوت ہو جاتا تو اس کی

---

[1] صحيح البخاري، المرضى، باب وضع اليد على المريض، حديث:5660، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن......، حديث:2571 . بریکٹ والے الفاظ صحيح البخاري، حديث:5648 کے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب:51، حديث435, 436، و صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث:531 .

قبر پر عبادت گاہ بنا دیتے تھے اور اس میں ان کی تصویریں بھی بنا دیتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔“ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بیماری میں جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

”اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔“

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو [صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی قبر مبارک گھر سے باہر بناتے] مگر اس صورت میں یہی خطرہ تھا کہ مبادا وہ سجدہ گاہ بن جائے۔“ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا ، وَّلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا ، وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»

”اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید (میلہ گاہ) بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمھارا درود مجھ تک پہنچتا رہے گا۔“ [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب آپ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ پر غشی سی طاری

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية……، حديث: 427، و صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد ……، حديث: 528.

[2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ، حديث: 1390، و صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد……، حديث: 529. بریکٹ والے الفاظ صحيح البخاري، حديث: 1330 کے ہیں۔ [3] سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، حديث: 2042، و مسند أحمد: 367/2.

ہونے لگی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرطِ غم سے پکاریں:

«وَا كَرْبَ أَبَاهُ!» فَقَالَ لَهَا : «لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ» فَلَمَّا مَاتَ، قَالَتْ: «يَا أَبَتَاهُ! أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ، يَا أَبَتَاهُ! مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ، يَا أَبَتَاهُ! إِلٰى جِبْرِيلَ نَنْعَاهُ!» فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ: «يَاأَنَسُ! أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ التُّرَابَ؟»

''ہائے میرے ابا جان کی تکلیف!'' آپ نے فرمایا: ''آج کے بعد تمھارے باپ پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔'' جب آپ فوت ہو گئے تو وہ کہنے لگیں: ''ہائے میرے ابا جان! جنھوں نے اپنے رب کریم کے بلاوے پر لبیک کہا۔ ہائے میرے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفروس بن گیا۔ ہائے میرے ابا جان! ہم آپ کی موت کی اطلاع جبریل کو دیتے ہیں۔'' جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اے انس! کیا تمھارے دلوں نے گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو مٹی میں چھپا دو؟''[1]

اس باب سے چند نتائج اور احکام وفوائد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

① قرآنی الفاظ اور دیگر اوراد واذکار کا دم کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ آخری تین سورتوں کا دم اس لیے کیا جاتا ہے کہ ان میں تمام موذی چیزوں کو اجمالاً اور تفصیلاً بیان کر کے ان سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے، مثلاً: ان میں پہلے اللہ تعالیٰ کی (پیدا کردہ) ہر مخلوق کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے، پھر الگ الگ طور پر گرہوں پر پھونکیں مارنے والی جادوگر عورتوں، حسد کرنے والوں اور وسوسہ ڈال کر

1 صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4462 .

پیچھے ہٹ جانے والے شیطانوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

② نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی۔ تبھی تو آپ نے ان کے آنے پر انھیں خوش آمدید کہا تھا۔

دیگر احادیث میں مذکور ہے کہ جب وہ آپ کے ہاں آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، انھیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی آپ کے استقبال کے لیے ایسا ہی کرتیں۔ جب آپ بیمار ہوئے تو وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ کے سینہ مبارک پر جھک کر آپ کو بوسے دینے لگیں۔ [1]

③ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بیٹیوں کو اہمیت دینی چاہیے، ان کے ساتھ کمال شفقت و رحمت اور حسن سلوک کیا جائے، ان کی تربیت اسلامی اصول کے مطابق کی جائے اور ان کے لیے نیک اور موزوں خاوند کا انتخاب کیا جائے۔

④ اولاد کو اپنے والدین سے محبت کرنی چاہیے جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے۔ اولاد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے، ان کی فرماں برداری کرے اور ان کی نافرمانی کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب کو دعوت نہ دے۔

⑤ اس روایت سے نبیٔ کریم ﷺ کا ایک معجزہ بھی ثابت ہوا جو آپ کی نبوت کی زبردست دلیل ہے، یعنی آپ نے پہلے ہی بتا دیا کہ میرے خاندان میں سے فاطمہ سب سے پہلے مجھ سے ملے گی، پھر واقعی ایسا ہوا۔ اہل بیت میں وہی سب سے

1 ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3623، و سنن أبي داود، الأدب، باب في القيام، حديث: 5217، و جامع الترمذي، المناقب، باب ما جاء في فضل فاطمة......، حديث: 3872.

پہلے فوت ہوئیں۔

⑥ مومن کو سفر آخرت کی خوشی ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے پیش نظر دنیا کے مقابلے میں آخرت سے زیادہ محبت کرنی چاہیے، البتہ کسی بیماری یا تکلیف کی بنا پر موت کی خواہش کرنا درست نہیں بلکہ اعمال صالح کی کثرت کی خواہش ہونی چاہیے کیونکہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں علاوہ تین اعمال کے جن کی تفصیل حدیث میں وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔

⑦ جب کسی مریض کو اپنی موت قریب نظر آئے تو وہ اپنے متعلقین کو صبر کی نصیحت و وصیت کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي»

''اللہ سے ڈرنا اور صبر سے کام لینا۔''

⑧ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی صاحب فضیلت اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

⑨ مریض اللہ تعالیٰ سے اپنی بیماری کے بدلے ثواب کا طالب ہو تو مرض کی بنا پر اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، درجات بلند ہوتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، چاہے کوئی بیماری ہو، مصیبت ہو یا غم و فکر ہو اور اس کی تکلیف چاہے کتنی ہی کم ہو۔ انبیاء علیہم السلام پر بیماری اور تکلیف سب لوگوں سے زیادہ سخت آتی ہے۔ درجہ بدرجہ یہی حال صالحین کا ہے کیونکہ ان لوگوں میں صبر انتہا درجے کا ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب رہتے ہیں اور یہ مصائب اس لحاظ سے ان کے لیے نعمت بن جاتے ہیں کہ اس سے ان کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور صبر و رضا کے معاملے میں ان کا بلند درجہ معلوم ہو جاتا ہے۔ صالحین انبیاء سے قریب تر ہوتے ہیں، اس لیے معاملے میں وہ انبیاء جیسے ہی

ہیں، اگرچہ ان کا درجہ انبیاء سے کمتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزمائش نعمت کے مطابق ہوتی ہے جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ ہیں اس کی آزمائش بھی سخت ہو گی۔ اسی لیے آزاد کی سزا غلام کی سزا سے دگنی رکھی گئی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ﴾

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی واضح گناہ کا ارتکاب کرے گی، اسے دگنی سزا دی جائے گی۔''[1]

ویسے بھی طاقتور شخص پر زیادہ بوجھ رکھا جاتا ہے اور کمزور کے ساتھ رعایت برتی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ روحانی قوت جس قدر زیادہ ہو گی مصیبت اتنی ہی ہلکی معلوم ہو گی، پھر جب تکلیف کا مقصود ہی ثواب ہو تو اس تکلیف کو برداشت کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اس سے بھی بلند مرتبہ یہ ہے کہ مریض یہ سمجھے کہ مالک کی مرضی ہے اپنی ملکیت کی چیز میں جو تصرف چاہے کرے، لہٰذا وہ ہر حالت کو خوش دلی سے قبول کر لے اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔[2]

(10) قبروں پر عبادت گاہ بنانا یا مسجد میں قبر اور تصویر بنانا حرام ہے جو شخص ایسا کرے گا وہ ملعون ہو گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین شخص شمار ہو گا۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی عظیم وصیت ہے جو آپ نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے ارشاد فرمائی۔[3]

[1] الأحزاب 30:33، نیز دیکھیے شرح النووي: 238/16، 366,365، وشرح الأبي على صحيح مسلم: 326/8. [2] فتح الباري: 112/10. [3] فتح الباري: 208/3.

باب: 27

موت کے وقت وصیتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہائے جمعرات کا دن! تم کیا جانو جمعرات کا دن کیسا سخت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی سخت تکلیف میں تھے۔ آپ نے فرمایا:

«اِئْتُونِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا»

''میرے پاس کاغذ وغیرہ لاؤ۔ میں تمھیں ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔''

گھر میں موجود لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ آپس میں جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جھگڑا مناسب نہیں تھا۔ کچھ افراد کہنے لگے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے، اس لیے آپ یہ الفاظ قصداً نہیں فرما رہے بلکہ بخار کی شدت کی وجہ سے بے ارادہ صادر ہو رہے ہیں۔ ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے ہمیں وہی کافی ہے۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے: ''نہیں یہ بات نہیں، قلم دوات لاؤ تاکہ آپ تحریر لکھوا دیں اور گمراہی کا خطرہ باقی نہ رہے (آپ یہ الفاظ قصداً ارشاد فرما رہے ہیں۔) غرض شور مچ گیا۔ کوئی کچھ کہتا تھا، کوئی کچھ۔ آپ نے فرمایا: ''سب اٹھ جاؤ۔''

ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا:

''مجھے (اکیلا) چھوڑ دو۔''[1] میں جس حالت میں ہوں (توجہ الی اللہ، مراقبہ اور آخرت

[1] یعنی جو اختلاف اور جھگڑا تم نے شروع کر دیا ہے، اس سے مجھے چھوڑ دو۔ مراقبہ، اللہ سے ملاقات کی ◀◀

کی تیاری) اس حالت سے بہت بہتر ہے جس کی طرف تم بلا رہے ہو (جھگڑا اور اختلاف۔) میں تمھیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں:

أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ بِهِ» وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ - أَوْ قَالَ: فَنَسِيتُهَا.

① مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا۔

② آنے والے وفود کو عطیات دیتے رہنا جیسے میں دیتا ہوں۔[1]

③ تیسری بات یا تو آپ نے بیان نہیں فرمائی یا میں بھول گیا۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ نے ان کو ان تین باتوں کی وصیت اسی حالت میں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ آپ لکھوانا چاہتے تھے وہ لکھوانا ضروری نہ تھا کیونکہ اگر وہ ایسی چیز ہوتی جس کی تبلیغ ضروری تھی تو آپ کسی صورت میں نہ رکتے، چاہے کتنا ہی اختلاف واقع ہوتا، آپ بہر حال لکھوا کر چھوڑتے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کو عذاب میں مبتلا کرتے جو لکھنے میں رکاوٹ بنتا یا پھر آپ زبانی صحابہ تک وہ بات پہنچا دیتے جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا وصیتیں فرمائیں جبکہ آپ اس کے بعد کئی دن زندہ رہے اور صحابہ نے آپ کی کئی باتیں ان دنوں میں زبانی سن کر یاد رکھیں یا پھر آپ یہی باتیں

◂◂ تیاری اور اس میں غور وفکر کی حالت تمھارے اس جھگڑے سے بہتر ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے میرے لیے اس دنیا سے رخصت کے بعد جو عزت تیار کی ہے، جسے میں دیکھ رہا ہوں، اس دنیا کی زندگی سے بہتر ہے۔ (فتح الباري: 134/8)

1 اس حدیث میں وفود کو عطیہ دینے کا حکم ہے۔ اسی طرح ان کی ضیافت اور عزت کا خیال رکھو۔ اس سے ان کے دل خوش ہوں گے اور دیگر ''مؤلفة القلوب'' وغیرہ کو ترغیب ہوگی، نیز عطیہ دینے سے ان کے سفر میں سہولت رہے گی۔ (فتح الباري: 135/7)

2 صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، حديث:4432,4431، و صحيح مسلم، الوصية، باب ترك الوصية......، حديث:1637.

لکھوانا چاہتے تھے جن کے بارے میں آپ نے زبانی وصیت فرمائی۔“[1] واللّٰہ أعلم .

اس حدیث میں تیسری وصیت ممکن ہے قرآن مجید کے بارے میں ہو یا لشکر اسامہ بھیجنے کے بارے میں یا نماز اور غلاموں کے بارے میں یا یہ کہ آپ کی قبر کو بت نہ بنایا جائے کہ اس کی پوجا کی جائے کیونکہ احادیث میں انھی وصیتوں کا ذکر ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت فرمائی؟...... انھوں نے جواب دیا:

«أَوْصٰی بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ»

”آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں وصیت فرمائی۔“[3]

یعنی آپ نے کتاب اللہ کی ظاہراً و باطناً حفاظت کرنے کی وصیت فرمائی، مثلاً: اس کی تعظیم کی جائے، اسے بے ادبی سے بچایا جائے، اس کی پیروی کی جائے، اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور اس کے نواہی، یعنی منع کردہ امور سے پرہیز کیا جائے۔ اس کی تلاوت پابندی سے کی جائے، اسے سیکھا اور سکھایا جائے وغیرہ۔

اس کے علاوہ دیگر کئی مواقع پر بھی آپ نے کتاب اللہ کے بارے میں وصیت فرمائی، مثلاً: خطبۂ عرفات میں، خطبۂ منٰی میں[4] اور حج سے واپسی پر غدیر خم کے خطبے میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«. . . وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ : أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ ، [هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ] فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ ، وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ» فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ

[1] فتح الباري: 134/8 . [2] فتح الباري: 135/8 . [3] صحيح البخاري ، كتاب و باب الوصايا ، حديث: 2740 ، وصحيح مسلم ، الوصية ، باب ترك الوصية...... ، حديث: 1634 .
[4] صحيح مسلم ، الحج ، باب حجة النبي ﷺ ، حديث: 1218 ، ومسند أحمد: 368/2 .

وَرَغَّبَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ: «وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

''......میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اس میں ہدایت اور نور ہے۔ [یہ اللہ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا، ہدایت پر رہے گا جو اسے چھوڑے گا، گمراہ ہو جائے گا]، لہٰذا اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔'' یہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اہمیت بیان فرمائی اور اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی، پھر فرمایا: ''دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں......۔''

یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے۔ [1]

اپنی وفات کے وقت بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں وصیت فرمائی۔ [2]

رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ کرنے کی بھی وصیت فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لشکر اسامہ کی تیاری تو آپ ﷺ کی بیماری سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی مگر اسے آپ کی وفات سے صرف دو دن قبل ہفتہ کے دن بھیجا گیا۔ آپ نے صفر کے آخر میں لوگوں کو رومیوں سے جنگ کرنے کی رغبت دلائی۔ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«سِرْ إِلٰى مَوْضِعِ مَقْتَلِ أَبِيكَ فَأَوْطِئْهُمُ الْخَيْلَ، فَقَدْ وَلَّيْتُكَ هٰذَا الْجَيْشَ»

''اپنے والد کی شہادت گاہ کی طرف جانا اور ان کو گھوڑوں سے روند ڈالنا۔ میں

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي رضی اللہ عنہ، حديث:2408، بریکٹ والے الفاظ صحيح مسلم، حديث:(37)-2408 کے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، كتاب و باب الوصايا، حديث:2740، و صحيح مسلم، الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصي فيه، حديث:1634.

نے تمھیں اس لشکر کا امیر مقرر کر دیا ہے......۔‘‘

تیسرے دن آپ کو مرضِ وفات کی تکلیف شروع ہوگئی۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اسامہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا پکڑایا۔ حضرت اسامہ کے ساتھ جانے والوں میں بڑے بڑے مہاجرین وانصار بھی شامل تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا:

«أَنْفِذُوا جَيْشَ أُسَامَةَ»

’’اسامہ کا لشکر ضرور بھیج دینا۔‘‘

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ لشکر اسامہ کو روانہ فرمایا۔ وہ بیس دن کے سفر کے بعد اس جگہ پہنچے جہاں کا حکم دیا گیا تھا۔ وہاں انھوں نے اپنے والد محترم (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما) کے قاتل کو قتل کیا اور یہ لشکر غنیمت حاصل کرنے کے بعد بخیرت واپس آ گیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جس کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔ کچھ لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراضات کیے تو آپ نے فرمایا:

«إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَأَيْمُ اللهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِّلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

’’تم اس کی امارت پر اعتراضات کرتے ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، تم نے اس کے والد کی امارت پر بھی تنقید کی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پیارا تھا اور اس کے بعد یہ

[1] فتح الباري: 152/8، والسيرة النبوية لابن هشام: 300/4.

مجھے سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔‘‘ [1]

نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے نماز اور غلاموں کے بارے میں بھی وصیت فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی اہم ترین وصیت یہی تھی:

«اَلصَّلَاةَ! وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

’’نماز کی پابندی کرو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو!‘‘

حتی کہ یہ الفاظ آپ کے سینۂ مبارک میں رکنے لگے۔ زبان مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا بھی نہیں ہو رہے تھے۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم ﷺ کا آخری ارشاد یہی تھا:

«اَلصَّلَاةَ! وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

’’نماز کا خیال رکھنا! اور اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرنا۔‘‘ [4]

اس باب سے حاصل ہونے والے اسباق وفوائد بہت زیادہ ہیں۔ ان میں کچھ یہ ہیں:

① مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے موقع پر اس کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آغاز ہی میں

---

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبيﷺ، باب مناقب زيد بن حارثة مولى النبيﷺ، حديث:3730، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل زيد بن حارثة......، حديث:2426. [2] دیکھیے شرح النووي على صحيح مسلم: 280/15. [3] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في ذكر مرض رسول اللهﷺ، حديث:1625، و مسند أحمد: 117/3. [4] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب وهل أوصى رسول اللهﷺ؟ حديث:2698، اور مسند أحمد: 78/1 میں الفاظ یوں ہیں:[الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ! اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ] ’’نماز کا خیال رکھنا، نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔‘‘

اس حکم پر عمل درآمد کیا، تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانۂ ارتداد کی جنگوں میں مصروف رہے، اس لیے انھیں فرصت نہ مل سکی۔

② آنے والے وفود کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان کو عطیات دینے چاہئیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا اور آپ نے اس کی وصیت بھی فرمائی۔

③ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ظاہری اور معنوی طور پر احترام فرض ہے، یعنی اس کی تعظیم کی جائے، اس کی حفاظت کی جائے، اس کی پیروی کی جائے، اس کے اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے، اس کی تلاوت پابندی سے کی جائے اور اس کو سیکھا اور سکھایا جائے کیونکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مقامات پر اس کے بارے میں وصیت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی دونوں اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔

④ نماز سب سے اہم عبادت ہے کیونکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد یہ اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے۔ تبھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عین اپنی وفات کے وقت آخری سانس تک اس کی وصیت فرمائی۔

⑤ غلاموں، نوکروں اور ماتحت ملازمین کے حقوق کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں نماز کے ساتھ ہی اس کی تاکید فرمائی ہے:

«اَلصَّلَاةَ اَلصَّلَاةَ! وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

⑥ اس باب میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسے لشکر کا امیر مقرر کیا جس میں بڑے بڑے مہاجرین وانصار صحابہ کثرت سے شامل تھے، اور اس لشکر کی روانگی کی تاکید فرمائی۔

⑦ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے لشکرِ اسامہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر من وعن عمل کیا اور انتہائی نامساعد حالات کے

باوجود یہ لشکر روانہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''چنانچہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انھیں ڈرنا چاہیے، مبادا ان پر کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں دردناک عذاب آلے۔''[1]



[1] النور 63:24.

باب :28

رفیقِ اعلیٰ کو پسند فرما لیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں آپ سے سنا کرتی تھی کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک اسے دنیا و آخرت کے درمیان اختیار نہ دے دیا جائے، چنانچہ میں نے رسول اللہ کی اس بیماری کے دوران میں جس کے نتیجے میں آپ فوت ہو گئے، آپ کو یہ فرماتے سنا...... اس وقت آپ کی آواز بہت بھاری ہو چکی تھی:

﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ﴾

"(میں) ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ (رہنا چاہتا ہوں) اور یہ لوگ بہترین دوست ہوں گے۔"[1]

میں نے اندازہ لگا لیا کہ اب آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں وہ یوں فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب بالکل تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ»

[1] النسآء 4:69. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4435,4586، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2444.

”کسی نبی کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک اسے اس کا جنت کا ٹھکانہ دکھا کر اس سے اس کی مرضی معلوم نہیں کر لی جاتی۔“

پھر جب رسول اللہ ﷺ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی سی طاری ہوئی، پھر کچھ دیر بعد آپ ہوش میں آئے تو آپ نے نظر مبارک چھت کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

”اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ (آسمانی ساتھیوں) کے پاس (آنا چاہتا ہوں۔)“

میں نے کہا: اوہو! اب آپ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ وہی وقت ہے جس کے بارے میں آپ تندرستی کے زمانے میں ہمیں آگاہ کرتے تھے۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”آخری کلمہ جو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا وہ یہی تھا:

«اَللّٰهُمَّ! الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى»

”اے اللہ! رفیق اعلیٰ (آسمانی ساتھیوں) کے پاس (آنا چاہتا ہوں۔)“[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی کمر میرے سینہ کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي، وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

”اے اللہ! مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔“[3]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبيﷺ ووفاته، حديث:4437 [2] صحيح البخاري، المغازي، باب آخر ما تكلم به النبيﷺ، حديث:4463، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشة......، حديث:(87)-2444. [3] صحيح

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رب کریم کے ساتھ بڑا مضبوط تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعطیات کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شائق تھے۔ ہراس چیز سے محبت رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھی، مثلاً مسواک کیونکہ مسواک سے منہ کی صفائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں، میری باری کے دن، میرے سینے سے ٹیک لگائی ہوئی حالت میں فوت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے میرا لعاب اور آپ کا لعاب مبارک وفات کے موقع پر اکٹھا کر دیا۔ ہوا یوں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر میرے ہاں آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ٹکٹکی باندھے عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ مسواک کے خواہشمند ہیں۔ میں نے عرض کی: آپ کے لیے مسواک لوں؟

«فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَّعَمْ»

''آپ نے سر کے اشارے سے ہاں کی۔''

میں نے ان سے مسواک لے لی لیکن وہ بہت سخت تھی آپ اسے چبا نہ سکتے تھے۔ میں نے عرض کی: آپ کے لیے میں اسے چبا کر نرم کر دوں؟'' آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا: ''ہاں'' تو میں نے اسے چبا کر نرم کر دیا۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مستعمل حصے کو توڑا، پھر نئے حصے کو نرم کیا اور مسواک درست کرنے کے بعد آپ کو دے دی۔ آپ نے مسواک کی اور ایسی بہترین مسواک کی کہ میں نے آپ کو اس طرح

البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4440، وكتاب المرض، باب تمني المريض الموت، حديث:5674، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشة......، حديث:2444.

مسواک کرتے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے سامنے پانی کا ایک برتن پڑا تھا۔ آپ اپنا مبارک ہاتھ پانی میں ڈالتے، اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ» ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ، فَجَعَلَ يَقُولُ: «فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى» حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ.

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں بلاشبہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔'' پھر آپ نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور فرمانے لگے: ''آسمانی ساتھیوں کے پاس'' حتی کہ اسی حالت میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔'' ﷺ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''نبی کریم ﷺ میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان سہارے کی حالت میں فوت ہوئے۔ آپ کے بعد میں کسی شخص پر موت کی سختی کو ناپسند نہیں کروں گی۔'' [2]

اس باب سے حاصل ہونے والے فوائد، اسباق اور احکام بہت زیادہ ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① ''رفیقِ اعلیٰ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ عالی میں ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾

''جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ، اور یہ لوگ بہترین ساتھی ہوں گے۔'' [3]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4449، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشة......، حديث:2443. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4446. [3] النسآء4:69.

لٰہٰذا صحیح بات یہی ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد انبیاء ہیں جو اعلیٰ علیین میں آرام فرما ہیں۔ لفظِ ''رفیق'' واحد پر بھی بولا جا سکتا ہے اور جمع پر بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَحَسُنَ أُولَٰٓئِكَ رَفِيقًا﴾ ''یہ لوگ بہترین ساتھی ہوں گے۔''[1]

② نبیٔ کریم ﷺ کو زندگی اور آخرت میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ''رفیق اعلیٰ'' کو پسند فرمایا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تمنا تھی اور رفیق اعلیٰ سے محبت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

«مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ. . . »

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے......۔''[2]

③ اس روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ علم (حاصل کیا اور آگے) نقل کیا اور نبیٔ کریم ﷺ کی بھرپور خدمت کی حتی کہ آپ ان کے سینے کا سہارا لیے فوت ہوئے۔ اسی لیے آپ فرماتی ہیں:

«إِنَّ مِنْ نِّعَمِ اللهِ عَلَيَّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ تُوُفِّيَ فِي بَيْتِي وَفِي يَوْمِي، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي»

''اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں، میری باری کے دن، میرے ہی سینے کے ساتھ لگے لگے فوت ہوئے۔''

④ نبیٔ کریم ﷺ مسواک سے بہت رغبت رکھتے تھے حتی کہ موت کی سختیوں میں بھی آپ

[1] فتح الباري: 138/8. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب من أحب لقاء اللّٰه......، حديث:6507، و صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب من أحب لِقَاء اللّٰه......، حديث:2683.

نے مسواک کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسواک بہت اہم اورتا کیدی چیز ہے۔ اس سے منہ بھی صاف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے۔

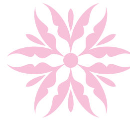
⑤ نبی کریم ﷺ کا موت کی سختیوں میں لا الہ الا اللہ پڑھنا دلیل ہے کہ یہ جملہ کثرت کے ساتھ خصوصاً مرض الموت میں توجہ سے پڑھنا مستحب ہے کیونکہ

«مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جس شخص کے لب پر آخری بول لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''[1]

⑥ نبی کریم ﷺ انبیاء کی معیت کی بہت خواہش رکھتے تھے۔ آپ کی یہ دعا دلیل ہے کہ مسلمان کو یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ جنت نعیم میں انبیاء کا پڑوس نصیب فرمائے۔ اے اللہ! اپنے رحم و کرم سے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرما۔

⑦ نبی کریم ﷺ پر موت کی سختی ہمارے لیے عبرت آموز ہے کہ ہمارا کیا حال ہوگا؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف تھے۔ اور ہم شدید گناہ گار ہیں۔



[1] سنن أبي داود، الجنائز، باب في التلقين، حديث: 3116 .

باب:29

رسول اللہ ﷺ کا شہید ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ مرض وفات میں فرمایا کرتے تھے:

«يَا عَائِشَةُ! مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُّ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ»

''عائشہ! میں اس کھانے کی تکلیف مسلسل محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ لیکن اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کھانے کے زہر سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔'' [1] [2]

خیبر میں یہ زہر آلود گوشت چبانے کے بعد آپ تین سال تک زندہ رہے حتی کہ مرض

[1] رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کر لیا تو آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت پیش کیا گیا۔ یہ گوشت ایک یہودی عورت نے بھیجا تھا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو بکری کا کون سا عضو زیادہ پسند ہے؟ اسے بتایا گیا: ''دستی (بازو) کا گوشت'' تو اس نے دستی پر خوب زہر لگایا۔ آپ نے دستی اٹھائی اور ایک لقمہ چبایا ابھی نگلا بھی نہ تھا کہ آپ نے فرمایا: [أَمْسِكُوا فَإِنَّهَا مَسْمُومَةٌ] ''گوشت مت کھاؤ یہ زہر آلود ہے۔'' مگر اس وقت تک حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما لقمہ نگل چکے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد فوت ہو گئے۔ آپ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا: [مَا حَمَلَكِ عَلَى مَا صَنَعْتِ؟] ''تو نے اس میں زہر کیوں ملایا۔'' وہ کہنے لگی: ''میرا مقصد تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو اللہ آپ کو اطلاع کر دے گا ورنہ ہمیں اور دیگر لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ دیکھیے فتح الباري: 497/7.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4428.

وفات میں مبتلا ہو گئے۔ [1]

مذکور ہے کہ اس عورت نے آپ سے پوچھا تھا: ''آپ کو کس نے بتایا؟'' آپ نے فرمایا: ''اس زہر آلود گوشت نے'' تو وہ عورت مسلمان ہوگئی اور آپ نے اسے معاف کر دیا مگر حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما کی موت (شہادت) کے بعد آپ نے اسے قصاصًا قتل کرا دیا۔ [2]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کا سبب وہ زہر ہی تھا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ تحفہ قبول فرما لیا کرتے تھے، البتہ صدقہ نہیں کھاتے تھے۔ خیبر میں ایک یہودی عورت نے بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت آپ کو تحفے کے نام پر بھیجا۔ اللہ کے رسول ﷺ اور لوگوں نے اسے کھانا شروع کر دیا، (اچانک) آپ نے فرمایا:

«اِرْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ فَإِنَّهَا أَخْبَرَتْنِي أَنَّهَا مَسْمُومَةٌ» فَمَاتَ بِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ ابْنِ مَعْرُورٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُودِيَةِ «مَا حَمَلَكِ عَلَى الَّذِي صَنَعْتِ قَالَتْ: إِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَّمْ يَضُرَّكَ الَّذِي صَنَعْتُ وَإِنْ كُنْتَ مَلِكًا أَرَحْتُ النَّاسَ مِنْكَ» فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُتِلَتْ، ثُمَّ قَالَ فِي وَجْعِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ «مَا زِلْتُ أَجِدُ مِنَ الْأُكْلَةِ الَّتِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، فَهٰذَا أَوَانُ قَطَعَتْ أَبْهَرِي»

''اپنے ہاتھ روک لو۔ مجھے اس گوشت نے بتایا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔'' لیکن حضرت بشر بن براء بن معرور انصاری فوت ہو گئے۔ آپ نے اس یہودی عورت کو بلا کر پوچھا: ''تو نے ایسا کیوں کیا؟'' اس نے کہا: ''اس لیے کہ اگر

[1] ملاحظہ کیجیے فتح الباري: 131/8 ۔ [2] ملاحظہ کیجیے فتح الباري: 497/7 ۔

آپ نبی ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور اگر دنیا دار بادشاہ ہیں تو آپ سے لوگوں کی جان چھوٹ جائے گی۔'' آپ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا، پھر آپ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: ''میں مسلسل اس لقمے کا اثر محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں منہ میں ڈالا تھا۔ اب مجھے اپنی شہ رگ کٹتی محسوس ہو رہی ہے۔''[1]

حضرت بشر کی والدہ نے آپ کے مرض وفات میں آپ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اس کا الزام کس پر رکھتے ہیں؟ میرے بیٹے کی موت کا الزام تو سراسر اس زہر آلود گوشت پر ہے جو اس نے آپ کے ساتھ خیبر میں کھایا تھا۔'' آپ نے فرمایا:

«وَأَنَا لَا أَتَّهِمُ بِنَفْسِي إِلَّا ذٰلِكَ فَهٰذَا أَوَانُ قَطْعِ أَبْهَرِي»

''میں بھی اپنے دل میں یہی سمجھتا ہوں۔ اب اس زہر سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے پورے یقین سے لکھا ہے: ''نبی کریم ﷺ کی وفات شہادت تھی۔'' انھوں نے یہ بھی نقل فرمایا ہے:

«وَإِنْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ لَيَرَوْنَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَاتَ شَهِيدًا مَّعَ مَا أَكْرَمَهُ اللهُ بِهِ مِنَ النُّبُوَّةِ»

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے اعزاز و اکرام کے ساتھ ساتھ وفاتِ شہادت کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔''[3]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''میں نو دفعہ یہ قسم اٹھا سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] سنن أبي داود، الديات، باب فيمن سقى رجلاً سُمًّا......، حديث:4512. [2] سنن أبي داود، الديات، باب فيمن سقى رجلاً سمًّا......، حديث:4513. [3] البداية والنهاية:4/211.

(زہر کے اثر سے) شہید ہوئے ہیں مگر ایک دفعہ بھی یہ قسم نہیں اٹھا سکتا کہ آپ شہید نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا ہے اور شہید بھی۔'' [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات کے دوران میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے حتی کہ پیر کا دن ہوا تو لوگ صفوں میں کھڑے تھے، فجر کی نماز شروع کر چکے تھے کہ اچانک نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹا کر لوگوں کو دیکھا۔ لوگ اپنی صفوں میں کھڑے تھے۔ آپ کا چہرہ حسن و جمال اور چمک و دمک کی وجہ سے قرآنِ مجید کے مقدس ورق کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر کھڑے مسکراتے رہے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ قریب تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی خوشی میں نماز ہی سے غافل ہو جاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سمجھ کر کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں، پیچھے ہٹنا چاہا کہ صف میں کھڑے ہو جائیں مگر آپ نے اشارہ فرمایا کہ نماز مکمل کرو، پھر آپ نے پردہ گرا دیا، حجرہ میں تشریف لے گئے اور اسی دن اپنے رب سے جا ملے۔ [2]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''آپ اسی دن کے آخر میں فوت ہوئے۔'' [3]

[1] مسند أحمد: 408/1. [2] ماخوذ از فتح الباري: 165/2. [3] صحیح البخاري، الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، حديث: 680، وصحیح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث: 419 . حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں: امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی وفات اس وقت ہوئی جب خوب دوپہر ہو چکی تھی۔ ان (دونوں قولوں میں) تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ ''دن کے آخر'' کا اطلاق معنوی ہوگا، یعنی زوال کے وقت دن کے نصف ثانی کا جو آغاز ہوتا ہے تو اس وقت خوب دوپہر ہو چکی ہوتی ہے جو زوال کے بعد تک باقی رہتی ہے۔ نیز موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب زہری سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کی وفات زوال شمس کے وقت ہوئی تھی۔ (دیکھیے فتح الباري: 144,143/8)

ایک اور روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ تین دن نماز کے لیے تشریف نہ لا سکے۔ اگلے دن صبح کی نماز کھڑی ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھنے لگے تھے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے پردہ ہٹایا۔ جب نبیٔ کریم ﷺ کا چہرۂ اقدس سامنے درخشاں نظر آیا تو واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس سے خوبصورت منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت ابوبکر کو اشارہ فرمایا کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ، پھر آپ نے پردہ گرا دیا۔ اس کے بعد آپ فوت ہو گئے اور آنکھیں آپ کی دید سے محروم ہو گئیں۔ [1]

اس باب سے بہت سے اسباق وفوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

① نبیٔ کریم ﷺ کی وفات شہادت تھی۔ آپ شہادت کے ساتھ ''رفیق اعلیٰ'' کے پاس پہنچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا تھا اور شہید بھی ﷺ۔

② اسلام اور اہل اسلام سے یہودیوں کی عداوت ہمیشہ ظاہر و باہر رہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے صریح دشمن ہیں۔

③ نبیٔ کریم ﷺ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے زہر آلود گوشت بھیجنے والی عورت کو کوئی سزا نہ دی، البتہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے تو اسے قصاص میں قتل کیا گیا۔

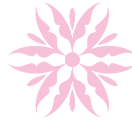
④ آپ کا ایک معجزہ بھی ظاہر ہوا کہ بھنے ہوئے گوشت نے بول کر آپ کو بتا دیا کہ مجھے زہر لگایا گیا ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ فضل عظیم ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ پر دین مکمل نہیں کر دیا گیا۔ اور آپ اپنی امت کو ایسے روشن

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، حديث: 681، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث: (100)-419.

راستے پر چھوڑ کر گئے جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ جو شخص اسے چھوڑے گا اپنی ہلاکت کو خود دعوت دے گا۔

⑥ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ تبھی تو وہ پیر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پردہ ہٹانے پر انتہائی خوش ہوئے کہ انھیں آپ کا چہرۂ انور نظر آیا اور آپ ان کو نماز پڑھتا دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے کیونکہ آپ اپنی امت کے خیر خواہ تھے اور سب کا بھلا چاہتے تھے، اس لیے شدید بیمار ہونے کے باوجود آپ ان کے نیک اور بابرکت عمل کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے۔



باب:30

اللہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ (کافر) بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے کسی بھی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہیں گے؟''[2]

اور فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾

''ہر کوئی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور بے شک قیامت کے دن تمھیں پورے پورے اجر دیے جائیں گے، پھر جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل

1 الزمر 30:39 . 2 الأنبيآء 34:21 .

کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے ہی کا سامان ہے۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۚ﴾

''ہر چیز جو روئے زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے۔ اور آپ کے رب ذوالجلال و الاکرام کا چہرہ باقی رہے گا۔''[2]

انبیاء اور پیغمبروں کے سردار حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ فوت ہو گئے۔ آپ کے دہن مبارک سے صادر ہونے والا آخری جملہ لا اِله اِلّا اللّٰه تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ کے سامنے ایک برتن تھا۔ آپ اپنے مبارک ہاتھ اس میں ڈالتے، اپنے چہرۂ انور پر ملتے اور فرماتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ» ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ: «فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں بلاشبہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔'' پھر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ بلند کیا اور فرمانے لگے: ''رفیق اعلیٰ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''[3]

اس کے بعد آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا دستِ مبارک جھک گیا۔

آپ کی آخری بات «اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى» تھی۔[4]

نبیٔ کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] آل عمرٰن 3:185. [2] الرحمٰن 55:26,27. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4449، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشة......، حديث:2444. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث:4463، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشة......، حديث:2444.

''رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سُنح کے علاقے میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔'' (حضرت عمر فرماتے تھے: ''اللہ کی قسم! اس وقت میرے دل میں یہی خیال پختہ تھا۔'') اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اٹھائے (زندہ کرے) گا اور آپ منافق لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔''[1]

اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے۔ آپ اترے، مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے کوئی بات نہیں کی، سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی (چارپائی کی) طرف گئے۔ آپ کو ایک دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ انھوں نے آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا، آپ پر جھکے اور آپ کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے کہنے لگے:

[بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَانَبِيَّ اللهِ! طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا، وَّالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا]

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! پیارے نبیٔ کریم! آپ زندگی میں بھی پاک تھے، وفات کے بعد بھی پاک ہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ آپ پر کبھی بھی دو موتیں جمع نہیں کرے گا[2] جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔''

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سے مراد یہ تھی کہ اللہ آپ کو دنیا ہی میں زندہ کرے گا اور آپ ان لوگوں کے، جو آپ کی موت کے قائل ہیں، ہاتھ کاٹ دیں گے۔ (فتح الباري: 29/7) [2] اس کے جواب میں کئی اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس سے حقیقی موتیں مراد ہیں۔ اس سے اس شخص کے عقیدے کا رد مقصود ہے جو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہو کر منافقوں کے ہاتھ کاٹیں گے۔ اس لیے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ پر ایک اور موت آئے گی۔ یہ انتہائی واضح جواب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبر میں

پھر وہ حجرے سے نکلے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[أَيُّهَا الْحَالِفُ! عَلٰى رِسْلِكَ]

''او قسمیں اٹھا اٹھا کر باتیں کرنے والے! ذرا ٹھہرو۔ بیٹھ جاؤ۔''

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر جاری رکھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: ''بیٹھ جاؤ۔'' مگر انھوں نے بات نہ مانی۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا۔ اب حضرت عمر بھی رک گئے اور بیٹھ گئے۔ لوگ بھی حضرت ابوبکر کے پاس جمع ہو گئے اور حضرت عمر اکیلے رہ گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

[فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ]

''سن لو! تم میں سے جو شخص حضرت محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی کریم!) بلاشبہ آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ (کافر) بھی یقیناً

دوسرے لوگوں کی طرح آپ کو موت نہیں آئے گی کیونکہ ان کو تو زندہ کر کے سوالات پوچھے جاتے ہیں، پھر وہ مر جاتے ہیں۔ یہ جواب پہلے سے بھی زیادہ قرین صواب ہے، اس لیے کہ آپ کو قبر میں جو زندگی ملے گی اس کے بعد موت نہیں ہے بلکہ آپ زندہ رہیں گے اور انبیاء کو برزخی زندگی میں مٹی نہیں کھاتی۔ شاید اس دو موتوں والے قول میں یہ حکمت ہو کہ اس سے دو معروف موتیں مراد ہوں جو انبیاء کے سوا سب پر وارد ہوتی ہیں۔ (فتح الباري: 3/114، و 7/29)

مرنے والے ہیں۔''[1]

نیز اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝﴾

''محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ (یاد رکھو!) جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکے گا۔ اور اللہ شکر گزار لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔''[2]

اللہ کی قسم! یوں معلوم ہوتا تھا جیسے لوگوں کو یہ علم ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل کر رکھی ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تب لوگوں کے ذہن میں آئی۔ اس کے بعد تو ہر شخص یہی آیت پڑھتا سنائی دے رہا تھا۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! جونہی میں نے حضرت ابوبکر کو یہ آیت پڑھتے سنا تو میں اس قدر دہشت زدہ ہو گیا کہ میری ٹانگیں جواب دے گئیں اور میں زمین پر گر پڑا۔ اب مجھے یقین آیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی فوت ہو چکے ہیں۔'' یہ سن کر سب لوگ ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔ بعد میں انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ثقیفہ بنو ساعدہ (بنو ساعدہ کے پنچایت گھر) میں اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: ''ایک امیر انصار میں سے ہو گا اور ایک مہاجرین میں سے۔''[3]

[1] الزمر 39:30۔ [2] آل عمرٰن 3:144۔

[3] انصار کا یہ مقولہ: ''ایک امیر انصار میں سے ہو گا اور ایک مہاجرین میں سے'' غالبًا اس وجہ سے تھا کہ ان کا رواج یہی چلا آ رہا تھا کہ امیر قبیلے ہی سے ہوتا تھا، جب انھوں نے سنا: الأئمة من قريش ''امیر ◄◄

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو پتہ چلا تو وہ ان کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر بات شروع کرنے لگے تو حضرت ابوبکر نے انھیں خاموش کرا دیا۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے: ''میرا ارادہ تھا کہ پہلے میں کلام کروں گا کیونکہ میں نے اس موقع کے لیے ایک بہترین تقریر تیار کر رکھی تھی۔ مجھے خطرہ تھا کہ ابوبکر ویسی تقریر نہیں کر سکیں گے، پھر حضرت ابوبکر نے تقریر شروع کی اور بہترین تقریر کی اس کا لب لباب یہ تھا کہ ''امیر ہم ہوں گے، تم ہمارے وزیر رہو گے۔'' حضرت حباب بن منذر کہنے لگے: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ایک امیر ہم میں سے ہوگا، ایک تم میں سے۔'' حضرت ابوبکر نے سمجھایا کہ تمھاری بات درست نہیں بلکہ حکومت ہماری ہوگی تم وزیر ہو گے کیونکہ قریش اپنے علاقے کی وجہ سے سب عربوں سے افضل ہیں۔ ان کا حسب ونسب اور مقام و مرتبہ بھی مشہور و معروف ہے، لہٰذا عمر کی بیعت کر لو یا ابوعبیدہ کی۔ حضرت عمر فوراً بول پڑے: ''نہیں! ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں، سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے حضرت عمر نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ دوسرے لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ کسی کہنے والے نے کہا: ''تم نے سعد بن عبادہ کو تو مار ڈالا۔'' حضرت عمر فرمانے لگے: ''اسے اللہ نے مارا (ہم نے نہیں۔)'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دو مختلف خطبات کے بارے میں فرماتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خطبوں سے امت مسلمہ کو فائدہ پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے سے منافق لوگ ڈر گئے۔ مدینہ میں

قریش میں سے ہوگا'' تو انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ (فتح الباري:32/7)

[1] صحیح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت......، أحاديث: 1242، 3667، 3668، 4241، 4452، 5444 یہ پورا واقعہ ان تمام احادیث سے ماخوذ ہے۔

منافقین موجود تھے، لہٰذا ان کا سد باب ہو گیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بصیرت سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو صحیح صورت حال سمجھا دی اور ان کو دین پر پختہ کر دیا۔ اس وقت سب لوگ یہی آیت پڑھتے پھر رہے تھے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکے گا۔ اور اللہ شکر گزار لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔''[1]

منگل کے دن حضرت عمر اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے عظیم خطبات ارشاد فرمائے جن سے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو بہت فائدہ دیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بنوساعدہ کے پنچایت گھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد اگلے دن حضرت ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیچے پہلو میں کھڑے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر سے پہلے تقریر کی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! کل میں نے تم سے جو کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے وہ درست نہ تھا۔ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد فوت ہوں گے۔

[1] (آل عمرٰن 3:144) ملاحظہ کیجیے: صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ: [لو كنت متخذا خليلًا]، حديث: 3670,3669 .

اب (اللہ کے رسول تو فوت ہو چکے مگر) اللہ تعالیٰ نے تم میں وہ کتاب موجود رکھی ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اگر تم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں بھی اسی طرح ہدایت پر برقرار رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری حکومت تم میں سے بہترین شخص کو عطا کر دی ہے [1] جو رسول اللہ ﷺ کے سچے اور مخلص ساتھی ہیں حتی کہ غار میں بھی آپ کے ساتھ تھے، لہٰذا اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔''

یہ سن کر لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور سقیفہ بنوساعدہ کی خصوصی بیعت کے بعد ان کی عام بیعت کی گئی۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! مجھے تمھارا حکمران بنا دیا گیا ہے مگر میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ [2] میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کر دینا۔ سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اس کی شکایت دور نہ کر دوں - ان شاء اللہ - اور تم میں سے قوی شخص (اگر ظلم کرے تو) میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے غصب شدہ حق واپس نہ لے لوں - ان شاء اللہ - جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں فحاشی اور زنا کی وبا پھیلنے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ عمومی بلائیں اور وبائیں نازل کر دیتا ہے۔ میں جب تک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروں، میری اطاعت پر کاربند رہو اور جب میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں

[1] دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں تم میں سے بہترین شخص پر متفق کر دیا ہے۔'' (مترجم)

[2] یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تواضع پر دلالت کرتی ہے ورنہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ آپ ان سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ البداية و النهاية: 218/5.

تو تم پر میری اطاعت لاگو نہیں ہوگی۔ اٹھو نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔‘‘[1]

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت جاری ہوگئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰه .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں توحید کی دعوت دیتے رہے اور آپ پر وحی اترتی رہی، پھر آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال قیام فرما رہے۔ بالآخر تریسٹھ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں پڑھائی وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار تین روز مکمل آپ مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے۔[3]

پیر کے دن آپ کی وفات اور حضرت ابوبکر کے خطبۂ مسجد کے بعد باقی دن اور منگل کے دن بھی مشورے ہوتے رہے (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی، پھر عام اجتماع میں مسجد نبوی میں عمومی بیعت ہوئی۔ یہ دو دن اسی طرح گزرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا۔[4] آپ کو آپ کے کپڑوں سمیت (اتارے بغیر) غسل دیا گیا اور سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی۔

لوگوں نے آپ کا جنازہ الگ الگ پڑھا۔ کسی نے امامت نہیں کرائی اور یہی متفق علیہ بات ہے۔ پہلے مردوں نے جنازہ پڑھا، پھر بچوں نے، پھر عورتوں نے، پھر غلاموں اور لونڈیوں نے۔

مشہور اور متفقہ قول کے مطابق آپ کی وفات پیر کے دن ہوئی اور تدفین بدھ کی

[1] البداية والنهاية: 5/218 . [2] فتح الباري: 8/150. [3] البداية والنهاية:5/223 .
[4] دیکھیے البداية والنهاية:5/228 .

شب عمل میں آئی۔[1]

آپ کے لیے لحد والی قبر کھودی گئی اور لحد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں لگائی گئیں۔ قبر مبارک زمین سے ایک بالشت اونچی رکھی گئی اور کوہان کی طرح بنائی گئی۔ متواتر احادیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قبلے والی دیوار کے مغربی کونے میں دفن کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی کے مشرقی جانب واقع تھا۔ 86 ھ میں ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع کی گئی۔ اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔ ولید نے انھیں حکم دیا کہ مسجد نبوی کی توسیع کی جائے۔ انھوں نے مسجد کی توسیع کی تو مشرقی جانب سے بھی توسیع کی گئی۔ اس طرح حجرۂ عائشہ (آپ ﷺ کی قبر سمیت) مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔[2]

اس باب سے چند فوائد واسباق اور احکام حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

① انبیاء اور رسول، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ فوت ہو گئے کیونکہ کوئی مخلوق دنیا میں ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا ختم ہونے والی چیز اور دھوکے کا سامان ہے جو ہرگز باقی نہیں رہے گا۔ انسان جو کدوکاوش کرتا ہے یا مال کماتا ہے اس میں سے صرف وہی کچھ باقی رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جائے گی۔

[1] اس بات پر تو اتفاق ہے کہ آپ ربیع الاول 11 ھ پیر کے دن فوت ہوئے، البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں دو ربیع الاول اور بعض کے نزدیک یکم ربیع الاول آپ کی تاریخ وفات ہے۔ مرض کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں صفر کی 29 تاریخ کو بیمار ہوئے۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ جمہور کے قول کے مطابق آپ کی وفات 12 ربیع الاول 11 ھ پیر کو ہوئی۔ اس طرح آپ کی بیماری 13 دن جاری رہی۔ دیکھیے (البداية و النهاية: 5، وفتح الباري: 129/8) [2] دیکھیے فتح الباري:129/8.

② نبیٔ اکرم ﷺ کو ''رفیق اعلیٰ'' کے پاس جانے کا بے حد شوق تھا، اسی لیے تو آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء اور صلحاء کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا عظیم مرتبہ ہے۔

③ وفات کے بعد میت کی آنکھیں بند کی جائیں، جبڑے باندھ دیے جائیں اور پھر ایک بڑی چادر سے میت کو ڈھانپ دیا جائے، اسی لیے نبیٔ اکرم ﷺ کو دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

④ وفات کے بعد میت کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں کیونکہ فرشتے ان دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ اسی لیے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی وفات پر فرمایا تھا:

[طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا]

''آپ زندگی میں پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ ہیں۔''

⑤ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے یوں کہنا چاہیے:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اَللّٰهُمَّ! أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا»

''بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت پر اجر عطا فرما۔ اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما۔''

⑥ آنسو بہا کے رونا اور دلی غم جائز ہے۔

⑦ نوحہ کرنا، گریبان پھاڑنا، بال منڈانا، بال اکھیڑنا اور جاہلیت والی باتیں کرنا حرام ہے۔ اور ان کی حرمت دلائل صحیحہ سے ثابت ہے۔

⑧ کوئی آدمی چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس سے غلطی ممکن ہے، ہر انسان سے بھول چوک ہو

سکتی ہے (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔)

⑨ اس حدیث سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور علم و فقاہت کا پتہ چلتا ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

⑩ اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ادب اور حسن خلق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے لگے تو وہ خاموش ہو گئے اور عام صحابہ کے ساتھ مل کر ان کی بات سننے لگے اور کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔

⑪ سقیفہ بنی ساعدہ میں جھگڑا ختم کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عظیم حکمت اور دانش مندی سے کام لیا کہ جلدی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کر لی اور پھر سب لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً بیعت مکمل ہو گئی۔ اس طرح تنازعہ ختم ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰه .

⑫ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انتہائی فصیح و بلیغ شخص تھے کہ انھوں نے سقیفہ (پنچائت گھر) میں فی البدیہ بہترین تقریر کی حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''حضرت ابوبکر نے انتہائی بلیغ تقریر کی۔''

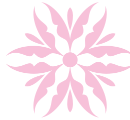
⑬ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے سے بھی بڑا فائدہ ہوا جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے دیا۔ ان کی تقریر سے منافق خوفزدہ ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبے سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ لوگوں کو صحیح بات معلوم ہو گئی۔

⑭ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منگل کے دن حضرت ابوبکر صدیق نے جو خطبہ دیا

اس سے ان کی دانش مندی اور حسنِ سیاست کا جوہر جھلک رہا ہے۔انھوں نے واضح کیا کہ سچ امانت ہے جھوٹ خیانت ہے۔ جب تک کمزور کو اس کا حق نہیں مل جاتا وہ ان کے نزدیک قوی تھا اور جب تک قوی سے غصب شدہ حق چھین نہیں لیا جاتا اس وقت تک وہ ان کے نزدیک کمزور تھا، پھر انھوں نے لوگوں سے مشروط اطاعت کا مطالبہ فرمایا کہ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو ورنہ تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔

15 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انتہائی دانش منداور جرأت مند انسان تھے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے خطاب کیا اور اپنی گزشتہ روز والی غلط بات سے رجوع کیا اور معذرت کی، نیز خلافت کے مسئلے میں حضرت ابوبکر کے ہاتھ مضبوط کیے، ان کی تائید کی اور صراحتًا کہا کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کے ساتھی اور انتہائی محبوب ہیں۔ وہ غار میں بھی آپ کے ساتھ رہے۔

16 میت کا کفن سفید اور تین کپڑوں پر مشتمل ہونا مستحب ہے۔اس میں قمیص یا پگڑی نہ ہو، نیز قبر میں لحد بنائی جائے، لحد میں کچی اینٹیں لگائی جائیں اور قبر کوہان جیسی بنائی جائے جو صرف ایک بالشت اونچی ہو۔



باب: 31

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر مسلمانوں کو صدمہ

یہ بڑی پکی اور یقینی بات ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ سے کامل محبت سچے ایمان کا بلند ترین درجہ ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ، وَوَالِدِهِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں بن سکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘[1]

بالفرض کسی شخص کی اولاد یا والدین یا اہل خانہ فوت جائیں تو بلا شک وشبہ دنیوی طور پر یہ اس کے لیے عظیم صدمہ ہوگا۔ اور اگر بیک وقت سبھی فوت ہو جائیں تو اس بے چارے کی کیا حالت ہوگی؟

نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کا صدمہ یقیناً مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا صدمہ تھا۔ اس کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ’’رسول اللہ ﷺ نے حجرے کا درمیانی دروازہ کھولا یا پردہ ہٹایا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کی اس

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان، حديث: 15، و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة رسول اللهﷺ......، حديث: 44، و اللفظ له.

شاندار حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور امید ظاہر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بعد میں بھی انھیں اسی طرح متفق اور متحد رکھے گا، پھر آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَيُّمَا أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ، أَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فَلْيَتَعَزَّ بِمُصِيبَتِهِ بِي عَنِ الْمُصِيبَةِ الَّتِي تُصِيبُهُ بِغَيْرِي، فَإِنَّ أَحَدًا مِّنْ أُمَّتِي لَنْ يُّصَابَ بِمُصِيبَةٍ بَعْدِي، أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُّصِيبَتِي»

''اے لوگو! مومنوں میں جس شخص کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو اسے چاہیے کہ مجھے پہنچنے والی مصیبت اور صدمے کو یاد کر کے اپنی دوسری مصیبتوں میں صبر اور تسلی حاصل کر لے کیونکہ کسی بھی شخص کو مجھ پر گزرنے والی مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔'' [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب وہ دن چڑھا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز روشن لگتی تھی، پھر جب وہ دن آیا جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو مدینہ کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ گھپ اندھیرا معلوم ہوتا تھا۔ ابھی ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر ہی رہے تھے اور آپ کی تدفین سے ابھی ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ ہمیں اپنے دل اجڑے اجڑے محسوس ہونے لگے۔'' [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آؤ (رسولِ اکرم ﷺ کی دایہ محترمہ) حضرت ام ایمن کی زیارت کو چلیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب وہ ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ انھوں

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الصبر على المصيبة، حديث: 1599 . [2] جامع الترمذي، المناقب، باب: سلوا الله لي الوسيلة، حديث: 3618، و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ذكر وفاته و دفنه، حديث: 1631، و مسند أحمد: 268/3 .

نے عرض کی: آپ کیوں روتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر کثیر ہے۔" وہ فرمانے لگیں: "بے شک میں بھی جانتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر کثیر ہے۔ مگر میں اس لیے روتی ہوں کہ وحی منقطع ہو گئی۔ اب آسمان سے کوئی خبر نہیں آئے گی۔ انھوں نے ایسی باتیں کیں کہ شیخین کو بھی رونا آ گیا اور وہ بھی ان کے ساتھ بے اختیار رو پڑے۔" [1]

کسی کہنے والے نے خوب کہا ہے:

اِصْبِرْ لِكُلِّ مُصِيبَةٍ وَّتَجَلَّدِ
وَاعْلَمْ بِأَنَّ الْمَرْءَ غَيْرُ مُخَلَّدِ

فَإِذَا ذَكَرْتَ مُصِيبَةً تَسْلُو بِهَا
فَاذْكُرْ مُصَابَكَ بِالنَّبِيِّ مُحَمَّدِ

"ہر مصیبت پر صبر کر اور پامردی کا ثبوت دے اور یقین رکھ کہ کوئی آدمی ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب تجھے کوئی مصیبت آئے تو نبیٔ کریم ﷺ والی مصیبت یاد کر کے اس سے تسلی حاصل کر۔"

اس باب سے حاصل ہونے والے اسباق و فوائد بہت ہیں، مثلاً:

① نبیٔ کریم ﷺ کی وفات مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا غم اور صدمہ تھا۔

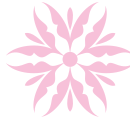
② نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے دلوں کو اجڑا اجڑا محسوس کرنا نزولِ وحی سے فراق کی بنا پر تھا کہ اب آسمان سے خبریں آنا بند ہو گئیں۔

③ نبیٔ کریم ﷺ مسلمانوں کو ان کی جان، اولاد، والدین اور سب لوگوں سے زیادہ

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أم أيمن، حديث:2454، و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ذكر و فاته......، حديث:1635، واللفظ له.

محبوب ہیں۔ اس حقیقت کا پتہ اس وقت چلا جب رسول اکرم ﷺ فوت ہوئے کہ ہر صحابی نے چاہے وہ رشتہ دار تھا یا اجنبی، قریب رہتا تھا یا دور حتیٰ کہ عام مسلمان بھی اس صدمے سے بے حد غمگین ہو گئے۔

④ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا بے حد شوق تھا۔ وہ تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ اور بزرگ خواتین کی زیارت کے لیے بھی جاتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے گئے۔



باب :32

رسول اللہ ﷺ کی میراث

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی درہم، دینار، غلام یا لونڈی کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ صرف آپ کی ایک سفید خچر تھی جس پر آپ سوار ہوتے تھے اور اسلحہ تھا یا پھر خیبر کی کچھ زمین تھی جسے آپ نے مسافروں کے لیے وقف کر دیا تھا۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، نہ کوئی بکری، نہ اونٹ اور نہ کوئی مالی وصیت فرمائی۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا:

«لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ»

''ہماری وراثت نہیں چلتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب و باب الوصايا، حديث:2739. [2] صحيح مسلم، الوصية، باب ترك الوصية...... ، حديث: 1635. یعنی آپ نے ایک تہائی مال یا کوئی اور مالی وصیت نہیں فرمائی کیونکہ آپ کے پاس مال تو تھا ہی نہیں، البتہ مختلف امور دینیہ، مثلاً: کتاب اللہ، سنت نبوی، آپ کے اہل بیت، مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم، وفود کے عطیے اور نماز اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ (شرح النووي:129,128/11) [3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ......، حديث: 3093، و صحيح مسلم، الجهاد، باب قول النبي ﷺ: [لا نورث ما تركنا فهو ◄◄

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ رسول اللہ ﷺ مال اکٹھا کرنے کے لیے یا خزانہ بھرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ تو رہنمائی کرنے والے، خوشخبری دینے والے، ڈرانے والے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دینے والے اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ تمام انبیاء اور رسولوں کی حالت یہی ہوتی ہے۔ علیهم الصلاة والسلام

اسی لیے آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ»

''علماء انبیاء کے حقیقی وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء دینار و درہم (روپیہ پیسہ) چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ علم کے اثاثے چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس شخص نے علم حاصل کر لیا اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا۔'' [1]

صحابہ رضی اللہ عنہم یہ بات بخوبی سمجھ چکے تھے۔ حضرت سلیمان بن مہران فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے کچھ شاگرد بیٹھے تھے۔ ایک اعرابی کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ کہنے لگا: ''یہ لوگ کس چیز کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں؟'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''یہ حضرت محمد ﷺ کی وراثت تقسیم کر رہے ہیں۔'' [2]

نبی کریم ﷺ کی وراثت کتاب و سنت اور علم و ہدایت ہی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ اونٹ نہ بکری اور نہ ایسی کوئی اور چیز سوائے آپ کے خچر اور زمین کے جسے آپ مسافروں کے لیے

1 سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641 مطولا، و جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في فضل الفقه......، حديث:2682 مطولا، و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء......، حديث:223 مطولا، و اللفظ له. 2 شرف أصحاب الحديث، باب كون أصحاب صدقة]، حديث: 1759.

وقف کر چکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبیٔ کریم ﷺ فوت ہوئے تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (60 کلو تقریبًا) جو کے عوض گروی پڑی تھی۔''[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ دنیاوی اشیاء بہت کم استعمال کرتے تھے اور لوگوں سے مستغنی رہتے تھے۔ اس لیے آپ نے صحابۂ کرام سے مال نہیں مانگا نہ ان سے قرض لیا کیونکہ صحابۂ کرام تو آپ کی کوئی چیز گروی نہ رکھ سکتے تھے بلکہ بہت ممکن تھا کہ وہ آپ سے قیمت بھی وصول نہ کرتے۔ اس لیے آپ نے یہودی سے لین دین کیا اور اپنے کسی صحابی پر کبھی بوجھ نہیں ڈالا۔[2] زندگی میں آپ کو بسا اوقات بھوک بھی برداشت کرنی پڑتی تھی۔ اس لیے کبھی ایک مہینہ اور کبھی دو مہینے اس حال میں گزرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں آگ جلانے کی نوبت بھی نہ آتی۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''تو پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟'' وہ فرمانے لگیں: ''دو سیاہ چیزوں، کھجوروں اور پانی پر گزر بسر ہوتی تھی۔''[3]

اس صورت حال کے باوجود آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«مَالِي وَلِلدُّنْيَا ، مَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ سَارَ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا»

''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک مسافر گرمیوں میں سفر کر رہا ہو، کچھ دیر کے لیے کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے رکے، پھر اسے چھوڑ کر چلتا بنے۔''[4]

الحديث ورثة الرسول ﷺ......، ص: 90,89 ۔ [1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبي ﷺ......، حديث: 2916، و صحيح مسلم، المساقاة، باب الرهن وجوازه......، حديث: 1603 ۔ [2] دیکھیے شرح النووي: 39/11 ۔ [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب كيف عيش النبي ﷺ......؟ حديث: 6459، مطولاً ۔ [4] جامع الترمذي،

اس باب سے بہت سے اسباق وفوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں کچھ یہ ہیں:

① انبیاء علیہم السلام کو مال جمع کرنے کے لیے مبعوث نہیں کیا جاتا بلکہ انھیں لوگوں کی رہنمائی، یعنی اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جانے کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے ترکے میں روپیہ پیسہ چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ علم و ہدایت چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جو یہ وراثت حاصل کرے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہے۔

② نبیٔ کریم ﷺ دنیا اور اس کے فانی ساز و سامان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے بلکہ آپ تو اس مسافر کی طرح رہتے تھے جو سایہ حاصل کرنے کے لیے تھوڑی دیر کسی درخت کے نیچے بیٹھتا ہے اور پھر اٹھ کر آگے چل دیتا ہے۔

③ نبیٔ کریم ﷺ لوگوں سے مانگنے کے عادی نہ تھے۔ ضرورت پڑنے پر قرض لے لیتے تھے، چاہے کوئی چیز گروی رکھنی پڑے تاکہ آپ کے صحابہ پر بوجھ نہ پڑے۔ اسی لیے وفات کے وقت آپ کی زرہ تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔

④ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس مال بہت کم ہوتا تھا۔ تنگی سے گزر بسر ہوتی تھی۔ تبھی تو ایک ایک دو دو ماہ آپ کے کسی گھر میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی۔ آپ اور آپ کے اہل خانہ کی عام خوراک کھجوریں اور پانی تھا۔

جب تک یہ دنیا قائم ہے اور شب و روز کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کا مخلص پیروکار بنائے اور قیامت کے دن ہمیں آپ کے ساتھیوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

◄◄ الزهد، باب حديث: [ماالدنيا إلا كراكب استظل]، حديث: 2377، و سنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، حديث: 4109، ومسند أحمد: 301/1، واللفظ له، والسلسلة الصحيحة: 800/1.

امت پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق

امت مسلمہ پر نبی کریم ﷺ کے حقوق بہت زیادہ ہیں، مثلاً:

① آپ پر زبانی اور عملی طور پر سچا ایمان لانا اور آپ کی پیش کردہ مکمل شریعت کی تصدیق کرنا۔

② آپ کی اطاعت کرنا اور آپ کی نافرمانی سے اجتناب کرنا۔

③ کوئی اختلاف ہو جائے تو آپ ہی سے فیصلے کرانا اور پھر آپ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی اور مطمئن ہو جانا۔

④ آپ کو آپ کا حقیقی مرتبہ دینا، غلو و زیادتی کرنا نہ کمی کرنا۔

⑤ آپ کی پیروی کرنا اور تمام معاملات میں آپ کو نمونہ بنانا۔

⑥ آپ سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت کرنا۔ اہل و عیال، مال و منال اور سب لوگوں کے مقابلے میں آپ ہی کو ترجیح دینا۔

⑦ آپ کا بدرجۂ غایت احترام کرنا، آپ کے دین کی مدد کرنا اور آپ کی سنتِ مطہرہ کا دفاع کرنا۔

⑧ آپ پر درود پڑھنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ

مَّعْرُوضَةٌ عَلَيَّ»

''تمھارے دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن بیہوشی طاری ہوگی، لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ تمھارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

ایک شخص نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ تو قبر میں بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ»

''(نہیں!) اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے۔''[1]

اب ان مندرجہ بالا حقوق کی کچھ تفصیل ملاحظہ کیجیے:

رسول اللہ ﷺ پر سچا ایمان اور تصدیق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾

''چنانچہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا۔ اور اللہ تمھارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب فضل يوم الجمعة......، حديث: 1047، و سنن النسائي، الجمعة، باب إكثار الصلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة، حديث: 1375، و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ذكر وفاته و دفنه ﷺ، حديث: 1636. [2] التغابن 64:8.

''لہٰذا تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر جو ''امی نبی'' ہے جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان رکھتا ہے، نیز تم اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔'' [1]

اور فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول کریم پر ایمان لاؤ، اللہ تمھیں اپنی رحمت سے دو حصے (اجر) دے گا اور تمھارے لیے ایسا نور بنائے گا جس کے ذریعے سے تم (میدانِ حشر کے اندھیروں میں) چلو گے اور وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' [2]

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا تو بلاشبہ ہم نے ایسے کافروں کے لیے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ

[1] الأعراف 158:7 . [2] الحديد 28:57 . [3] الفتح 13:48 .

گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ مجھ پر اور میری شریعت پر ایمان لے آئیں۔'' [1]

آپ ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب آپ کی نبوت کی تصدیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جنوں اور انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی شریعت اور تمام ارشادات وفرامین کو سچا سمجھا جائے۔ اور زبانی گواہی کے ساتھ دلی طور پر بھی تصدیق کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری برحق رسول ہیں۔ دل کی تصدیق اور زبان کی گواہی کے ساتھ جب اس کے مطابق شریعت پر عمل بھی ہونے لگے تب آپ پر ایمان کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واجب اور نافرمانی حرام ہے

یہ بات شرطِ لازم ہے کہ جہاں آپ پر ایمان لانا اور آپ کی شریعت کی تصدیق کرنا ضروری ہے، وہیں آپ کی اطاعت بھی واجب ہے کیونکہ یہ حکم بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب میں صراحتاً موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے اعراض نہ کرو جبکہ تم سن رہے ہو۔'' [3]

اور فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس......، حديث: 21. [2] دیکھیے الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ للقاضي عياض: 2/539. [3] الأنفال 8:20.

''رسول جو کچھ تمھیں دے تو وہ لے لو اور جس سے روک دے تو اس سے رک جاؤ۔''[1]

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ﴾

''کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم اعراض کرو گے تو اس رسول کے ذمے صرف وہ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور تمھارے ذمے صرف وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''لہٰذا جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انھیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آزمائش نازل نہ ہو جائے یا انھیں دردناک عذاب آ لے۔''[3]

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''[4]

ایک مقام پر اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ؕ﴾

[1] الحشر 7:59. [2] النور 54:24. [3] النور 63:24. [4] الأحزاب 71:33.

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ واضح طور پر گمراہ ہو گیا۔“ [1]

نیز اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○﴾

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہو گا۔“ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ»

”جو شخص میری اطاعت کرے گا، اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جو میری نافرمانی کرے گا، اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔“ [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى» قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى»

”میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار

[1] الأحزاب 36:33. [2] النسآء 14,13:4. [3] صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب يقاتل من وراء الإمام......، حديث: 2957.

کر دیا۔" لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے حقیقتاً جنت میں جانے سے انکار کیا۔" [1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

"مجھے قیامت سے قبل تک تلوار دے کر بھیجا گیا ہے حتی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔ جو شخص میرے دین کی مخالفت کرے گا، اس پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دی جائے گی اور جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں شمار ہو گا۔" [2]

اسوۂ حسنہ کی پیروی

یعنی تمام معاملات میں آپ کو نمونہ بنا کر آپ ہی کے طریقِ کار کی اقتدا کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

1 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب و السنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث: 7280. 2 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما قيل في الرماح، قبل الحديث: 2914 مختصراً، و مسند أحمد:2/50و92.

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ [1]

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ۝﴾

”یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“ [2]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾

”اور تم اس (نبی امی) کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔“ [3]

لٰہذا آپ کے طریقے پر چلنا، آپ کی سنت کو لازم پکڑنا اور آپ کی مخالفت سے ہر ممکن ڈرنا اور بچنا بہت ضروری ہے۔ رسالت مآب ﷺ کا فرمان ہے:

«فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

”جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ [4]

رسول اللہ ﷺ سے محبت

اپنے اہل و عیال، والدین اور دیگر تمام عزیزوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت

[1] آل عمرٰن 31:3 . [2] الأحزاب 21:33 . [3] الأعراف 158:7 . [4] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث:5063، مطولاً .

رکھی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی، بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے کا تمھیں ڈر ہے اور تمھارے گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“[2]

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ سے محبت رکھنے کا صلہ جنت میں آپ کی رفاقت ہے۔ایک آدمی نے آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: «مَا أَعْدَدْتَ لَهَا» ”تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟“ (وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! میں

[1] التوبة 9:24 . [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان، حديث: 15، و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله......، حديث: 44 .

نے قیامت کے لیے کثیر روزے، کثیر نمازیں اور کثیر صدقات تو تیار نہیں کر رکھے، البتہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی سے محبت ضرور کرتا ہوں۔) آپ نے فرمایا:

«فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ»

''پھر تو انھی کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہمیں اسلام لانے کے بعد کسی اور چیز پر اتنی خوش نہیں ہوئی جتنی آپ کے اس فرمان پر ہوئی:

«فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ»

''تو جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔''

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''مجھے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سچی محبت ہے، لہٰذا مجھے امید ہے کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں نے ان جیسے نیک کام نہیں کیے۔''[2]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ» فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَّفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْآنَ يَا عُمَرُ!»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ کافی نہیں حتی کہ تو مجھ

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ……، باب مناقب عمر……، حديث: 3688، و صحيح مسلم، البر و الصلة……، باب المرء مع من أحب، حديث: 2639. بریکٹ والے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ [2] صحيح مسلم، البر و الصلة……، باب المرء مع من أحب، حديث: (163)-2639.

سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت کرنے لگے۔“ حضرت عمر کہنے لگے: اللہ کی قسم! اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔“ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ”عمر! اب ہوئی نا بات۔“ [1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو کسی قوم سے محبت تو رکھتا ہے مگر مرتبے کے لحاظ سے ان تک نہیں پہنچ سکا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ»

”ہر آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔“ [2]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللهِ رَبًّا ، وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا ، وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا»

”اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کو رب، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو رسول ماننے پر دل و جان سے راضی ہو۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ : مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَّا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ»

”تین اوصاف جس شخص میں پائے جائیں وہ ان کی وجہ سے ایمان کی مٹھاس

[1] صحيح البخاري، الأيمان و النذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، حديث: 6632 .

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب علامة الحب......، حديث: 6169 . [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من رضي بالله ربًّا......، حديث: 34 .

محسوس کرنے لگتا ہے:

① جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔

② وہ کسی شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھتا ہو۔

③ کفر میں لوٹ جانے کو اتنا ہی ناپسند کرے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ان اوصافِ کریمہ کی توفیق عطا فرما دے وہ فی الواقع ایمان کا مزہ چکھ لیتا ہے اور اس کی مٹھاس اور لذت صاف محسوس کرتا ہے، پھر وہ اطاعت اور نیکی کو لذیذ محسوس کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی کی خاطر بڑی سے بڑی مشقت ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے، شریعت محمدیہ کے مطابق راستہ اختیار کرتا ہے کیونکہ اس نے راضی خوشی رسالت مآب ﷺ کو رسول تسلیم کیا ہوتا ہے اور آپ سے محبت رکھتا ہے اور جو شخص آپ سے صدق دل سے محبت رکھے وہ لازماً آپ کی اطاعت کرتا ہے۔ اسی لیے ایک کہنے والا کہتا ہے:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعَمْرِي فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَّأَطَعْتَهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيعُ

''ارے! تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے جبکہ تو اس سے محبت کا دعویدار بھی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تو عقل و دانش کے لحاظ سے بڑی عجیب بات ہے۔ اگر تیری

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر......، حديث:21، و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن......، حديث:43.

محبت سچی ہوتی تو تو ضرور اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔‘‘ [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شَرْطُ الْمَحَبَّةِ أَنْ تُوَافِقَ مَنْ تُحِبُّ
عَلٰى مَحَبَّتِهِ بِلاَ عِصْيَانِ
فَإِذَا ادَّعَيْتَ لَهُ الْمَحَبَّةَ مَعَ خِلاَفِكَ
مَا يُحِبُّ فَأَنْتَ ذُوْ بُهْتَانِ
أَتُحِبُّ أَعْدَاءَ الْحَبِيبِ وَتَدَّعِي
حُبًّا لَّهُ مَا ذَاكَ فِي إِمْكَانِ
وَكَذَا تُعَادِي جَاهِدًا أَحْبَابَهُ
أَيْنَ الْمَحَبَّةُ يَاأَخَا الشَّيْطَانِ

’’محبت کی شرط یہ ہے کہ تو اس محبت کی وجہ سے اپنے محبوب کی کامل موافقت کرے اور نافرمانی سے بچے۔ لیکن اگر تو محبت کا دعویٰ بھی کرے اور محبوب کی پسندیدہ چیز کی مخالفت بھی کرے تو تیرا دعویٰ جھوٹا ہے۔ کیا تو اپنے محبوب کے دشمنوں سے محبت رکھتا ہے، پھر بھی اس سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے؟ یہ ناممکن بات ہے۔ اسی طرح تو اپنے محبوب کے دوستوں سے شدید دشمنی بھی رکھتا ہے۔ اے شیطان کے پیروکار! بتا تیری محبت کدھر گئی؟‘‘ [2]

[1] الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ: 549/2 . [2] القصيدة النونية لا بن القيم مع شرح الهراس: 136/2 .

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ گرامی سے محبت رکھتا ہے تو وہ ان چیزوں سے بھی محبت رکھتا ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول کو محبت ہے کیونکہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے تو وہ اس کے محبوب سے بھی محبت رکھتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطٰی لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»

''جو شخص محبت کرے تو اللہ کے لیے، ناراض ہو تو اللہ کی خاطر، دے تو اللہ کی رضا کے لیے اور نہ دے تو اللہ کو خوش کرنے کے لیے، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''[1]

کسی خوش بخت کی نبیٔ کریم ﷺ سے محبت کی علامات یہ ہیں کہ وہ آپ کی اقتدا کرتا ہے، سنت کی پیروی کرتا ہے، آپ کے احکام بجا لاتا ہے، آپ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔ بدحالی ہو یا خوشحالی، تنگی ہو یا آسانی وہ آپ ہی کے آداب و اخلاق اختیار کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس کو ترجیح دیتا ہے اور اسی کی موافقت کرنا پسند کرتا ہے ورنہ وہ اپنی محبت کے دعوے میں سچا نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے

[1] سنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان و نقصانه، حديث: 4681.
[2] دیکھیے الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ: 571/2.

محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اس آیت کو آزمائش والی آیت کہا جاتا ہے کیونکہ اس آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا امتحان لیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور آپ کے منہیات سے پرہیز ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ سے محبت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ محبّ آپ سے مخلص رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ» قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: «لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' ہم نے پوچھا: کس کے لیے خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے لیے، اللہ کی کتاب کے لیے، اللہ کے رسول کے لیے، مسلمان حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کی جائے، اوامر و نواہی میں آپ کی اطاعت کی جائے...... آپ کی مدد کی جائے، آپ کا ساتھ دیا جائے، آپ کی زندگی میں اور بعد میں بھی آپ کی حمایت کی جائے، آپ کی سنت کو زندہ رکھا جائے، اس پر عمل کیا جائے، اسے پڑھا اور پڑھایا جائے، اس کا دفاع کیا جائے، اس کی نشر و اشاعت کی جائے اور آپ کے اخلاق کریمہ اور آداب عالیہ اپنائے جائیں۔[3]

[1] آل عمرٰن 31:3 . [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحۃ، حدیث:55 . [3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی ﷺ:584,583/2 .

رسول اللہ ﷺ کا اکرام واحترام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ﴾

”......کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کی مدد کرو اور اس کا ادب (تعظیم وتوقیر) کرو۔“ [1]

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [2]

نیز فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ﴾

”تم رسول کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ۔“ [3]

نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی توقیر وتعظیم اسی طرح ضروری ہے جس طرح زندگی میں تھی، مثلاً: جب آپ کی کوئی حدیث ذکر کی جائے، آپ کا نام نامی لیا جائے اور آپ کی سیرتِ طیبہ ذکر کی جائے تو آپ کی عالی منزلت کا بھرپور خیال رکھا جائے۔ [4] یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی احادیث مبارکہ اور سخنِ طیبہ کو سیکھا جائے، ان کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے اور بوقتِ ضرورت ان کی مدد اور دفاع کیا جائے۔ [5]

[1] الفتح 9:48 . [2] الحجرات 1:49 . [3] النور 63:24 . [4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ:595/2 . [5] الشفاء:595/2 .

رسول کریم ﷺ کی مدد واجب ہے اور آپ کو گالی دینے والے کا حکم

نبیٔ کریم ﷺ سے سچی محبت کی نشانی یہ ہے کہ آپ کی مدد کی جائے اور آپ کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ط﴾

"(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی مدد کرو اور اس کا ادب (تعظیم وتوقیر) کرو۔"[1]

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:

﴿فَالَّذِينَ ءَامَنُوا بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

"چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر اتارا گیا ہے، یقیناً یہی لوگ کامیاب ہیں۔"[2]

﴿وَتُعَزِّرُوهُ﴾ کے معنی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزت و احترام کے نقل کیے ہیں اور ﴿وَتُوَقِّرُوهُ ط﴾ کا مطلب تعظیم اور احترام بتایا ہے۔[3] اور علامہ بغوی رحمہ اللہ نے ﴿وَتُعَزِّرُوهُ﴾ کے معنی مدد اور نصرت بتائے ہیں۔[4]

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول مکرم کو تکلیف دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] الفتح 48:8،9. [2] الأعراف 7:157. [3] تفسير ابن كثير 5/613. [4] معالم التنزيل 4/224.

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝﴾

''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝﴾

''جس شخص پر اللہ لعنت کرے، اس کے لیے آپ کوئی مددگار نہ پائیں گے۔''[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے اور اللہ نے اسے ملعون قرار دے دیا ہے۔

اگر کوئی اسلام کا دعویدار شخص آپ کو گالی دے تو وہ مرتد ہو جائے گا۔ یہ مردود شخص توبہ بھی کرے گا تو قبول نہ ہوگی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ﴾

''کہہ دیجیے: کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کو مذاق اور استہزاء کا نشانہ بناتے تھے؟ (اب) کوئی عذر پیش نہ کرو، یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''[3]

چنانچہ ایسے مردود شخص کو توبہ کا موقع دیے بغیر قتل کر دیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے، البتہ اگر گالی دینے والا شخص ذمی ہو یا معاہدہ کر کے آیا ہو تو اس کا عہد ختم ہو جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسے چھوڑا جا سکتا ہے نہ اس سے فدیہ لیا جا سکتا ہے، وہ بہرحال

[1] الأحزاب 57:33 . [2] النسآء 52:4 . [3] التوبة 66,65:9 .

قتل کیا جائے گا۔ اگر گالی دینے والا خود ہی توبہ کرے تب بھی صحیح بات یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اگر وہ اصلاً مسلمان ہو تو اس کی توبہ ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کے ہاں کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے اس مسئلے کو چار ذیلی مسئلوں کی صورت میں مرتب کیا ہے:

پہلا مسئلہ: شاتم رسول کو قتل کیا جائے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

دوسرا مسئلہ: اگر وہ ذمی ہو تو اسے لازماً قتل ہی کیا جائے گا۔ اسے چھوڑا جا سکتا ہے نہ اس سے فدیہ لیا جا سکتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی کافر سب وشتم کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس کی کیا صورت ہو گی؟

چوتھا مسئلہ: سب وشتم سے کیا مراد ہے؟ سب وشتم اور کفر میں کیا فرق ہے؟[1]

بحمد اللہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت مفید بحث رقم کی ہے۔ رحمه الله رحمة واسعة.

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے حقوق ادا کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کامیابی، نجات اور ہدایت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم

[1] دیکھیے الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ: 11 وما بعد.

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾

’’اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور (ان کے لیے بھی) جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ (یعنی) وہ لوگ جو اس رسول ’’نبی امی‘‘ کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں (تمام اوصاف سمیت) لکھا پاتے ہیں۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انھیں برائی سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے، ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے کمر توڑ بوجھ اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے طوق اتارتا ہے، لہٰذا جو لوگ اس (نبی امی) پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی کامیاب ہیں۔ کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول ’’نبی امی‘‘ پر ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر پختہ ایمان رکھتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت حاصل کرسکو۔‘‘ [1]

[1] الأعراف 7:156-158.

اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو تمام جہانوں پر رحمت برسانے کے لیے بھیجا ہے۔ فرمان باری ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○﴾

”(نبیٔ کریم!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی اور خاتم الرسل بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾

”محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔“ [2]

لہٰذا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ تمام جنوں اور انسانوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور ہر شر سے ڈرانے والے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ○ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○﴾

”(اے نبی کریم!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے۔) اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری دیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے فضل عظیم ہے۔ نیز کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی تکلیف وایذا کی پروانہ کیجیے اور اللہ پر توکل رکھیے۔ اور

1 الأنبیآء 107:21 ۔ 2 الأحزاب 40:33 ۔

اللہ کارساز کافی ہے۔‘‘ [1]

اور فرمایا:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

’’اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسولِ (گرامی) آ چکا ہے، وہ تمھارے سامنے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں بیان کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے اور تمھاری بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔ اس کی بدولت اللہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر چلاتا ہے جو اللہ کی رضا مندی کے پیروکار ہیں اور ان کو اپنے فضل سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔‘‘ [2]

رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لیے خصوصی انعام واحسان ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

’’یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے روبرو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں

[1] الأحزاب 33:45-48 . [2] المآئدة 5:15,16 .

کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً وہ اس (کے آنے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت اور عصمت کی ضمانت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”اے رسولِ (کریم!) آپ کے رب کریم کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے وہ سب لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس (اللہ) کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، یقیناً اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [2]

امر واقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استہزاء کرنے والوں سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝﴾

”چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں۔ بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں، چنانچہ وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے آپ کا سینہ (دل) تنگ ہوتا ہے۔ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں میں ہو

[1] اٰل عمرٰن 164:3۔ [2] المآئدة 67:5۔

جائیں اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔‘‘ [1]

پس اے اللہ کے مومن بندے! سچے دل سے نبیٔ کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنے والا بن جا۔ کافروں کا مددگار نہ بن بلکہ ان سے اللہ رب العالمین کی خاطر بغض رکھ اور ان کی مشابہت اختیار نہ کر کیونکہ

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

’’جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے، وہ انھی میں شمار ہوتا ہے۔‘‘ [2]

نبیٔ کریم ﷺ کے اتباع اور محبت کے ساتھ ان کی مدد کر۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا مددگار ہے۔ وہ اپنے کلمے کو بلند کر کے رہے گا، مشرک اور کافر اسے کتنا ہی ناپسند کریں اور منافق کتنا ہی چیں بجبیں ہوں۔

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾

’’جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طلبگار ہوگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارے میں رہے گا۔‘‘ [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»

’’قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جسے

[1] الحجر 15:94-99. [2] مسند أحمد: 2/50، 92. [3] آل عمرٰن 3:85.

بھی میرے (نبی ہونے کے) بارے میں علم ہو جائے، چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی اور وہ میری رسالت وشریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔''[1]

رسول اکرم ﷺ کی دعوت تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہے جو قیامت تک قائم ہے۔ جو شخص آپ کو تکلیف دے گا یا سب وشتم کرے گا، اسے سزا دینے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول مکرم کو تکلیف دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[2]

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾

''جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''[3]

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی ہجو کی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے نہایت جامع جواب دیا:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ
وَعِنْدَ اللهِ فِي ذٰلِكَ الْجَزَاءُ

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَتِي وَعِرْضِي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمدﷺ، حديث: 153 .
[2] الأحزاب 57:33 . [3] النسآء 52:4 .

''تو نے حضرت محمد ﷺ کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی جزا ہے۔ میرے ماں باپ اور میری عزت حضرت محمد ﷺ کی ناموس پر قربان ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ سے فیصلے کروانا اور اس پر راضی رہنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ۝﴾

''پھر اگر کسی چیز میں تمھارا باہم اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم فی الواقع اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾

''چنانچہ (اے نبی!) تیرے رب کی قسم! وہ لوگ صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حکم اور فیصل تسلیم نہ کر لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ وہ اسے دل و جان سے تسلیم کر لیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی سنت و شریعت کی یہی ابدی حیثیت رہے گی۔

[1] النسآء 4:59 . [2] النسآء 4:65 .

رسول اللہ ﷺ کے اصل مقام ومنزلت میں کمی بیشی نہ کی جائے

رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تمام انبیاء اور رسولوں میں افضل ہیں۔ سب اولین و آخرین کے سردار ہیں، آپ مقامِ محمود پر سرفراز ہوں گے۔ حوضِ کوثر کے ساقی ہوں گے۔ ان سب مراتبِ عالی کے باوجود آپ انسان ہی تھے۔ آپ خود اپنے لیے یا کسی کے لیے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے......۔“[1]

ارشادِ باری ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾

”کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف صاحب ایمان لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہوں۔“[2]

[1] الأنعام 50:6 . [2] الأعراف 188:7 .

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○﴾

''کہہ دیجیے بے شک میں تمھارے لیے کسی نقصان یا بھلائی کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ دیجیے: یقیناً مجھے اللہ (کے عذاب) سے کوئی پناہ نہیں دے گا اور اس کے سوا میں ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا۔'' [1]

بالآخر رسول اللہ ﷺ بھی دوسرے انبیاء کی طرح فوت ہوئے، البتہ آپ کا لایا ہوا دین رہتی دنیا تک باقی رہے گا جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ○﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی مرنے والے ہیں اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔'' [2]

نیز فرمان باری ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ لوگ ہمیشہ باقی رہیں گے؟ ہر شخص موت کو چکھنے والا ہے۔'' [3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○﴾

[1] الجن 22,21:72 . [2] الزمر 30:39 . [3] الأنبیآء 35,34:21 .

''کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی (توحید) کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ پر درود کے فضائل و برکات

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس (نبی) پر درود و سلام پڑھا کرو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا»

''جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔''[3]

نیز آپ نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا ، وَّلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا ، وَّصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید (میلہ گاہ) نہ بناؤ۔ مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے تمھارا درود مجھ تک پہنچتا رہے گا۔''[4]

[1] الأنعام 6:162,163. [2] الأحزاب 33:56. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن......، حديث: 384. [4] سنن أبي داود، المناسك، ◄◄

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»

''اصل بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا مگر اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔''[1]

مزید فرمایا:

«مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَّمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلٰى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ»

''جس مجلس میں بھی لوگ بیٹھیں اور اس میں نہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ نبئ کریم ﷺ پر درود پڑھیں، وہ مجلس ان کے لیے حسرت و افسوس کا باعث بن جائے گی، پھر (اللہ کی مرضی ہے کہ) وہ انھیں معاف کرے یا انھیں عذاب میں مبتلا کرے۔''[2]

«إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِّي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ»

''اللہ تعالیٰ کے زمین میں سیر و سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔''[3]

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبئ کریم ﷺ سے عرض کی تھی:

«رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ - أَوْ بَعُدَ - ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: آمِينَ»

◄◄ باب زيارة القبور، حديث: 2042.

1 جامع الترمذي، الدعوات، باب رغم أنف رجل......، حديث: 3546. 2 جامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون ولا يذكرون الله، حديث: 3380.

3 سنن النسائي، السهو، باب التسليم على النبي ﷺ، حديث: 1283.

”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا مگر اس نے آپ پر درود نہ پڑھا تو میں نے کہا تھا: (آمین۔)“ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ»

”جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ میں لوٹا دے گا اور میں سلام کا جواب دوں گا۔“ [2]

نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کے بہت سے مقامات ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اکتالیس مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ بطور مثال چند یہ ہیں:

① مسجد میں داخل ہوتے وقت
② مسجد سے نکلتے وقت
③ مؤذن کا جواب دینے کے بعد
④ اقامت کے وقت
⑤ دعا کرتے وقت
⑥ نماز میں تشہد کے دوران
⑦ نمازِ جنازہ میں
⑧ صبح و شام کے وقت
⑨ جمعۃ المبارک کے دن
⑩ مجلس میں اٹھنے سے پہلے
⑪ ہر خطبے میں، مثلاً نماز جمعہ کے دونوں خطبوں میں
⑫ آپ کا اسمِ گرامی لکھتے اور بولتے وقت
⑬ عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کے مابین [3]

[1] مسند أحمد: 254/2، و صحیح ابن خزيمة: 193,192/3، حديث: 1888. [2] سنن أبي داود، المناسك باب زيارة القبور، حديث: 2041. محدثین کے نزدیک یہ روایت حسن درجے کی ہے جو قابل حجت ہوتی ہے، لہٰذا جو روح لوٹانے اور سلام کا جواب دینے کا معاملہ ہے تو یہ برزخی معاملہ ہے اس پر کسی قسم کی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ [3] نماز عید کی زائد تکبیرات کے دوران میں درود ◄◄

(14) دعائے قنوت کے آخر میں (15) صفا اور مروہ پر

(16) آپ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہوتے وقت

(17) غم وفکر اور سختی کے وقت مغفرت طلب کرتے ہوئے

(18) اور گناہ کے بعد توبہ کرتے وقت اور کفارہ وغیرہ کے موقع پر

نبیٔ اکرم ﷺ پر درود کے التزام کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صرف یہی ایک حدیث مذکور ہوتی تب بھی پوری طرح کافی ووافی تھی:

«مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ صَلاَةً وَّاحِدَةً، صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ [كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا عَشْرَةَ حَسَنَاتٍ]، وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا عَشْرَ خَطِيئَاتٍ، وَّرَفَعَ عَشْرَ دَرَجَاتٍ»

''جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا، دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول، اپنی مخلوق میں سے افضل ترین شخصیت، اپنی وحی کے امین اور ذمہ دار، ہمارے آقا اور نبیٔ کریم حضرت محمد بن عبداللہ پر، آپ کی آل پر آپ کے صحابہ پر اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر بے شمار رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرمائے۔

◄◄ پڑھنا یہ صرف امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ دیکھیے جلاء الأفهام، ص: 611.

1 مسند أحمد: 263/3، وصحيح ابن حبان: 185/3، حديث: 904. بریکٹ والے الفاظ مسند أحمد: 262/2 کے ہیں، نیز آخری جملہ مسند أحمد: 29/4 کا ہے۔



